

ابن صفی

جاسوسی دنیا

100- دیو پیکر درندہ

101- ٹسٹل کی بیداری

102- خوفناک منصوبہ



جاسوسی دنیا نمبر 100

دیوپیکر درندہ

(پہلا حصہ)

پیشہ رس

سفر

فریدی سورہ تھا..... کسی قسم کی آواز پر جاگ اٹھا۔ کوئی دروازہ پیٹھ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔

ایک طویل قامت اجنبی سامنے کھڑا تھا۔ فریدی پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ تحریر تھا کہ وہ کس طرح اس کی خواب گاہ تک پہنچا ہو گا۔

اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ”تمہارے رکھوالي کے لیے یعنی مجھ سے مانوس ہیں۔“
”میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”مجھے کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔“ اجنبی کا لہجہ تمہارے مفہوم تھا۔

”اندر آ جائیے۔ کیا سفرتیوں نے بھی آپ کو نہیں تو کا۔!“

”میں کی معاملات میں تمہارا راز دار ہوں میٹے۔“ اجنبی نے گلو گیر آواز میں کہا۔

لہجہ کچھ جانا پہچانا سامنے محسوس ہوتا تھا۔ فریدی پیچھے ہٹا اور اسے کرسی پیش کی۔

”وہ طویل سانس لے کر بیٹھ گیا اور بولا۔“ میٹے کہہ کر مخاطب کرنا تمہیں ناگوار گزرا ہو گا۔
کیونکہ تمہارا ہم عمر ہی لگتا ہوں۔“

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو ابھائی جگش دی۔

”میں نے ابھی یہ بھی کہا تھا کہ بعض معاملات میں تمہارا راز دار ہوں۔“

”آپ نے کہا تھا.....؟“ فریدی سر ہلا کر بولا۔

”میں جانتا ہوں کہ جب تم کسی کے علم میں لاۓ بغیر کوئی ہی باہر جانا چاہتے ہو تو کون سا

جا سوی دنیا کا آڑن جو بلی نمبر ”دیو پیکر درندہ“ حاضر ہے۔

مجھے بے حد انسوں ہے کہ اسے ٹیش کرنے میں بہت تاخیر ہوئی۔
لیکن کیا کیا جائے۔ انسانی ذہن ہی ہے۔ بعض الجھنیں اور بعض صدے
ایسے ہوتے ہیں جو اسے کسی کام کا نہیں رکھتے۔ میرے والد صاحب چھ
سال مہ سے شدید علیل تھے بلا آخر ۲۷ جون ۱۹۶۷ء کو معبد حقیقی سے

جائی۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَأْجُونُ

اُن کی علاالت کے سلسلے میں آئے دن نت غی پیچید گیوں کا سامنا
ہوتا تھا۔ ذہن اُن میں الجھا تھا اور میرا اپنا کام جہاں تھاں رہ جاتا تھا۔

ایسے ہی حالات میں یہ کہانی مکمل ہوئی ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں
کہہ سکتا کہ یہ اس نمبر کے شایان شان ہے بھی یا نہیں۔ ویسے میں نے
کوشش تو یہی کی ہے کہ میرا اپنا معیار برقرار رہے۔

کہانی اگر پسند آ جائے تو فہارو نہ میرے حالات کو منظر رکھتے
ہوئے مجھے معاف کر دیجئے گا۔

والسلام

ابن صیفی

۰۸-۶۱

راستہ استعمال کرتے ہو۔“

”مجھے اس پر تیرت ہی ہونی چاہئے۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں بہت بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو مجھے یا میری دشواریوں کو سمجھ سکے۔“

فریدی اُسے ایسے انداز میں دیکھتا رہا جیسے اس کے بعد کے جملے کا بھی مختصر ہو۔

”تم کیا سمجھتے ہو۔“ وہ تھوڑی دری بعد بولا۔ ”میں کون ہوں؟“

”یادداشت پر بہت زیادہ زور دینے کے باوجود بھی میں آپ کو نہیں پہچان سکا۔“ فریدی رکا۔ دفعتاً فریدی بولا۔ ”میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ انداز گفتگو کچھ جانا پہچانا سامعلوم ہوتا ہے۔ لیکن آواز.....؟“ کے لمحے سے نہادت کا اظہار ہو رہا تھا۔

”میں تمہارا ذمی آئی ہوں۔“ وہ کرسی سے اٹھ کر پر جوش انداز میں بولا۔

”جی.....!“ فریدی کی آنکھیں پر تمثیر انداز میں آہستہ آہستہ پھیل گئیں۔ اور ”جی“ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا۔

”کم از کم تمہیں تو یقین کرنا ہی پڑے گا۔ قطعی طور پر..... یہ آخری حد ہے..... اگر تم نے یقین نہ کیا تو مجھے خود کشی کرنی پڑے گی۔“ فریدی برایہ راست اس کی آنکھوں پر دیکھے جا رہا تھا۔

”ہاں..... میں یہی چاہتا ہوں۔“ ابھی بولا۔ ”اب تم جو کچھ بھی کہو سوچ کر کہو..... اسی پر میری زندگی کا انحراف ہو گا۔ میں نگ آ گیا ہوں۔“

”چلنے..... میں خاموش ہی رہوں گا۔ آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔“

”خدا کے لئے ایسا لبھ اخیار نہ کرو۔“ ابھی ہاتھ انداز کر مغموم انداز میں بولا۔

”نہیں میں سنجیدہ ہوں۔“

”تم جانتے ہو کہ میں تین ماہ کے لئے بچوں سمیت وادی سرخاب گیا تھا۔“

”آپ.....!“ فریدی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”ہاں..... میں.....!“

”لیکن میں کیسے یقین کرلوں۔ آپ کا قدم.....!“

”اوہ..... تو تم یہ سمجھتے ہو کہ میں میک اپ میں ہوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

”میں میک اپ میں نہیں ہوں..... میرے ساتھ وہ حادثہ ہوا ہے کہ جس کا جواب دنیا کی

بارخ میں نہیں ملے گا۔“

فریدی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ابھی بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے

یادداشت پر بہت زیادہ زور دینے کے باوجود بھی میں آپ کو نہیں پہچان سکا۔“ فریدی رکا۔ دفعتاً فریدی بولا۔ ”میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ انداز گفتگو کچھ جانا پہچانا سامعلوم ہوتا ہے۔ لیکن آواز.....؟“

”میرا سب کچھ بدل گیا ہے۔ خود مجھے اپنی آواز ابھی ابھی سی لگتی ہے۔“

”لیکن لبھج.....!“

”میں نے اس پر غور نہیں کیا.....؟“ ابھی بولا۔

”دفعتاً فریدی اُسے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”اصل مقصد بیان کرو۔“

ابھی کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے اور پھر اس کی آنکھیں بے حد مغموم نظر

آنے لگیں اور اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اب مجھے مرنا ہی پڑے گا۔“

فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا بہ وہ اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دری بعد ابھی نے کہا۔ ”آختم کس طرح یقین کرو گے کہ میں وہی ہوں۔“

”میری کچھ میں نہیں آتا کہ.....!“ فریدی جملہ پورا کے بغیر خاموش ہو گیا۔

”کہہ..... کہو..... خاموش کیوں ہو گئے۔“

”کچھ کچھ میں نہیں آتا۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمکش میں پڑ گئے ہو۔“

”یقیناً.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔

”کس بناء پ.....؟“

ایسا حالہ تھا جس کے سچے جواب پر وہ جو نکلے بغیر نہ رہ سکا اور پھر تو اس نے سوالات کی بوچاڑ کر دی۔ لیکن ایک بھی ایسا جواب مارک نہ کر سکا جو غیر شفی بخش ہوتا۔“
”میری سمجھ سے باہر ہے یہ معاملہ.....!“ فریدی کچھ دیر بعد بڑا یا۔
”مجھے خوشی ہے کہ تم اس پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہو۔“ ابھی بولا۔
فریدی کچھ نہ بولا۔

ابھی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ ”کتنی بڑی ٹریڈنگی ہے ہم دونوں ایک دوسرے کو گھوڑتے ہوئے قریب سے گزر جاتے ہیں۔“
”کون دونوں.....؟“

”میں اور میرا جنم....!“
”کیا مطلب.....؟“

”میں اور میرا جنم.... تم سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ جسم ہے تم سلوٹ کرتے ہو۔“
”یعنی..... ذی آئی ہی صاحب اور آپ دونوں ایک دوسرے کو گھوڑتے ہوئے قریب سے گزر جاتے ہیں۔“

”ہاں..... بات کو سمجھنے کے لئے تم یہی کہہ سکتے ہو۔“
”کیا میں اپنے استشنت کیمپن حمید کو بھی جھاؤں؟“
”نہیں.....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہرگز نہیں..... میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ وہ

میرا ملکھڑا اڑائے گا کیونکہ جسمانی طور پر مجھے پہچان نہیں سکے گا۔“
فریدی اسے تیکھی نظروں سے گھوڑا ہاتھا۔ دھنٹا گوچھلی آواز میں بولا۔ ”مذاق ختم..... اب تم مجھے اس طرح یہاں آنے کا مقصد بتاؤ گے۔“

ابھی کے چہرے پر پہلے تو غصے کی سرفی نظر آئی پھر آہستہ گھرے اضطلاع نے اس کی جگد لے لی۔ آنکھیں مغموم دکھائی دینے لگی اور وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔
”فف..... فریدی بیٹھے۔“ اور پھر آواز گھٹ کر رہ گئی اور کری کے ہتھوں کے گرد اس کی

”آپ کا لجہ اور حرکات و سکنات! لجہ کی نقل تو خیر اتاری جاسکتی ہے۔ لیکن غیر شعور طور پر جو حرکات سرزد ہوتی ہیں اس کو مستقل طور پر ذہن میں رکھنا قریب قریب ناممکن ہے مثال کے طور پر میرے ذی آئی ہی صاحب جب بھی کسی الجھن میں ہوتے ہیں تو با میں کا کی لو با میں ہاتھ کی چکلی سے مسلسل مسلسل رہتے ہیں اور داہنے پیر کے جوتے کی ٹورہ رہ کر اٹھ ہے اور زمین سے لگتی ہے۔“

”خدا کی قسم تمہیں یقین آجائے گا۔“ ابھی خوشی کے مارے اچھل پڑا اور پھر مضطربا انداز میں بولا۔ ”مجھے یقین تھا..... مجھے یقین تھا کہ تم اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کرو گے۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ حیرت زندہ نظروں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

”پوچھو.....! مجھ سے کوئی اسی بات پوچھو۔“ ابھی مضطربا نہ انداز میں بولا۔ ”جس کا عمل میرے اور تمہارے علاوہ اور کسی کو بھی نہ رہا ہو۔“
فریدی نے سر کو اشاتی جنمیں دی اور سگار کیس سے سگار نکال کر اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”آپ کو..... یہ سگار پسند تھے۔“

”ہاں..... مجھے پسند تھے۔ اب بھی پسند ہیں۔ لیکن میں ترس رہا ہوں۔ ذہن تمبا کو کہ پیاس بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے۔ میں پیتا ہوں لیکن ایک کش سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وہی کش میرے سینے کو چھیل کر رکھ دیتا ہے اور میں دوسرا کش نہیں لے سکتا۔“
فریدی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”پھر بھی..... مجھے ایک ہی کش سکتا۔!“

وہ اس سے سگار لے کر سلاگانے لگا۔ دو تین کش لئے اور فریدی کی طرف دیکھ کر مسکرا ہوا بولا۔ ”دھواں طلق سے نیچے اتارنے کی بہت نہیں رکھتا۔“

”خیر..... یونہی سہی..... آپ نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت کیس جی آر تھری کس کے پر دیکھا تھا؟“
”لہس پی کر انہر کے..... اور یہ تمہارے ہی مشورے پر ہوا تھا۔“

الگیاں تشنجی انداز میں کھلنے اور بند ہو سئے گیں۔

فریدی اس کے حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نرم بھجے میں بولا۔ ”تواب آپ کیا چاہتے ہیں۔“

اجنبی چونک پڑا اور انگلیوں کی وہ تشنجی کیفیت یکخت زائل ہو گئی۔ اب اس کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔

”آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”مجھے میرا جسم واپس چاہئے۔“ وہ بھرا لی ہوئی آواز میں بولا۔

”مجھے اپنے اس جسم کے بارے میں کچھ اور بھی بتائیے۔“

”میرا وہ جسم مجھے اس طرح دیکھتا ہے جیسے میں نے اس سے کچھ چھین لیا ہو۔“

”کیا وہ اس وقت بھی نظر آ رہا ہے آپ کو۔“

”فریدی.....!“ اس کے لمحے میں احتیاج تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر پھر خفیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ بولنا نہیں۔

اجنبی نے کہا۔ ”تم شائد یہ سمجھتے ہو کہ میں کسی آسمی خلل کا شکار ہوا ہوں۔“

”پھر میں کیا سمجھوں جناب؟“

”کیا مجھے علم نہیں کہ تم ضعیف الاعتقاد لوگوں میں سے نہیں۔“ اجنبی کسی قدر تلخ بھجے میں بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اب وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے کھانسی آگئی اور جھنجلاہٹ میں اس نے سگار کو المیٹرے میں مسل دیا اور پھر جھپنی جھپنی بھنسی کے ساتھ بولا۔

”یہ حشر ہوتا ہے اگر دھوال طق کے نیچے آت جائے۔ ہاں تو میں تمہیں اپنے جسم کے بارے میں بتا رہا تھا وہ مجھے کچھ ایسے ہی انداز میں دیکھتا ہے جیسے میں نے بھی اس کا جسم چھین لیا ہو۔“

”وہ ہے کہاں؟“ فریدی نے اکٹائے ہوئے سے انداز میں پوچھا۔

”سرخاب دلی میں..... اسی ہوٹل میں جہاں میرا قیام تھا۔ ہم دونوں کے کمرے برابر

برابر تھے۔ وہ اب بھی وہیں ہے۔“

”آپ نے اپنے پھوٹوں کا تذکرہ کیا تھا۔“

”وہ کچھ دنوں کے بعد اپنے ماہوں کے پاس چلے گئے تھے اور اب تک وہیں مقیم ہیں۔“

میں وادی سرخاب ہی میں مقیم رہا تھا کہ اچانک ایک صبح میں نے اپنا جسم بدلا ہوا پایا۔ تم خود سوچو

جب میں پہلی بار آئیئے کے سامنے کھڑا ہوں گا تو ذہن کو کتنا زبردست دھپک لگا ہو گا۔“

”یقیناً..... یقیناً.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔

”مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔“ اجنبی جھنجلا کر بولا۔ ”تمہاری آنکھوں سے بے چنی

جھانک رہی ہے۔“

”میں اپنی آنکھیں خود نہیں دیکھ سکتا۔“ فریدی نے خلک بھجے میں کہا۔

”کتنی زبردست ٹریجڈی ہے۔“ اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”میرے جسم نے

میرا ساتھ چھوڑ دیا اور نہ تم ایسے لمحے میں مجھ سے گفتگو کر سکتے۔“

”مجھے اختیار ہے کہ تمہیں گرفتار کرلو۔“ فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم میری اجازت

حاصل کئے بغیر اس راستے سے میرے مکان میں داخل ہوئے ہو جس کا علم میر کھما میرے

ذی آئی جی کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں۔“

”تو پھر مجھے جیسے اجنبی کے لئے تو اس کا جانا ہا ممکن ہی نہ ہوا۔“ اجنبی مسکرا یا۔

”لکھن ہے۔“ فریدی تکے کے نیچے سے روپور نکال کر اس کا رخ جنگی کی جانب کرنا

ہوا بولا۔ ”تم ٹھوپی آئی جی پر تشدید کر کے ان سے معلوم کر سکتے ہو۔ لہذا جب تک میں ذی آئی

جی کی خبریت دریافت نہ کرلوں، تمہیں میری خجی حالات میں رہنا پڑے گا۔“

”بڑی خوشی تھے۔“ اجنبی پر سرت لمحے میں بولا۔ ”یہی طریقہ تمہیں مطمئن کر سکے گا.....

..... میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

فریدی اسے گھورتا ہا سعدہ پھر بولا۔ ”ہوٹل فیضان کرہ نمبر گیارہ میں مقیم ہے میرا جنم اور

نمبر بارہ میرا ہے..... وادی میں خاہب.....!“

جہاز کے نیک آف کرنے سے دس منٹ قبل اگر فریدی بھی ایرپورٹ نہ پہنچ گیا ہوتا تو
جمید یہی سوچتا رہ جاتا کہ آخرا جاںک وادی سرخاب کیوں؟
”اب تو بتا دیجئے کہ روزانہ کتنے سرخاب مارنے ہوں گے۔“ جمید گھاٹھیا۔

”وقت کم تھا اس لئے میں پہلے ہی تمہیں ہدایات نہیں دے سکتا۔ اپنے ذی آئی جی
صاحب غالباً ہوں فیضان کے کمرہ نمبر گیارہ میں مقیم ہیں۔ تمہیں ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔“
”دیکھ بھال..... کیا مطلب.....؟“ گیا انہوں نے دو دھنے کے لئے دوبارہ فیڈر کا
استعمال شروع کر دیا ہے۔“

”سبنجیدگی سے سنو۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم بس ان کی گمراہی کرو گے اور ان کی
صرفوفیات سے مجھے مطلع کرتے رہو گے۔“

”میں بالکل نہیں سمجھا۔“ جمید کے لمحے میں حیرت تھی۔

”تم بالکل اسی طرح ان کی گمراہی کرو گے جیسے کسی ملزم کی کر رہے ہو۔“

جمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ”صرف سات منٹ رہ گئے ہیں لہذا جلدی سے اس کی وجہ بھی
بتا دیجئے۔“

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو.....!“

جمید نے طویل سانس لی اور بولا۔ ”کیا مجھے میک اپ میں رہنا ہو گا۔“

”ہرگز نہیں..... تم اسکے قریب سے بھی گزر سکتے ہو۔ اس طرح کوہ تمہیں پہچان سکس۔“

”اور انہیں سلام کرنا بھی میرے فرائض میں داخل ہو گا۔“

”بالکل..... لیکن تم اسکے قریب رک کر ان سے مزید گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

”اللہ مالک ہے۔“ جمید پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دھنٹا ایک ایرپورٹ ہوش قریب آ کر بولی۔ ”اب ہمیں اجازت دیجئے کریں پلینز.....!“

”اوہ..... شکریہ..... شکریہ.....!“ فریدی نے کہا اور جہاز سے نیچے اتر گیا۔

ماہیک سے آواز آئی۔

”اٹھو.....!“ فریدی ریوالور کو جبکش دے کر بولا۔
اجنبی کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کے پھرے پر ایسے عی آثار تھے جیسے وہ اپنی سخت توہین محسوس
کر رہا ہو۔

فریدی نے اسے کمرے سے باہر نکلا اور اس کے بائیں پہلو سے ریوالور لگائے ہوئے
اس کے ساتھ چلتا رہا اور کچھ دیر بعد وہ اسے اپنی زمین دوزخوالات میں منتقل کر رہا تھا۔
اجنبی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس کی بناء پر کہا جا سکتا کہ فریدی کا یہ رویہ اس کے لئے
خلاف توقع رہا ہو۔

فریدی پھر اپنی خواب گاہ میں واپس نہیں گیا۔ ڈرائینگ روم والے ٹیلی فون پر ایک فضال
کمپنی سے رابطہ قائم کر کے اس کی صبح کی پہلی فلاٹ کے متعلق گفتگو کی اور پھر مختلف جگہوں پر“
ایک کالیں اور بھی کیں اور پھر جمید کی خواب گاہ کے لئے ڈائیل کیا۔ کچھ دیر بعد جمید کی جھلاؤ
ہوئی سی ”ہلو“ سنائی دی۔

”بستر چھوڑ دو۔“ فریدی نے ماڈ تھیس میں میں کہا۔

”کیا فرمایا..... سر توڑ دوں؟“

”بستر چھوڑ دو۔“

”کیا کہیں سے اطلاع ملی ہے کہ میرے بستر میں ٹائم برم رکھا ہوا ہے؟“

”تمہیں پھج بجے والے چلپین سے وادی سرخاب جانا ہے۔“

”کسی نے یونہی اڑائی ہو گی۔“

”جمید.....؟“

”لیں فادر.....!“

”ایر پنی..... ہری اپ.....!“

فریدی نے سلسہ مقطوع کر دیا۔

پھر کون ستا ہے نفاذ درویش۔ جمید کو وادی سرخاب کے لئے روانہ ہونا پڑا تھا۔

”فریدی صاحب نے فون پر مجھے اطلاع دی تھی کہ میرے لئے اس فلائٹ سے کرم آباد سے سیٹ بک کر ادی گئی ہے اور تم بھی میرے ساتھ جا رہے ہو۔“
حید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”تو شائد اب مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں وادی سرخاب کیوں بھیجا جا رہا ہوں۔“
”اوہ..... تو تمہیں نہیں معلوم۔“
”بھی نہیں..... مجھ سے تو صرف اتنا کہا گیا تھا کہ وادی سرخاب کے ہوٹل فیضان میں مجھے قیام کرنا ہے اور بس۔ وہاں کیوں قیام کرنے والا ہوں اس کا علم شائد میرے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔“
”عجیب بات ہے؟“

حید پھر کچھ نہ بولا اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سعیدہ..... خدا کی پناہ! وہ صرف دماغ چاٹنے کی اپیشیلسٹ تھی اور پھر جب دماغ چاٹنے والی کوئی ایسی سستی ہو جس کا اخلاقاً احترام بھی کرنا پڑے تو وہ ان زیادہ تر خود کشی میں کی طرف مائل رہتا ہے۔ سعیدہ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر بولی۔ ”میں نہیں بھجھ سکتی کہ تمہیں انہوں نے کچھ بتایا کیوں نہیں۔“

”یہ بات آپ کی بھجھ میں نہیں آ سکتی۔“
”کیوں.....؟“

”میری بھجھ میں بھی آج تک نہیں آئی۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دونوں ایک ہی ذہنی سطح کے ہیں۔“
”ہو سکتا ہے۔“ حید بڑھتی بات دیکھ کر گھبرا یا۔

”ناممکن....!“

”ہو سکتا ہے۔“

”کیا ہو سکتا ہے؟“

”دراصل میں اوگھ رہا ہوں۔ پچھلی رات بالکل نہیں سو سکا۔“

”براؤ کرم پینیاں کس لیجے۔ جہاز تیک آف کرنے والا ہے۔“
حید نے گرد ویش کا جائزہ لیا۔ اس کے برابر والی سیٹ خالی تھی۔ اگلی دو سیٹوں پر ایک غیر ملکی جوڑا تھا..... باہمی جانب دو عورتیں تھیں ایک ادھیز اور دوسرا جوان۔
اپنے برابر کی خالی سیٹ پر اس نے تمبا کو کی پاؤچ اور پاسپ رکھ دیے۔
کچھ دیر بعد جہاز بے کراں خلاوں میں پرواز کر رہا تھا۔ پچھلی رات کی نیند کا خمار غنوماً بن کر اس کے ذہن پر مسلط ہوتا رہا۔ سفر بیزاری ہی کے ساتھ شروع ہوا تھا اس لئے ذہن جگائے رکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز نے کرم آباد کے متقرر پر لینڈ کیا اور جہاز کی خالی سیٹیں بھر لگیں۔ حید کو برابر والی سیٹ سے تمبا کو کی پاؤچ اور پاسپ اٹھانا پڑا اور پھر جب اس نے اقرب رنگین اور ریشمی بہریں محسوس کیں تو دل باغ باغ ہو گیا۔
ظاہر ہے کہ جب وہ لہریں اس کے قریب ہی قیام پڑیں بھی ہو گئیں تو تفصیلات معلوم کرنے کے سلسلے میں جلد بازی کم از کم حید کا شعار تو نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ برابر کی سیٹ پر بیٹھنے والی عورت کی توجہ اسی کی طرف ہے۔
”کیچین حید۔ کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟“ آواز داہنے کا ان میں تیر کی طرح اتری۔

گئی اور حید بے ساختہ چوک ڈا۔

یہ ذی آئی جی کی بھجھلی لوکی ڈاکٹر سعیدہ تھی۔

”آپ..... پہچانا..... جناب..... آپ کہاں.....؟“

سعیدہ کے چہرے پر حرمت کے آثار نظر آئے۔ اور اس نے کہا۔

”کیا تمہیں علم نہیں کہ میں کرم آباد سے تمہارے ساتھ سفر کرنے والی ہوں۔“

”حق..... قسم لے لیجے۔“

”عجیب بات ہے۔“ وہ سر ہلا کر بولی۔

حید اس طرح اسے دیکھتا رہا ہے اس کی باتیں بھجھ میں نہ آئی ہوں۔

”کیا کرتے رہے تھے؟“

”بُل یونکی جاتے رہے تھے۔“ مہید بیزاری سے بولا۔

”ناممکن..... ذرا امیری طرف تو دیکھو۔“

حمدید نے طوعاً، کہا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور وہ بے سانتہ بولی۔

”انسو مینا..... قطعی طور پر انسو مینا....!“

”میں نہیں سمجھتا۔“

”تم انسو مینا کے مریض ہو۔“

”تو پھر کب تک مر جاؤں گا.....؟“

”میرا مذاق اڑا رہے ہو۔“ وہ اسے گھور کر بولی۔

”یقین کیجئے۔“ میں اس مرض کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ویسے خیال ہے کہ خطرناک ہی ہو گا۔“

”یقیناً خطرناک ہے۔ اور مرنے کے لئے ابھی تمہیں کئی اشیوں سے گزرنا ہو گا۔ انسو مینا کے بعد مانیخولیا ہو گا اور یہ دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ یا تو تم بالکل ہی بے جس ہو جاؤ گے یا پھر تمہیں جنون ہو جائے گا۔ جنون کی صورت میں تم کسی اوپنجی عمارت سے چھلانگ بھی لگا سکتے ہو اور شیو کرتے وقت ریز رے اپنی گردن بھی کاٹ سکتے ہو۔“

”مجھے یقین ہے کہ عنقریب یہی ہو گا۔“ مہید سر ہلا کر سمجھ دی گئی سے بولا۔

”لہذا کیوں نہ اس چیز کو انسو مینا ہی کے اشیع میں ختم کرنے کی کوشش کرو۔“

”وہ کس طرح؟“

”نیند نہ آئے تو خواب آور ادویات کا سہارا لو۔ کسی نہ کسی طرح سات گھنٹے کی نیند ضرور ہونی چاہئے۔“

”اگر یہی حال رہا تو میں ابdi نیند کو ترجیح دوں گا۔“

”کیا حال.....؟“

”مطلوب یہ کہ.....!“

حمدید جملہ پورا نہ کر کیونکہ جہاز پھر تیک آف کر رہا تھا۔ اس کے بعد اسے وادی سرخاب ہی میں لینڈ کرنا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید ہی بولا۔

”فریدی صاحب نے کم از کم آپ کو تو یہ بتایا ہو گا کہ آپ سرخاب دیلی کیوں جا رہی ہیں۔“

”انہوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ڈیٹی کچھ بیمار ہو گئے ہیں اور مجھے ان کی دلکشی بھال کرنی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ لوگ تو ڈی آئی جی صاحب ہی کے ساتھ سرخاب دیلی گئے تھے۔“

”ہاں گئے تو تھے۔ لیکن پھر انہوں نے ہمیں ماموں کے پاس کریم آباد بھیج دیا تھا۔“

”تو وہ اس وقت وہاں نہیں ہیں۔“

”ہوں.....!“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”لیکن فریدی صاحب نے مجھے ان کی بیماری کی نویسی نہیں بتائی۔“

”ہو سکتا ہے انہیں بیماری کی نویسی کا علم نہ ہو.....!“ حمید نے کہا۔

”میں خود معلوم کرلوں گی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ڈیٹی اپنی علاالت کی اطلاع ہماری بجائے فریدی صاحب کو دیں۔“

”ہو گی کوئی سرکاری قسم کی بیماری۔“ حمید نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“

”مطلوب یہ کہ.....!“

”ہاں..... کھوکھ کیوں گئے۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”مم..... میرا سرچکرا رہا ہے۔“ حمید اپنی پیشانی چھپتا ہوا بولا۔

”پہلی بار بیٹھنے ہو جہاز پر۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ سوچ رہا تھا یہ بلا کہاں سے بیچھے لگ گئی۔

پھر وہ ڈی آئی جی کے بارے میں سوچنے لگا۔ فریدی نے اس کے بارے میں کچھ ایسی

ہدایات دیں تھیں جیسے حمید کو اس کی مگر انی کرنی ہے اور سعیدہ کو اس کی بیماری کی اطلاع دہونت ہوا پر تفکر لجھے میں بڑا یا۔
ہوئے کہا تھا کہ حمید اس نے ساتھ جائے گا۔

”تم کیا سوچنے لگے۔“ دفتار سعیدہ نے اسے پھر مناطب کیا۔

”سوچ رہا ہوں کہ کہیں آپ کو میری تمبا کونوٹی گراؤ نہ گزرے۔“

”یقیناً گراؤ گزرے گی۔ اگر تم میری ناک کے قریب دھوئیں کے بادل ازاوے کے۔“

”تو پھر کچھ بچھے مرعنی جانا چاہئے۔“

”یہ مردانہ نکل میری سمجھ میں نہیں آسکے۔“ وہ بڑا ہوئی۔

حمد کچھ نہ بولا۔ بدستور برآسامنہ بنائے بیخبارہ۔

”میں تم سے کہہ رعنی ہوں.....ابھی کچھ دیر پہلے تمہارا سر چکرا رہا تھا اور اب تم پاپ چاہتے ہو۔ یہ پاپ تو مجھے بالکل ہی صورت حرام لگتے ہیں۔“

”اچھا میں پاپ نہیں پیوں گا۔“ حمید اتنا کر بولا۔

”کیا ہمیشہ کے لئے ترک کر دو گے؟“

”اگر اسکے سلسلے میں اتنا ہی بار میرے ذہن پر پڑتا رہا تو یقیناً ہمیشہ کیلئے ترک کر دوں گا۔
اس جملے کا مطلب.....؟“

”شاید میرا دماغ چل گیا ہے۔“ حمید اپنی پیشانی سے ہتھیلی رکھتا ہوا بڑا یا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے.....اب یقیناً تم مانجولیا کے اٹیچ میں داخل ہو جاؤ گے۔ بھلا راتوں سے نہیں سوئے۔“

حمد نے بے بُسی سے ایرہ ہوش کی طرف دیکھا جو قریب سے گزرا ہے۔

شاید وہ اسے کسی قسم کا اشارہ کچھی اور فوراً انہی کسی قدر جھک کر پوچھا۔ ”فرما یے کیا پیش کروں
پیروں شوت.....!“ حمید کرایا اور وہ اخلاقاً فانتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

”تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔“ سعیدہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”شام میں ابھی اور اسی وقت مانجولیا کے اٹیچ میں داخل ہو جاؤں گا۔“ حمید اپنی

”نوتا ہوا پر تفکر لجھے میں بڑا یا۔
”کواس ہے۔“

حمد کچھ نہ بولا۔ چھلی چھلی آنکھوں سے خلاء میں گھوٹا رہا۔

”اب تم نے ایکنگ شروع کر دی۔“ سعیدہ نے بے حد خشک لجھے میں کہا۔ لیکن حمید اسی پوز میں نظر آتا رہا۔

پھر ڈاکٹر سعیدہ کے چہرے سے بیزاری کے آثار دکھائی دینے لگے۔

وہ اچھی خاصی قبول صورت لڑکی تھی۔ لیکن طبیعت کا جھکی پن اسے کہیں بھی مقبول نہیں ہونے دیتا تھا۔ میڈیسین اور سرجری کی ڈگریاں رکھتی تھیں۔ لیکن کبھی پریکش نہیں کی تھی۔ اسے افسوس تھا کہ اس نے ڈاکٹری پڑھ کر اپنی صلاحیتیں ضائع کیں۔ اسے تو فلفے میں کوئی بڑی ڈگری لینی چاہئے تھی۔

موٹے اور بحدے فرمیں کی عینک لگاتی تھی اور بے ہنگم سے بے ہنگم لباس میں رہتی تھی۔

لہذا حمید کو حیرت تھی کہ وہ اس وقت ریشمی ساری میں کیسے نظر آ رہی ہے۔

کچھ دیر بعد وہ پھر حمید کی طرف متوجہ ہوئی اور ایسا لگا جیسے دفتار اسے کوئی بھوپلی بسری بات یاد آئی ہو۔

”وہ نیلم ناہی لڑکی اب کہاں ہے جو تم لوگوں کیستا رہتی تھی۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔

”وہ کینیڈا میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔“

”کس کے خرچ پر.....؟“

”کریل صاحب کے۔“

”کچھی۔“ وہ سر ہلا کر بولی۔ ”پڑھا لکھا کر شادی کریں گے اُس سے۔“

”آپ غلط کچھی ہیں۔ وہ انہیں انکل اور مجھے فادر کہتی ہے۔“

”تم دونوں ہی عکلی ہو۔“

”الحمد للہ۔“ حمید اپنی خیالی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

”مجھے چڑاتے ہو۔“ وہ غرائی۔

”غلط سمجھی ہیں آپ۔“

”اچھا بس خاموش رہو۔“

”میں بول کب رہا ہوں؟“ حمید اس طرح چونک کر بولا۔ میںے کچھ بھی تک خاموش ہی بیٹھا رہا ہو۔

وہ بے حد سنجیدگی سے بولی۔ ”کیپن حمید میں تمہیں اٹھا کر باہر پھیک دوں گی۔“

حمد احتقانہ انداز میں بسوار کر رہا گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

ڈاکٹر سعیدہ اُسے گھورتی رہی۔ پھر ایرہ ہوش کو اشارے سے بلا کر اس سے کہا۔ ”اللہ

کے لئے بہت ٹھنڈا پانی لاو۔“

ایرہ ہوش چل گئی اور حمید سوالیہ انداز میں ڈاکٹر سعیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”ٹھنڈا پانی پیو۔!“

”آخ رس لے؟“

”ضرورت ہے تمہیں۔ اس طرح احتقانہ انداز میں آنکھیں نہ پھاڑو۔ ایم بی بی الیس کیا ہے میں نے۔“

”لیکن میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔“ حمید بے لسمی سے بولا۔

”جب تک تم ڈیڈی کی علاالت کے بارے میں نہیں بتاؤ گے ہر پانچ منٹ کے بعد ایک گلاں ٹھنڈا پانی پلواتی رہوں گی۔“

”میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کر آپ ہی کی زبانی مجھے ان کی علاالت کی اطلاع ملی ہے۔“

”میں یقین نہیں کر سکتی۔“

”اچھی بات ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں ٹھنڈا پانی بیٹھا رہوں گا۔“

”تمہاری تعریف بہت سی ہے میں نے۔ لیکن.....!“

”لیکن کیا.....؟“

”لیکن یہ کہ حقیقتاً تم بالکل بدھو ہو۔“

”شکر یہ۔“

ایرہ ہوش پانی لائی۔ حمید کو خواہ خواہ پینا پڑا۔

”پانچ منٹ بعد پھر.....!“ سعیدہ نے ایرہ ہوش سے کہا۔ ”زیادہ بلندی پر خون کے ساتھ ہی ان کا پانی بھی خشک ہونے لگتا ہے۔“

حمدیکی کو ٹھوپڑی بھنا گئی۔ ذی آئی جی کی لڑکی نہ ہوتی تو... تو وہ... تب بھی صبر ہی کرتا۔ لڑکوں کے معاملے میں صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ وہ سوچتا رہا۔۔۔ اور کوشش کرتا رہا کہ اس کا دماغ ٹھنڈا ہی رہے۔

بیس منٹ بعد پلین منزل مقصود پر پہنچنے والا تھا اور ٹھیک پانچ منٹ بعد اس نے پانی کا دوسرا گلاں پی کر ہاتھ یہر ڈال دیئے۔

”بولو..... بتاتے ہو..... یا پانی ہی پیتے ہوئے سرخاب دیلی پہنچنا چاہتے ہو۔“ ڈاکٹر سعیدہ نے جھلانے ہوئے لجھے میں پوچھا۔

”ایک کی بجا ہے آدھا گلاں کر دیجھے۔“ حمید گھکھایا۔

اس وقت حمید کا حلیر ایسا تھا کہ کسی کو بھی بھنسی آسکتی تھی۔ لیکن سعیدہ بالکل بھس بیٹھی رہی۔ کچھ یہ نہیں..... اس نے دیدہ دانستہ بھنسی روک کر سنجیدگی اختیار کر کھی تھی۔ بلکہ اس کا تاپ ہی ایسا تھا..... ماحول کی جس چیز پر خصوصی توجہ صرف کرتی صرف اسی کا احساس بھی ہوتا..... اور بقیہ چیزیں گویا شعور کے دائرہ عمل ہی سے خارج ہو جاتی تھیں۔

اگر اس وقت اُسے ذیال آ جاتا کر اُسے اپنی اس حرکت کا درعمل حمید پر بھی دیکھنا ہے تو وہ یقیناً بھسی اور کوئی موضوع سا جملہ بھی چست کرنے کی کوشش کرتی۔

گھروالے اُسے بھلی اور سنکلی سمجھتے تھے۔

”ولت مند لوگ تھے اس لئے کسی کو اس کی ٹکر نہیں تھی کہ وہ بھی پرکشش یا کسی بیٹال میں

ملازمت کیوں نہیں کرتی۔

اب وہ حید سے بالکل عین اتعلق ہو کر بار بار گھڑی دیکھے جا رہی تھی۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد ایرہ ہوش پھر پانی کا گاس الی اور حید نے ایک گھونٹ لے کر گاس اسے واپس کر دیا۔

ایرہ ہوش نے سعیدہ کی طرف دیکھا اور سعیدہ بولی۔ ”اب صرف آدھا گاس.....!“ پھر

بچھکیں آئیں اور سعیدہ بولی۔ ”تو ہوا اپنی اور انڈیلو اپنے اوپر۔“ اس نے حید کو خونخوار نظر دوں سے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”میں نے آدھا کہا تھا۔“

حید نے پھر گاس کی طرف ہاتھ بڑھادیا۔

خدا خدا کر کے جہاز کے لینڈ کرنے کا اعلان ہوا اور لوگ اپنے گرد تھے کہنے لگے۔

جہاز کے لینڈ کرتے ہیں پانچ منٹ کا وقت بھی پورا ہو گیا اور ایرہ ہوش گاس سمیت سر پر

سوار ہوتی۔ حید کا دل چاہا کر اسے گاس سمیت ہی باہر پھینک دے۔

”آخري ڈوز.....!“ سعیدہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی اور حید نے جلاہٹ

میں گاس اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے اوپر لٹایا۔

”جہنم میں جاؤ۔“ وہ بڑھاتی ہوئی اپنی سمیت سے اٹھ گئی۔ نہ صرف ایرہ ہوش بلکہ وہ

لوگ بھی تمیر نظر آنے لگے جو اس وقت حید کی طرف دیکھ رہے تھے اور سعیدہ تو اس حرکت کے

بعد ایسی لگنے لگی تھی جیسے حید سے جان پیچان ہی نہ رہی ہو۔

پلین سے نیچے اترتے وقت حید کی عقل ٹھکانے آگئی کیونکہ یہاں بادل چھائے ہوئے

تھے۔ ٹھنڈک بھی تھی اور بوندا باندھی ہو رہی تھی۔

سر بھیگا ہوا تھا۔ قمیض بھی بھیگ گئی تھی۔ نیچے اترتے اترتے پے درپے کئی چھکیں

آئیں۔

سعیدہ اس سے کئی کئی جل رہی تھی۔ حید نے سوچا چلو اچھا ہے شاکد اسی طرح پیچا

چھوٹ جائے۔

کچھ دیر بعد ہوٹل فیضان کا ایک پورٹر آنکھ رکھا۔

”ہمیں وہیں تو جانا ہے۔“ سعیدہ قریب آ کر بولی۔

حید نے صرف سر ہلا دیا۔

فیضان کے پورٹر نے ان کے سوٹ کیس ٹکسی میں رکھا دیئے۔ حید کو پھر پے درپے تین

بچھکیں آئیں اور سعیدہ بولی۔ ”تو ہوا اپنی اور انڈیلو اپنے اوپر۔“

حید پہکانہ انداز میں بسور کر رہا گیا۔ سعیدہ اسے گھوڑتی رہی۔

حید کی بیزاری اور بڑھ گئی۔ کیونکہ اب وہ محسوں کر رہا تھا کہ سعیدہ پوری طرح اس پر توجہ

دے رہی ہے۔

ٹکسی میں بیٹھتے وقت حید کو پھر دو چھکیں آئیں۔

”رمال رکھا کرتے ہیں تاک پر چھکتے وقت۔“ سعیدہ جھنگلا کر بولی۔

اور حید نے جیب سے رومال نکال کر تاک پر رکھ لیا۔

ٹکسی چل پڑی۔

فضا بڑی خوگلوار تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر گہرے نیالے بادل جھکے ہوئے تھے۔ آس

”جہنم میں جاؤ۔“ وہ بڑھاتی ہوئی اپنی سمیت سے اٹھ گئی۔ نہ صرف ایرہ ہوش بلکہ وہ

”میں نے یونہی خواہ مخواہ رومال رکھے رہنے کو تو نہیں کہا تھا۔“ سعیدہ پھر کڑھائی۔

حید نے رومال گود میں گرا کر ٹھنڈی سانس لی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

سعیدہ اسے گھوڑے جا رہی تھی۔

ٹکسی پر بیچ پڑھائیوں سے گزرتی رہی۔ بارش اب کسی قدر تیز ہو گئی تھی۔

ایک جگہ ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور انہیں بتایا کہ تیز بارش کی صورت میں ان

کوں پر حداثت کا شفیر رہتا ہے۔

اک اماں پر حید کو دو چار چھکیں اور آگئیں۔

سعیدہ نے منہ بنائے بیٹھی رہی۔ دفتار اس نے چیز کہا۔ ”کیا تم اب بھی نہ بتاؤ گے؟“

سعیدہ ہانپتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

”وہ وہاپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ مجھے پچانتے سے انکار کر دیا۔ اور اور اور!“

جسم لے گیا

ڈی۔ آئی۔ جی صاحب سر کے مل کھڑے ہو گئے ہوتے۔ مرغ کی طرح بالک دینے لگتے۔ یا کتوں کی طرح بھوننے لگتے اس پر حمید کو اتنی اچھن نہ ہوتی جتنی اس طرح شانہ جھوٹے جانے پر ہوئی تھی۔

سعیدہ کے چہرے پر سراستکی کے آثار تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی بھائیک خواب دکھ کر جاؤ پڑی ہو۔

”حمدی نے یونہی اخلاق افادہ ہرایا۔ ”یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔“

”ہاں..... ہاں.....!“ سعیدہ سرہلا کر بولی۔ انہوں نے مجھے پچانتے سے انکار کر دیا۔ یقین کرو، انہوں نے اس طرح دروازہ بند کیا تھا جیسے کسی غیر متعلق آدمی سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہوں۔“

”کیا وہ اپنے کمرے میں تھے؟“

”ہاں.....!“

”آپ نے بند دروازے پر دستک دی تھی۔“

”ہاں..... انہوں نے دروازہ کھولا تھا اور مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے تھے۔ میں نے ان کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا اور انہوں نے یہ کہہ کر، دروازہ بند کر لیا کہ وہ نہیں پیچانتے۔“

”حید پر معنی انداز میں سرہلا کر مسکرا یا۔“

”کیا مطلب.....؟ تم اس طرح کیوں مسکراۓ؟“

”خود کیکے لیں گے پل کر۔“

”کیا.....؟“ سعیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

”بارش کا پانی مجھ سے نہ پیا جائے گا۔“ حمید نے دونوں ہاتھ کا انوں پر رکھ کر کہا۔

”میں بچ کر ہی ہوں، تمہیں اس پر بھی مجبور کر دوں گی۔“

”آپ تو اب گولی مار دیجئے مجھے۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”اچھی بات ہے..... اچھی بات ہے۔“ وہ سرہلا کر خاموش ہو گئی اور کھڑکی سے دیکھنے لگی۔

پچھے دری بعد بارش کا زور کم ہو گیا اور لیکن پھر حرکت میں آگئی۔

پھر ہوٹل فیضان تک بقیہ سفر خاموشی ہی سے طے ہوا تھا۔

پورٹران کے سوٹ کیس اٹھائے ہوئے آگے آگے چلنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیوں وہ کسی دوسرے ہوٹل کی راہ لے۔ لیکن پھر یاد آیا کہ وہ تو ہوٹل فیضان ہی میں قیام کرنے لئے بھیجا گیا تھا۔ اسے ڈی آئی جی کی مگر انی کرنی ہے۔

اس کا ڈہن ایک بار پھر الجھ گیا۔ فریدی نے تو کوئی واضح بات بتائی ہی نہیں تھی۔ صاحبزادی فرماتی ہیں کہ وہ بھی فریدی ہی کی بھیجی ہوئی آئی ہیں۔

ہال میں پہنچ کر سعیدہ نے کاؤنٹر کلر ک سے ڈی آئی جی کے بارے میں پچھہ پوچھا۔ حمید ذرا فاضل پر تھا اس لئے سن نہ سکا۔

پھر اس نے اسے تیزی سے زینوں کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پورٹران کا سوٹ اٹھائے ہوئے اس کے پیچے جبل رہا تھا۔ حمید کا سوٹ کیس اس نے شاند سعیدہ کی ہدایت مطابق ہال میں علی چھوڑ دیا تھا۔

حید کاؤنٹر کلر سے اپنے قیام کے لئے گفتگو کرنے لگا۔ کاؤنٹر کلر ایک لڑکی تھی۔ اس نے منصری گفتگو بھی طویل ہو گئی اور وہ گرد و پیش بن بخرا ہو گیا۔ دفعتا پشت سے کبی نے اس کا شاند چھوڑ دا۔ وہ بولکلا کر مڑا۔

”کچھ نہیں۔“

”نہیں بتاؤ۔“ وہ سخت لمحہ میں بولی۔

حمد اے کاؤنٹر کے پاس سے ہٹاے گیا۔ وہ اے جواب طلب نظرؤں سے گھورے جا رہی تھی۔

حمد نے آہستہ سے کہا۔

”اچھا یہ تو بتائیے کہ انہوں نے آپ لوگوں کو فسیر آباد کیوں بھیج دیا تھا۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ سعیدہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”آپ میری بات کا جواب دیجئے۔“

”ہم لوگ خود ہی گئے تھے ضد کر کے۔“

”بس تو پھر اب بھلکتے... قوم ایک بار آزاد ہو جائے تو پھر عرصہ تک رہنا چاہتی ہے۔“

”کیا مطلب...؟“

”خدا کے لئے کہیں بیٹھنے کا مکانہ کجھے۔“

”پورا کہہ رہا تھا کہ برابر کا ایک کمرہ خالی ہے..... مجھے یقین ہے کہ ڈیٹی کی یادداشت دے۔ بے سدھ ہو کر سویا تھا..... کری کی بے آرائی بھی اُس کی نیند میں محل نہ ہو سکی۔“

کسی حادثے سے متاثر ہوئی ہے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں وحشت دیکھی تھی۔“

”تو پھر وہی کمرہ آپ اپنے لئے لے لیجئے۔ میں اور کہیں جھک ماروں گا۔“

”ہوں..... ہوں.....!“ وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

حمد نے ڈی آئی جی کے کمرے کے برابر والا کمرہ بک کرالیا اور کچھ دیر بعد وہ پھر اسی

کمرے میں سیکھا ہوئے۔

”کیا میں پھر دستک دوں۔“ سعیدہ نے حمد سے پوچھا۔

حمد اونگھرہا تھا۔ پونک کر بولا۔ ”کوشش کجھے۔“

”تم بھی چلو....!“

”مجھے تو شوت بن کر دیں گے۔“

”تم کیا سمجھتے ہو.....؟“

”مجھے ہی تو خراب ہے میری..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”نہیں..... تمہیں چلنا پڑے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت تک صبر کریں جب تک کہ وہ خود ہی کمرے سے باہر

بڑا نہ ہوں۔“ حمد نے کہا اور دوبارہ اونگھ جانے کی تاک عی میں تھا کہ سعیدہ بولی۔ ”کیا یہ

حقیقت ہے کہ فریبی صاحب نے تمہیں ڈیٹی کی علاالت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔“

”اب یہ معاملہ اللہ میاں کو رویغہ کر دیجئے تو بہتر ہو گا..... میں کسی طرح بھی یقین نہ دala

سکوں گا آپ کو۔“

”اچھا خاموش رہو.....!“ وہ جھنگلا کر بولی۔

حمد نے ٹھنڈی سانس لی اور دوسرا طرف دیکھنے لگا۔ اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہو رہا

تھا اور وہ کرکی پر بیٹھے یعنی ہی سو جانا چاہتا تھا۔

اور پھر ہوا بھی یہی..... پتہ نہیں کیوں سعیدہ نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اُسے سو جانے

دے۔ بے سدھ ہو کر سویا تھا..... کری کی بے آرائی بھی اُس کی نیند میں محل نہ ہو سکی۔

پھر جب سعیدہ ہی کے جھنجھوڑ نے پر جا گا تو کمرے میں نیبل لیپ روشن تھا اور کھڑکی کے

باہر اندر کے کھرانی نظر آئی۔

”تم کچھ دایبات ہو۔“ وہ اسے گھورتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ”تمہیں اس کی بھی فکر نہیں

ہے کہ ابھی علک...!“

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔ لیکن حمد کو اب بھی گھورے جا رہی تھی۔

حمد اونگھری اے کر سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پلکیں جھپکاتا رہا۔

”میں ابھی ڈائینگ بیل میں تھی۔“ سعیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا ہیسے یہ جلد اس نے اس بات کے بجائے کہا ہو جسے پہلے کہنا چاہتی ہو

وہ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

”مرضی کی مختار ہیں..... جہاں چاہیں جائیں۔“ حمید شانے سکوڑ کر بولا۔

”پوری بات سنے بغیر مت بولا کرو۔“

حمدی نے یونیورسٹی رواروی میں سرہلا دیا۔

وہ کہتی رہی۔ ”ڈیلی وہاں موجود ہیں۔ اپنی میز پر تھا۔ میں نے ان کے قریب تو

ایک میز اپنے لئے منتخب کی اور اس طرح یقینی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔ انہی نے مجھے دیکھا لیکن میری طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے۔“

حمدی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

وہ اُسے ٹوٹے والی نظر وہی دیکھتا ہوا بولا۔ ”اب تو مجھے بھی تشوش ہونی چاہئے۔“

”کیا مطلب....؟“

”ڈائنسنگ ہال میں بھی نہ پہچانا....!“

”تو پہلے تم کیا سمجھتے تھے؟“

”چھوڑیے۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”اپنے ڈی آئی جی صاحب کے بارے میں ؟“

کوئی ایسی ولیکی بات نہ سوچنی چاہئے۔“

”پہلے کیا سوچ رہے تھے تم۔“ وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔

”دیکھئے۔ لیکن اب بات نہ بڑھائیے۔ مجھے کچھ کرنے دیجئے۔“ حمید نے کہا اور اٹھ گئے

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ ڈائنسنگ ہال میں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

”میں بھی چلوں....!“ سعیدہ نے پوچھا۔

”فی الحال آپ سہیں ٹھہریے۔“

سعیدہ کچھ نہ بولی۔

حمدی ڈائنسنگ ہال میں پہنچ کر کاؤنٹر کے قریب رک گیا۔ ادھر ادھر نظر دوزائی۔ بلا خڑائی آ جی دکھائی دیا۔ وہ اپنی میز پر تھا تھا۔ کھانا کھا چکا تھا لیکن ویرنے ابھی برتن نہیں ہٹائے تھے۔

حمدی آگے بڑھا۔

ڈی آئی جی کے قریب کی ایک میز خالی تھی۔ ڈی آئی جی نے اس کی طرف دیکھا۔
حمدی نے ہاتھ انداز کر سلام کیا۔ ڈی آئی جی نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن حمید نے
اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار صاف پڑھے۔

وہ چپ چاپ خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ ڈی آئی جی اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ حمید نے ”
ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی جھلک بھی نہ پائی۔
پھر اس نے ڈی آئی جی کو اٹھتے دیکھا اور وہ اٹھ کر سیدھا اُسی کی طرف آیا۔

”کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔“ حمید نے اس کی ہمراہی ہوئی آواز سنی۔ حمید تو پہلے ہی
بوکھلا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ گھکھیا کر بولا۔ ”یہ آپ کیا فرمار ہے ہیں؟“

”میں پوچھ رہا ہوں..... کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ بیٹھ جائیے۔“
اور حمید کے بیٹھنے سے پہلے خود کری کھنچ کر بیٹھ گیا۔

حمدی پر کچھ عجیب سی سرا سیمگی طاری تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی اس کا ڈی آئی جی
”چھوڑیے۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”اپنے ڈی آئی جی صاحب کے بارے میں ؟“ اسے اس طرح مخاطب کرے گا۔

بہر حال وہ بھی بیٹھ گیا۔

”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔...؟“

”جناب عالی! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے اس سوال کو کیا سمجھوں؟“

”ہوں.....“ وہ اُسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے بہت
یاد ہ جاتے ہیں اور آپ کو میرے اس سوال پر حیرت ہے۔“

”جی ہاں....!“ حمید نے سرہلا کر کہا۔ ”مجھے حیرت ہے۔“

”اچھا تائیے۔ میں کون ہوں۔ میرا کیا نام ہے؟“

”آپ میرے باس ہیں۔“

”خدا کی پناہ..... اس حد تک جانتے ہیں۔“

”جناب عالی! آپ کی باقی میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔“

وہ دردناک لمحے میں بولا۔ ”میرے ساتھ بہت بڑی تریخی ہوئی ہے۔ ایک آدمی نے مجھ سے میرا جسم چھین لیا ہے۔ اپنا بوڑھا جسم میرے حوالے کر گیا۔“
حمدی فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اس بات پر ہنسنا چاہئے یا سر پیٹ لینا چاہئے۔
امقوں کی طرح جلدی جلدی پلکشیں جھپکا تارہا۔
کچھ دیر بعد ذی آئی جی پھر بولا۔ ”کیا میری بات سمجھ میں نہیں آئی۔“
”شاید میں پاگل ہو جاؤں اگر یہ یقین کرلوں کہ آپ سنجیدہ ہیں۔“
”میں بالکل سنجیدہ ہوں۔“

حمدی نے ایک بار پھر اس کا نیچے سے اوپر تک جائزہ لیا۔ لیکن کچھ بولانہ نہیں۔ کہتا بھی کیا۔
اس کی دانست میں ڈاکٹر سعیدہ کا یہ خیال قطعی درست تھا کہ ذیڈی اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔
پھر کچھ نہ کچھ بولنا بھی ضروری تھا۔ لہذا بومکلائے ہوئے لمحے میں بولا۔ ”کیا میں ڈاکٹر سعیدہ کو یہاں بلا لااؤں۔“

”فضول ہے..... اوہ..... خوب یاد آیا۔ آج دوپہر کو ایک لڑکی نے دروازہ لکھکھایا تھا..... غالباً ذیڈی کہہ کر مخاطب بھی کیا تھا۔ لیکن میں اسے نہیں جانتا۔“
”جی ہاں..... ڈاکٹر سعیدہ نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔“
”کتنی بھی ایک تریخی ہے۔“ وہ مٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

حمدی پھر کچھ نہ بولا۔

”یہ میری بد نصیبی ہے کہ وہ بھی دفعتاً غائب ہو گیا.....؟“
”کون.....؟“ حمدی نے پوچھا۔

”وہی جو مجھ سے میرا جسم چھین لے گیا۔“

”جسم لے گیا.....؟“ حمدی نے تحریر ان لمحے میں دہرا یا۔

”جی ہاں..... وہ برادری کے کمرے میں مقیم تھا۔ کل سے غائب ہے۔“

”یہ بات تو بالکل حق سمجھ میں نہیں آئی۔“ حمدی نے کہا۔ پھر سوچا کیوں خواہ مخواہ ایک

”میں کس قسم کا باس ہوں..... خدار ایتا یے۔“
”میرے محلے کے ذی آئی جی ہیں آپ.....!“
”نہیں.....!“ ذی آئی جی اچھل پڑا۔
اس حرکت میں ذرہ برابر بھی بناوت نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”کیا آپ میرے کمرے تک چلتے کی رسمت فرمائیں گے۔“
”یقیناً..... جناب عالیٰ.....!“ حمدی اٹھتا ہوا بولا۔
”تشریف لے چلتے جناب۔“ ذی آئی جی نے ایک طرف بٹتے ہوئے کہا۔
”آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔“ حمدی جھینپے ہوئے لمحے میں بولا۔
ڈی آئی جی اسے اپنے کمرے میں لا یا اور کئی منٹ تک خاموش کھڑا سے دیکھتا رہا۔
بولा۔ ”آپ کا کیا عہد ہے جناب.....؟“
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اپنی حرمت کا اظہار کروں۔“ حمدی بڑا یا۔

”میں نے کیا پوچھا تھا آپ سے؟“
”ارے جناب میں ساجد حمدی ہوں..... کرنل فریدی کا استنشت.....!“
”یہ نام بھی میرے لئے نیا ہے اور دوسرا بھی۔“
”آپ نے ڈاکٹر سعیدہ کو بھی نہیں پہچانا۔“
”کون ڈاکٹر سعیدہ۔“
”آپ کی بھائلی صاحبزادی۔“
”میری کوئی بھائلی صاحبزادی نہیں..... میں لاولد ہوں..... دو یو یوں میں سے کسی سے بھی کوئی پچھے نہیں ہوا۔“
”صاحب مجھے اب یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ مجھے حرمت ہے۔“ جی
پھیکی اسکراہت کے ساتھ کہا۔

پاگل سے سرمار رہا ہے۔ یہ حضرت یقینی طور پر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔
”اب آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔“ دفتارڈی آئی جی نے بے حد خنک لمحہ میں کہا
”بہت بہتر جتاب۔“

”بہر حال یہ بات میری بھجہ میں آگئی کہ ایک پولیس آفیسر نے میرے جسم پر ڈاک فر
ہے۔ میرا جوان جسم لے گیا اور اپنا بیوڑا اور ناکارہ جسم میرے جواب لے کر گیا۔“
”اچھا جتاب.....!“ حمید نے پیشانی سکن باتھ لے جا کر اُسے سلام کرتے ہوئے¹
دروازے کی طرف کھلکھلنا شروع کیا۔
اور پھر جو کمرے سے انکا ہے تو سربت کی رفتاری سے ڈائینگ ہال میں داخل ہوا۔
فوری طور پر اپنے کمرے میں جانے کی ہست نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ جس شخص سے پہلے
چھڑا کر بھاگ تھا وہاں اس کی لڑکی موجود تھی۔

حمد نے سوچا کہ اس خاندان میں پاگل بن کر جراشیں ملی معلوم ہوتے ہیں۔
صاحبزادی صاحب جو ابھی صرف سنکی نظر آتی ہیں آگے چل کر یقینی طور پر ذہنی توازن کا
بیٹھیں گی۔ والد صاحب بھی جوانی میں ایسے ہی رہے ہوں گے۔ اس عمر میں آکر اچانک پاگ
ہو گئے۔ جتاب کا جسم ہی کوئی پار کر لے گیا..... ہونہ.....
وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا گھری گھری سانسیں لے رہا تھا۔

لیڈی ٹلک نے کئی بار اسے سمجھیوں سے دیکھا لیکن کچھ بولنی نہیں۔ ویسے انداز سے ظاہر
ہوتا تھا جیسے اس کا وہاں اس طرح کھڑے رہنا پسند نہ ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے لیڈی ٹلک سے کہا کہ وہ فون پر اس کے کمرے سے رابطہ
کرادے۔ لیڈی ٹلک نے نمبر ڈائل کر کے رسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

”ہیلو.....!“ حمید ماؤٹھ پیس میں بولا۔ ”براءہ کرم اب ڈائینگ ہال میں آجائیے۔“
گئے اپنے کمرے میں..... شکریہ۔“

رسیور لیڈی ٹلک کو دے کر وہ پھر اسی میز کی طرف چل پڑا جس پر کچھ دیر پہلے تھا۔

سعیدہ نے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔ اس بارہ وہ ہمہ تن سوال بن کر حمید پر نازل
ہوئی تھی۔ حمید نے اُسے بتایا کہ ذہنی آئی جی صاحب اُسے بھی نہیں پہچان سکے اور پھر اُس نے
پوری رواداد ہر ادی۔

ڈاکٹر سعیدہ خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
”میں جانتی تھی ایک دن ایسا ضرور ہو گا۔“

”جی.....!“ حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”جو انیں ایک سرکس گرل سے عشق ہو گیا تھا۔“

”یا ایسا لفڑاہ.....!“

”مصلحہ نہ اڑاؤ.....! سبجیدگی سے سنو۔“

”جی.....! میں کرن رہا ہوں۔“ حمید کر رہا۔

”سبجیدگہ ہو جاؤ۔“ وہ آنکھ نکال کر بولی۔

حمدی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے خاموش بیٹھا رہا۔

”کیا انہوں نے اس وقت یہ سوچا ہو گا کہ کاش وہ، وہ نہ ہوتے جو تھے۔“

”وہ، وہ نہ ہوتے جو تھے.....!“

”ہاں ان کا سو شل اشیش اس بات کی اجازت نہ دیتا کہ وہ ایک معمولی سرکس گرل سے
شادی کر لیں۔“

”سمجھا.....!“

”وہ اب تک بھی سوچتے آئے ہوں گے کہ کاش اُس سے شادی ہو گئی ہوتی۔“

”ممکن ہے۔“ حمید اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

”ممکن نہیں ہے.....! یقینی طور پر سوچتے ہوں گے۔“

”چلے صاحب.....! سوچتے ہوں گے۔“

”اور آج اُس لاشوری خواہش نے انہیں اپنے وجود ہی سے مغفرہ دیا۔“

”ممکن ہے یہاں کی آب و ہوا مجھے بھی پاگل بنا دے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”کیوں؟ کہاں چلے؟“

”اب مجھے اپنے باس کو روپوت دینی ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”مجھے قیام و آرام کے لئے نہیں بھجا گیا تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے؟“

”کچھ نہیں..... آپ اسی کمرے میں جا کر آرام کیجئے گا۔“

”اور تم.....!“

”میرے لئے ضروری نہیں کہ رات کمرے میں گزار دوں۔“

وہ سر جھکا کر بڑا ہی تھی۔ حمید سن نہ سکا۔ وہ در سے سوچ رہا تھا کہ اب اس لڑکی سے

چچا چڑا کر کچھ وقت کھلی ہوا میں بھی گزارا جائے۔

”دیکھئے..... میں فی الحال آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنے لئے علیہ ہوئی فیضان کے باہر ایک خالی ٹیکسی میں گئی۔ اس نے ڈرائیور سے پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کو

کرے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ جب وہ آپ کو اپنی بیٹی ہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تو پھر آپ

کہا کیونکہ بذریعہ انہیں تو فریدی کو روپوت دینی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا اس بھاگ دوڑ میں اور بھوک اچھی طرح چک اٹھی۔

پولیس ہیڈ کوارٹر سے واپسی پر وہ ایک ریسوران میں داخل ہو گیا۔

ستخ کباب کی خوشبو اسے یہاں لائی تھی۔

سر غاب و میلی کے ستخ کباب دور دور تک مشہور تھے۔ ہر نوں جیسے سینگ والے پہاڑی

بلکوں کا گوشت ان کے لئے مخصوص تھا اور یہ کباب کھانے کی معمولی دوکان سے لے کر اعلیٰ

راجہ کے ہوٹلوں تک کی زینت تھے۔ برا بازار جہاں کھانے کی بے شمار دوکانیں تھیں۔ سرشام

لے انگاروں پر سینکے جانے والے کبابوں کی خوشبو سے مہنئے لگتا۔

اکی مناسبت سے بعض لوگ اسے وادی کباب بھی کہتے تھے۔

حمدی ریسوران میں داخل ہوتے ہی بھوچکارہ گیا۔ کیونکہ اس نے آج تک کسی کاؤنٹر پر

”محترمہ..... وہ تو کہہ رہے تھے کہ ان کا جسم ہی تھیا لیا کی نے۔“

”کچھ ہی ہو..... وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں..... اور وجود ہی سرکس گرل ہے۔“

”تو سرکس گرل کی وجہ سے یہ ذہنی قلابازی عالم وجود میں آئی ہے۔“

”سرکس گرل کی رعایت سے ذہنی قلابازی کا استعمال مناسب ہے۔“

”آپ جملوں پر غور کرنے لگیں۔ میں پوچھ رہا تھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”گھر واپس لے چلیں گے۔“

”تماشا بننے کا ارادہ ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کیوں.....؟“

”اگر ہوٹل کا عملہ نہیں پاگل سمجھتا تو یہاں تھا قیام ہی کیوں کرنے دیتا۔ پولیس کو اس،“

”اطلاع دی جاتی۔“

”اچھا پھر.....؟“

”دیکھئے..... میں فی الحال آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنے لئے علیہ ہوئی فیضان کے باہر ایک خالی ٹیکسی میں گئی۔ اس نے ڈرائیور سے پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کو

کرے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ جب وہ آپ کو اپنی بیٹی ہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تو پھر آپ

اپنے کمرے میں کیوں قیام کرنے دیں گے۔“

ڈاکٹر سعیدہ فورائی نہیں بولی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

حمدی اس کی رائے کا منتظر تھا۔ جب اس نے بالکل ہی چپ سادھے لی تو پھر بولنا ہی پڑا۔

”آپ کیا سوچنے لگیں۔“

”بیکی کر آدمی کتنا بے بس جانور ہے۔“

”میں کمرے کی بات کر رہا تھا محترمہ.....!“

”کمرے کی کیا بات تھی.....!“ وہ چونک پڑی۔

”آپ رات کہاں بُر کریں گی۔“

”سیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔“ ڈاکٹر سعیدہ نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے اخراجات بھی تمہارے ہی ذمہ ہوں گے۔“

”لا جوں والا توہ..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”پھر اس طرح چھپ چھپ کر کیوں کھاتے پھر ہے ہو۔“

”پلیز..... ڈاکٹر.....!“

”تم کسی طرح بھی میرے اس الزام کی تردید نہیں کر سکو گے۔“

”اچھی بات ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”تو یہی سہی۔“

”میں نے تمہارا تعقیب کیا تھا۔“

”آخراں کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔“

”اگر کسی یوقوف کو کسی نئی جگہ پر تھا جھوڑ دیا جائے تو وہ اور زیادہ یوقوف ہو جاتا ہے۔“

”لہذا آپ اور زیادہ یوقوف نہیں ہونا چاہتیں۔“ حمید بھنا کر بولا۔

”کیا.....؟“ وہ ہاتھ سے نوالہ رکھ کر اسے گھورنے لگی۔

”بات بات پر گھوڑا عقلمندی کی علامت نہیں۔“

وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد جلنے کی لمحہ میں بولی۔ ”مجھے علم ہے کہ آپ بڑے

حاضر جواب اور بذلہ سخ واقع ہوئے ہیں۔ لیکن میں اس کی عادی نہیں۔“

”بننا پڑے گا۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

”کیا مطلب..... تم ہوش میں ہو کر نہیں؟“

”ڈاکٹر سعیدہ..... میں آپ کا بڑا احترام کرتا تھا..... لیکن.....!“

”لیکن کیا.....؟“

”لیکن یہ کراتی بلندی پر آب و ہوا بالکل بدل جاتی ہے۔“

”فضلول باشیں نہیں..... تم اس قابل نہیں کہ تم سے بات بھی کی جائے۔“ سعیدہ غرائی اور

بڑا پیٹھ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

حمدی نے بھی سوچا بات نہ بڑھے تو بہتر ہے۔ ویسے اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر اس نے

کتاب سینکے جانتے نہیں دیکھے تھے۔ وادی سرخاب بھی چہلی ہی بار آیا تھا۔

لبے سے کاؤنٹر پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھلی کے چوہے رکھے ہوئے
ادران پر کبابوں کی سسیں چھپی ہوئی تھیں۔

وہ ایک خالی میرزی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ریستوران میں خاصی بھیز تھی۔ زیادہ تر لوگ نان اور کباب ہی کھاتے نظر آئے۔

کمی خوبصورت ”یالیلیاں“ بھی دکھائی دیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی تمہاری نہیں تھیں۔

کچھ دیر بعد حمید نے محبوس کیا کہ ریستوران میں سلف سروں کا طریقہ رانگ ہے۔

خود ہی کاؤنٹر سے چیزیں خرید کر میزوں پر آبیٹھتے ہیں۔ اسے یہ طریقہ پسند نہیں تھا۔ لیکن

کرتا۔ اب تو آئی پھنسا تھا۔ اٹھ کر کاؤنٹر سے نان اور کباب خریدے اور ٹرے المٹھے ہوئے

پھر میرز پر آبیٹھا۔

سر جھکائے کھا رہا تھا کہ ایک اور ٹرے بھی اسی میرز پر آبیٹھی ہے دو خوبصورت ہاتھ تھا۔

ہوئے تھے۔ نظر آہستہ آہستہ ان ہاتھوں سے چہرے کی طرف اٹھی اور دھنٹا حمید کو محبوس ہوا

کچلا ہوا نوالہ منہ سے باہر آجائے گا۔

وہ ڈاکٹر سعیدہ کا خونخوار چہرہ تھا۔

”س..... سام الیکم.....!“ حمید نے بوکھلاہٹ میں ایک عدد سلام جھاڑ دیا۔

سعیدہ چند لمحے اسے گھوڑی رعنی پھر اپنی ٹرے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

اپنے آفیسروں کی لڑکیاں حمید کو سخت ناپسند تھیں چاہے وہ چاند کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو!

اسے حرمت تھی کہ سعیدہ یہاں کیسے آپنگی۔

نان اور کباب زہر مار کر تارہ۔ شاہزاد سعیدہ کو موقع تھی کہ وہ اُس کی موجودگی پر حرمت

کرے گا لیکن جب حمید کچھ نہ بولا تو اس نے کمر کمراتی ہوئی آواز میں کہا۔

”اسے بے شری کہتے ہیں۔“

”کے.....؟“ حمید چوک کر بولا۔

لڑکی پچھے جا رہی تھی۔ ”کمین..... ذیل..... کل سک کہتا تھا کہ میں تمہاری آہت پیچان سکتا ہوں اور آج..... مجھے ہی نہیں پیچان سکتا۔“

لڑک نے بے بسی سے مجھ کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”آپ حضرات یقین فرمائیں کہ میں نے اس لڑکی کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“

”تو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ اگر تمہاری صورت بھی منع ہو جائے تو میرے دل کی ڈھنکیں مجھے تمہاری ہی طرف لے جائیں گی؟“

”میں تمہیں نہیں جانتا۔!“ لڑک حلیق چاڑ کر چینا۔

انے میں بائیں جانب ایک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی اُس سے گزر کر ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔ چند لمحے ان کی بک جھک ستارہا پھر کاؤنٹر لڑک سے نیز لمحے میں بولا۔

”اٹھو۔۔۔ اور باہر چلے جاؤ۔“

”محج۔۔۔ جانب عالی۔۔۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔“ لڑک ہکلایا۔

”مشت اپ اینڈ گیٹ آؤٹ۔“

حمدی نے لڑک کے چہرے پر بھی جھلاہٹ کے آثار دیکھے۔

وہ کاؤنٹر پر ہاتھ ٹیک کر ادھر کوڈ آیا اور ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر باہر نکلا چلا گیا۔

لڑکی اس کے چیچھے تھی۔ حمدی نے بھی انہیں کی جانب قدم بڑھائے اور یہ قطعی بھول گیا کہ سعیدہ بھی اس کے ساتھ ہے۔

لڑک اور وہ لڑکی تو تو میں میں کرتے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ حمدی ان سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ ان کے ساتھ ہی کچھ اور لوگ بھی ریستوران سے نکلے تھے لیکن انہیں وہاں نہ ہوتے نہ دیکھ کر پھر اندر چلے گئے تھے۔

فاختا حمدی نے لڑک کو رکھتے دیکھا۔ لڑکی بھی رکی اور حمدی اس طرح باکیں جانب والے نشیب میں اتر گیا جیسے وہ کوئی غیر متعلق را گیر ہوا اور یہاں سے اس کا راستہ الگ ہو گیا ہوا۔

دن بھر کی بوندا باندی کے بعد اس وقت مطلع صاف ہو گیا تھا اور ستارے اپنی پوری آب و

بہت زیادہ بور کیا تو وہ اپنی اصل روشن پر آ جائے گا۔ احترام کی بھی حد ہوتی ہے۔ وہ کھانے میں دیر لگاتا رہا۔ سعیدہ نے جلد ہی اپنی پلیٹ صاف کر دی تھی۔ کھانے بھی اس کا بے ہمین انداز برقرار رہا تھا۔

”عورتوں سے بدتر۔۔۔!“ وہ کچھ دیر بعد براشا منہ بنا کر بڑا بڑا۔

لیکن حمدی کے کان پر جوں نہ ریلگی۔ وہ اسی طرح آہستہ کھاتا رہا۔ میں نے

اب وہ کاؤنٹر کے قریب کھڑی ہوئی ایک لڑکی کو مسلسل گھوڑے بھی جا رہا تھا۔

سعیدہ بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

وہ لڑکی کاؤنٹر پر بھلی ہوئی لڑک سے گفتگو کر رہی تھی۔ فاختا اس نے لڑک کے منہ

ہاتھ جھاڑ دیا۔

”ہات تیری کی۔۔۔!“ سعیدہ اچھل کر بولی۔

دوسری طرف کاؤنٹر لڑک بھی کرسی سے اٹھ گیا تھا۔

”تم پا گل ہو گئی ہو۔۔۔!“ وہ دہڑا۔

”تم خود پا گل ہو گئے ہو۔“ لڑکی چھپی۔

”چلی جاؤ یہاں سے۔“

”میں تمہارا خون پی لوں گی۔“

”جع کرتا ہوں۔۔۔ پولیس کو بلا لوں گا۔“

”بلاؤ پولیس کو۔۔۔!“ وہ چھپی۔ ”میں شکلیہ ہوں۔۔۔ شکلیہ ہوں۔۔۔ شکلیہ ہوں۔

مجھے دھوک دیا۔“

لوگ میزوں سے اٹھ اٹھ کر کاؤنٹر کے قریب جمع ہونے لگے۔

حمدی نے بھی اٹھنا چاہا لیکن سعیدہ غرامی۔ ”بیٹھئے رہو۔“

”اب اگر لڑک نے بھی اسے تھپڑ مار دیا تو اس کی گردن ہی ثوٹ حاصلے گی۔“

”میں کہتی ہوں بیٹھئے رہو۔“ لیکن حمدی اٹھ کر بھیڑ میں آملا۔

تاب کے ساتھ چک رہے تھے۔
حید نشیب میں آترا اور پھر ایک چنان سے چک کر رہ گیا۔ وہ دونوں اُسی جگہ کمر

گفتگو کر رہے تھے۔ حید کا اندازہ تھا کہ وہ اُسے نہیں دیکھ سکیں گے۔

کلرک کہہ رہا تھا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم شکلیہ کی کوئی سیلی ہو۔“

”اب میں پاگل ہو جاؤں گی۔“ لڑکی دردناک آواز میں بولی۔

”جی بتاؤ تم کون ہو۔“ کلرک کی آواز آئی۔ ”اور مجھے اس طرح ذلیل کرنے کا کیا۔

تھا۔ جانتی ہو۔۔۔ تھماری اس حرکت کی بناء پر میری ملازمت بھی گئی۔“

”میں کیا کروں۔۔۔ میں کیا کروں۔“ لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”اے کون ہے؟ یہ عورت کیوں رومنی ہے۔“ دعطا حید نے ڈاکٹر سعیدہ کی گنجائی

سنی۔ وہ شائد ان لوگوں کے قریب پہنچ چکی۔

”آپ کون ہیں۔۔۔؟“ کلرک نے جملائے ہوئے لمحے میں کہا۔

”میں پوچھ رہی ہوں۔۔۔!“

”اپناراستہ لیجے۔۔۔ آپ ہیں کون پوچھنے والی۔“ کلرک کی آواز آئی۔

عورت نے روتا بند کر دیا تھا۔ حید نے سوچا کہیں بات بڑھنے جائے۔ اسے

شدت سے تاؤ آرہا تھا۔ آخر خل اندازی کی کیا ضرورت تھی۔

اسے اوٹ سے نکلا ہی پڑا۔ نشیب سے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ ناروں کی چھاؤں:

”ہند لے سائے صاف دیکھے جاسکتے تھے۔

”کیا ہوا۔۔۔ کیا بات ہے؟“ اس نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔

”پچھنیں صاحب۔ کوئی بات نہیں۔“ کلرک کے لمحے میں جلاہٹ ابھی باقی تھی

”میں نے اس لڑکی کو روتے نا تھا۔“ سعیدہ بول پڑی۔

”ارے آپ قاضی ہیں یا ملا.....!“

”میں قاضی ہوں۔۔۔ اور یہ ملائیں ایک خاتون ہیں۔“ حید نے کہا۔ ”خفا۔“

ضرورت نہیں۔ کیوں شکلیہ کی بات ہے تم ہی بتاؤ۔“

”شکلیہ۔۔۔!“ کلرک اور لڑکی زبانوں سے بہیک وقت تھا۔ لیکن دونوں ہی کے لمحے

میں جرت تھی۔

”ہاں شکلیہ۔۔۔ میں تمہیں اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔“ حید بولا۔

”میرے خدا۔۔۔!“ کلرک بڑا ہایا۔ ”میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ آخر تم لوگ

چاہتے کیا ہے۔“

”تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔“ حید بولا۔ ”تمہاری بدختی ہے کہ تم شکلیہ جیسی

وقادار لڑکی کو اس لئے نہیں پہچان سکتے کہ اس کا جسم کسی نے چالا ہے۔ تم کیسے محبت کرنے

والے ہو کر اس کی روح کی چیزیں نہیں سن سکتے۔“

”تم سب دھوکے باز ہو اور مجھے کسی جاں میں پھنسنا چاہتے ہو۔“ کلرک تیز لمحے میں بولا۔

”شکلیہ تم میرے ساتھ چلو۔“ حید بولا۔

”کیا مطلب۔۔۔؟“ سعیدہ غرائی۔

”آپ خاموش رہے۔۔۔“ حید سخت لمحے میں بولا۔

”آپ لوگ کون ہیں؟“ لڑکی نے کپکاپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”تمہارے ہمدرد۔۔۔!“ حید نرم لمحے میں بولا۔

”اچھا ششی میں جاری ہوں۔۔۔ یہ بھی ایک رات مجھے ساری زندگی یاد رہے گی اور تم۔۔۔

اور تم کبھی بھیں نہ پا سکو گے۔“ لڑکی نے کہا اور پھر حید سے بولی۔ ”چلنے جتاب۔“

”تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔“ سعیدہ نے حید کا باز و پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

”خاموش رہو۔“ حید نے اس سے بازو چھڑاتے ہوئے سخت لمحے میں کہا اور لڑکی کا ہاتھ

پکڑ کر پھر ریشور ان کی طرف چل پڑا۔ سعیدہ ان کے پیچھے تھی۔

کلرک پہلے تو دم بخودو ہیں کھڑا رہا۔۔۔ پھر جیچ جیچ کر گالیاں بننے لگا۔ ساتھ ہی وہ اپنی

لازمت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا حوالہ بھی دیتا جا رہا تھا۔

لمازت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا حوالہ بھی دیتا جا رہا تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہ کر مردہ سی آواز میں بولی۔ ”ہاں یہ بھی سچتی ہوں لیکن میں کیا کروں..... یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔“

”تم نے کب محسوس کیا کہ تمہارا جسم بدلتا گیا ہے۔“

”آج صح..... جب سو کر اٹھی..... شہدا کشنا کرنے والی فرم میں ملازم ہوں..... یہاں تھا رہتی ہوں۔ والدین نصیر آباد میں ہیں۔“

”بالکل تھا رہتی ہو۔“

”بالکل..... ایک مکان کرانے پر لے رکھا ہے۔ کوئی ملازم بھی نہیں ہے۔ ملازم رکھنے کی نیس سکتی۔ آمدی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ آج صح سو کر اٹھی تو پڑوس کی ایک لڑکی آئی اور مجھ سے پوچھنے لگی تکلیف کہاں ہے۔“

میں کبھی شائد مذاق کر رہی ہے لہذا میں بھی ہنسنے لگی۔ لیکن وہ ایک سمجھیدہ لڑکی ہے۔ مجھ سے عمر میں چھوٹی ہے اور میرا بڑا احترام کرتی ہے۔ جب وہ برا بر تکلیف کہاں ہیں تکلیف کہاں ہیں کی رث لگائے رہی تو مجھے غصہ آگیا۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر آپ تکلیف آپا کی کوئی مہمان ہیں تو آپ کو اتنا بد اخلاق نہ ہونا چاہئے۔ ان سے کہہ دیجئے گا کہ سارہ آئی تھی۔ میں نے سوچا شائد وہ اچانک پاگل ہو گئی ہے۔ لیکن جب میں نے کچھ دریں بعد آئینہ دیکھا تو میں حیران رہ گئی۔ میں واقعی تکلیف نہیں تھی۔“

”کل رات آپ اپنے ہی جسم میں سوئی تھیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں بالکل..... اور میں نے کچھل شام شمسی ہی کے ساتھ گزاری تھی۔ دس بجے گھر واپس گئی۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔ دن بھر میں یہ دوسرا کیس میری نظروں سے گزرا ہے۔“

”اوہ تو کیا اور بھی کوئی.....!“

”آپ کے والد صاحب۔“ حمید نے سعیدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”فضل کیوں نہ کرو۔“ سعیدہ غرائی۔ ”وہ اپنی یادداشت کو بیٹھنے ہیں۔“

ریشور ان کے قریب انہیں ایک ٹیکسی میل گئی۔ حمید نے کچھل سیٹ کا دروازہ کھول کر دروازہ لڑکیوں سے بیٹھنے کو کہا۔ ڈاکٹر سعیدہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ دوسرا لڑکی کے چہرے سے تو معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ عجیب ویران ہی آنکھیں تھیں۔

”فیضان.....!“ حمید نے ڈرائیور کے برابر بیٹھنے ہوئے کہا۔

ٹیکسی حرکت میں آگئی..... اور راستہ خاموشی ہی سے گزر۔

ہوٹل فیضان پہنچ کر حمید انہیں سیدھا اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔

دونوں لڑکیاں حمید کو گھرے جاری تھیں۔ سعیدہ کی آنکھوں سے غصہ جما کر رہا تھا تکلیف کی آنکھیں حیرت سے خوف ظاہر کر رہی تھیں۔

”مم..... میں نے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔“ وہ تھوڑی در بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی لیکن حمید کے بولنے سے پہلے ہی سعیدہ بول پڑی۔ ”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“

حمدیٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا بس چلا تو وہ سعیدہ کو اٹھا کر کھڑکی کے پہنیک دیتا۔

”خدارا..... بتائیے..... آپ نے مجھے کیسے پہچانا۔“ لڑکی حمید ہی کی طرف دیکھتی، بوی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سعیدہ کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔

”میں سب کچھ جانتا ہوں۔“

”کیا جاتے ہیں..... میرا قد، میرا جسم، میرا طبلہ، آخر یہ سب کیسے بدلتے گئے۔ بلا۔ میرے والدین بھی مجھے نہیں پہچان سکتے۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس پر طیش آگیا تھا کہ نے بھی مجھے نہ پہچانا۔ کیا اس کی محبت صرف اس جسم تک محدود تھی جسے میں کوچک ہو رہ آدمی محض جسم تو نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ہم دونوں کے درمیان ذہنی رشتہ ہے۔ ذہنی رشتہ والا رشتہ..... تو پھر اس نے مجھے کیوں نہ پہچانا۔“

”ذہنی رشتے جسموں ہی کے تو سطح سے قائم ہوتے ہیں۔“ حمید بولا۔ ”لہذا اگر کوئی ذہنی واسطے کو نہ پہچان سکے تو کس طرح قصور و ارٹھریا جا سکتا ہے۔“

”کیا انہیں بھی یہی شکایت ہے کہ ان کا جسم بدل گیا۔“

”جی ہاں..... اور وہ انہیں یعنی اپنی بیٹی کو بھی نہیں پہچان سکے۔“

”لیکن میں تو اپنے متعلقین کو پہچان سکتی ہوں۔ البتہ وہی مجھے نہیں پہچانتے۔“

”کیوں ڈاکٹر سعیدہ؟“ حمید سعیدہ کو گھوڑتا ہوا بولا۔ ”کیا ان کے سارے متعلقین اُن یادداشتیں کھو چکئے ہیں۔“

”میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی..... مجھے نیند آ رہی ہے۔“ سعیدہ نے جماں لی۔

”اچھی بات ہے تو آپ آرام فرمائیے۔ ہم دونوں جارہے ہیں۔“

”ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”بالکل ہوش میں ہوں۔ مجھے اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی کہ آپ کی غمہداشت کو کرنی پڑے گی۔ آئیے شکلیہ صاحبہ چلیں....!“

”آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔“

”میں آپ کا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”یہ نامکن ہے۔“

”کیوں....؟“

”کبھی شخصی بھی میرے گھر نہیں گیا۔ آپ خود سوچے..... پڑوی کیا سمجھیں گے۔“

”جب وہ آپ کو بخشیت شکلیہ پہچان نہیں سکتے تو پھر کچھ سوچنے کا سوال کب پیدا ہوتا ہے۔“

”اگر میں بھی ساتھ چلوں تو۔“ دفتار سعیدہ نے زم لجھ میں کہا۔

”لیکن میں گھر جانا عی نہیں چاہتی۔“ لڑکی بولی۔ ”پڑوسیوں کو کیا جواب دوں گی کہ شکلیہ

کہاں ہے۔“

”کہہ دیجئے گا کہ وہ آپ کو مکان میں نہ رکرا کر خود اپنے والدین کے پاس چل گئی ہے۔“

”تمن دن میں والبیں آجائے گی۔“

”وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر سر ہلا کر بولی۔“ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن آج

”میرے گھر چل کر کیا کریں گے۔“

”ہو سکتا ہے کچھ کریں گوں۔ عالم و عامل روحاں نیت ہوں..... ڈاکٹر زینو نام ہے۔“

پھر وہ تینوں ہی کمرے سے نکلے تھے۔ سعیدہ بے حد نجیدہ نظر آ رہی تھی۔ چچا ابن رخت ہو چکا تھا۔ انہیں کچھ دور پیدل چلتا پڑا تھا۔ پھر لیکسی مل گئی تھی اور وہ شکلیہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

پکھل گیا

میڑن اس کے کمرے کا دروازہ پیٹھ رہی تھی۔ پانچ بجے صبح سے اس کی ڈیوٹی تھی۔ لیکن اب سات نئے رہے تھے۔ میڑن کو اس کی غیر حاضری کی اطلاع ملی۔ نورا اچھی لڑکی تھی۔ میڑن اُسے پسند کرنی تھی۔ اس کا تقریر بخشیت نہیں ابھی حال ہی میں ہوا تھا۔ میڑن نہیں چاہتی تھی کہ اس کے خلاف کسی قسم کی شکایت ڈاکٹر انچارج تک پہنچے لہذا وہ خود ہی اس کے کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔

کافی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور ایک اچھی لڑکی سے مدد بھیڑ ہو گئی۔

”نورا کیا کر رہی ہے۔“ میڑن نے اس سے پوچھا۔

”میں شرمند ہوں.....!“ وہ جلدی سے بولی۔ ”معافی چاہتی ہوں دیر تک سوتی رہی۔“

”تم کون ہو..... میں نورا کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔“

”میں..... میں.....!“ لڑکی کے لہجے میں حرمت تھی۔

”ہاں..... نورا کو بلاو۔..... اس نے میری اجازت حاصل کئے بغیر تمہیں اپنے ساتھ کیوں

”خہبریا۔“

”میں..... میں نورا ہوں ستر.....!“

اس بستی میں بیٹھنے کر نہیں نے شکلیلہ کے مکان کی نشاندہی کی۔
پڑوسیوں نے بھی نورا کو شکلیلہ کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ لیکن وہ برابر بھی کہے جاری
تھی کہ وہ بھی ان اطراف میں آئی عنی نہیں۔

مکان کا دروازہ مغلول تھا۔ پولیس نے پڑوسیوں سے قدمیت کے بعد دروازے کا قفل توڑ دیا۔
”اب بتاؤ..... نورا کہاں ہے..... ورنہ میں کسی سخت قسم کی کارروائی پر مجبور ہو جاؤں گا۔“
سب انپکٹر نے لڑکی سے کہا۔

”میں نورا ہوں !“ لڑکی روہانی ہو کر بولی۔ ”میری بمحضہ میں نہیں آتا میں کیا
کروں کیسے یقین دلاؤں۔“

پھر پڑوسی کی ایک لڑکی نے بتایا کہ آج صبح اس مکان میں اسے ایک اجنبی لڑکی ملی تھی جو
خود کو شکلیلہ باور کرانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

یہ مسئلہ درجیش عی تھا کہ قدموں کی چاپیں سنائی دیں اور کیپٹن حمید اپنی دریافت اور ڈاکٹر
سعیدہ سمیت کرے میں داخل ہوا۔

”نورا..... !“ میژن کی زبان سے بے اختیار لکھا اور حمید کی دریافت دوسری لڑکی کی
طرف ہاتھ اٹھا کر چھپی۔ ”یہ میں ہوں۔“

”یہ میں ہوں !“ دوسری لڑکی اس کی طرف جھپٹتی ہوئی بولی۔
اب دفعوں ایک دوسری سے دو فٹ کے فاصلے پر کمری تحریر اندرا میں پلٹنیں بچپکاری تھیں۔

نورا نے کہا۔ ”میں شکلیلہ ہوں۔“
شکلیلہ نے کہا۔ ”میں نورا ہوں۔“

”اور آپ کون ہیں جتاب..... !“ سب انپکٹر نے حمید سے زہر میلے لجھے میں پوچھا۔
”ڈاکٹر اسکی اچھی زیست..... !“

پھر سب انپکٹر نے ڈاکٹر سعیدہ کی طرف اشارہ کیا۔
”یہ مری اسنٹ..... ڈاکٹر سعیدہ ہیں۔“ حمید نے جلدی سے کہہ کر ان دونوں لڑکیوں

”لوگ کہیں تیرا داغ تو نہیں چل گیا۔ مجھ سے شوخی کرتی ہے جبکہ میں تجھے جانتی بھی نہیں۔“

”مسٹر..... مسٹر..... !“

”نورا کو بلاؤ۔“ میژن چیخ کر بولی۔

”میں نورا ہوں آپ کو کیا ہو گیا ہے۔“

”اڈھر ہوئے..... !“ میژن اسے ایک طرف دھکیلیتی ہوئی اندر گھستی چل گئی۔
لیکن کہہ خالی تھا۔ اس نے غسل خانے کا دروازہ کھولا دہ بھی خالی تھا۔

اب وہ جھلا کر لڑکی کی طرف مڑی۔

” بتاؤ نورا کہاں ہے۔ ورنہ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گی۔“

”مسٹر..... مسٹر..... !“

”نورا کہاں ہے۔“ میژن اس کا گریبان پکڑ کر جھنجورتی ہوئی بولی۔

”مسٹر..... !“ لڑکی کو بھی غصہ آ گیا۔

”مارے مارتے حلیہ بگاڑ دوں گی۔“ میژن نے پھر گریبان پکڑا۔

پھر ذرا ہمیں دیر میں وہاں اچھا خاصا ہاٹر ہو گیا۔ زس نورا آئینے میں اپنی شکل دیکھ دیکھا،
چھاڑیں کھاری تھی۔

فاختا ایک تازہ وارد نہیں نے کہا۔ ”تو شکلیلہ ہے..... گولڈن ہنر ٹریڈر کی تاپسٹ!“

پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اس کی قیام گاہ سے واقف ہے۔
نورا محور ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ لوگ اسے جہاں لے جاتے چلی جاتی۔ ایک بار اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں صرف
اتتائی کہا۔ ”بلاشہ میں نورا نہیں معلوم ہوتی لیکن آسمانی باپ کی قسم میں نورا ہوں۔“

بات پھیلتی رہی۔ نوبت بے ایں جارسید کے ایک پولیس سب انپکٹر وہاں طلب کر لیا گیا۔

اب شام ہو چلی تھی۔ شکلیلہ والی بات اس کے علم میں آئی اور اس نے نورا عی اس نتی

کے بتائے ہوئے پڑے پر لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

بند ہوتی جا ری تھیں۔ پھر دفتار اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ دونوں ہاتھ چلوں کی صیوں سے نکل کر چہرے پر آئے اور پھر وہ آگے کی طرف جھکا چلا گیا۔

”کیا ہوا..... تمہیں کیا ہوا؟“ سعیدہ بوكھلا کر اس کی طرف بڑھی اور اس کے شانے پر کہا ”بڑی خوش ہوئی۔“ حمید نے لاکیوں سے توجہ ہٹائے بغیر اس کی طرف مصافحہ کرنے کے لئے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

”حمدید کراہتا ہوا سیدھا ہو گیا۔“

”ہا میں.....!“ سعیدہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے نحیف آواز میں پوچھا۔

”تت..... تمہاری..... شکل بدال گئی ہے۔“ سعیدہ نے خوفزدہ لمحے میں کہا۔

”وہ لوگ جو ان دونوں کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے تھے حمید کی طرف متوجہ

”فرمائیے جناب.....!“ حمید نے بآہنگی اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹاتے ہوئے کام ہو گئے۔ سکھوں کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے اور سب انکلپڑ بھی آنکھیں چھڑائے اُسے

”آپ کا اس لاکی سے کیا تعلق ہے؟“

”وہی جو ایک آسیب زدہ کا ایک عامل سے ہونا چاہئے۔ میرے پاس گئی تھی..... کشمکشم حمید کمزوری آواز میں بولا۔“ ہو سکتا ہے میری صورت بدال گئی ہو..... وہ ایک مسخر جن ہے..... لیکن میں اُسے دیکھ لوں گا۔“

”میرا جسم بدال گیا ہے۔“

”یہ..... یہ..... کیا ہوا۔“ سب انکلپڑ نے اس کے قریب آنے کی کوشش کی۔

”اس بناء پر آپ اسے آسیب زدہ سمجھئے۔“

”وہیں نہ ہیے اور مجھے بتائیے کہ آپ یہاں میری مریضہ کے گھر پر کیسے آئے؟“

”ارے انہیں ہوش میں لانے کی تدبیر کرو.....!“ ایک پڑوی بولا۔

”یہ پولیس کیس ہے۔ یہ لڑکی جو خود کو نورا کہتی ہے فوراً کے کمرے میں پائی گئی اور یہ لاکی

کے نام کو ابھی شکلیہ کہا تھا دراصل نورا ہی ہے۔“

”لیکن یہ حقیقتاً شکلیہ ہے..... یعنی شکلیہ کی روح..... نورا میں طول کر گئی ہے اور نورا کی

”نہ ہریے.....!“ سب انکلپڑ کا لہجہ سخت تھا۔

”جس شکلیہ میں..... اُسے مذاق نہ سمجھتے..... میں بہت دونوں سے اس جن کے تعاقب میں

”حمدید ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔“

”لیکن یہ..... آئیے ڈاکٹر سعیدہ چلیں۔“

”آپ براؤ کرم ان سے دوری رہئے۔“

”لیکن جناب.....!“

”وہ میری مریضہ ہے جناب۔“

”فرمائیے.....!“

”کچھ بھی ہو..... یہ پولیس کیس ہے۔“

”حمدید کچھ نہ بولا۔ اس کے دونوں ہاتھ چلوں کی صیوں میں تھے اور آنکھیں آہنگی۔“

کو اس طرح گھورنا شروع کر دیا جیسے کوئی عامل روحانی کسی آسیب زدہ کو گھورتا ہے۔

”آپ! ایک پولیس آفیسر سے لفڑگو کر رہے ہیں۔“ سب انکلپڑ نے تیز لمحے میں کہا۔

”بڑی خوش ہوئی۔“ حمید نے لاکیوں سے توجہ ہٹائے بغیر اس کی طرف مصافحہ کرنے کے لئے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اتنے میں دونوں لاکیاں بیک وقت بے ہوش ہو کر فرش پر آ رہیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے..... کیا ہو رہا ہے.....؟“ میٹر ان بڑھاتی ہوئی ان کی طرف چھٹی۔

”وہ جو کچھ بھی ہو رہا ہو۔“ انکلپڑ حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ آپ میری بادا۔

”جواب دیجئے۔“

”فرمائیے جناب.....!“ حمید نے بآہنگی اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹاتے ہوئے کام ہو گئے۔ سکھوں کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے اور سب انکلپڑ بھی آنکھیں چھڑائے اُسے

”آپ کا اس لاکی سے کیا تعلق ہے؟“

”وہی جو ایک آسیب زدہ کا ایک عامل سے ہونا چاہئے۔ میرے پاس گئی تھی..... کشمکشم حمید کمزوری آواز میں بولا۔“

”آپ کا جسم بدال گیا ہے۔“

”اس بناء پر آپ اسے آسیب زدہ سمجھئے۔“

”ارے انہیں ہوش میں لانے کی تدبیر کرو.....!“ ایک پڑوی بولا۔

”بھی ہاں..... آسیب زدگی ہی سمجھتے اے..... نہ ہریے اب مجھے دونوں ہی کو دیکھنا پڑا۔“

”حمدید ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔“

”نہ ہریے.....!“ سب انکلپڑ کا لہجہ سخت تھا۔

”حمدید مژ کر اسے گھورنے لگا۔“

”آپ براؤ کرم ان سے دوری رہئے۔“

”وہ میری مریضہ ہے جناب۔“

”کچھ بھی ہو..... یہ پولیس کیس ہے۔“

”آپ کی شکل....؟“

”میں ٹھیک کرلوں گا.....اس نے مجھے وارنک دی ہے۔“

”لیکن آپ کی مریضہ....؟“

”آپ اسے پولیس کیس سمجھتے ہیں تو آپ ہی اسے بھی سمجھا لے گا۔ شب بخیر۔“

وہ سعیدہ کو کھنچتا ہوا باہر نکلا چلا گیا۔ باہر نکل کر بھی اس نے سعیدہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تو

اس کی رفتار خاصی تیز تھی اور سعیدہ تو گویا اس کے ساتھ گھست ہی رہی تھی۔

کئی ناریک اور نیم روشن گلیوں سے گزرنے کے بعد پھر وہ اسی سڑک پر پہنچ گئے جو

فیضان کی طرف جاتی تھی۔ سعیدہ جو بُری طرح ہاپ رہی تھی ایک جگہ رکنی کی کوشش کرتی

مانائی۔ ”اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔“

حیدر کی سانس پھول گئی تھی۔

”یہاں سے فیضان کا فاصلہ تقریباً چار میل ہوگا۔“ حیدر بڑا یا۔

سعیدہ کچھ نہ بولی۔

یہاں اس سڑک پر اندھرا تھا۔ حیدر نے اپنی تاک کے تنون سے اسپرینگ لٹا

جیب میں ڈال لئے۔ جنہوں نے فوری طور پر اس کی شکل میں نمایاں تبدیلی کی تھی۔

”چلنے....؟“ حیدر نے اُسے ٹھوکا دیا۔

”ٹھہرو.....م.....م.....بُری طرح ہاپ رہی ہوں۔“

”کیا فرق پڑتا ہے.....چلتی بھی رہئے اور ہانپی بھی رہئے۔ یہاں تو یہ کسی ملنے سے رہے

”تم نے یہ کسی چھوڑی کیوں تھی۔“

”وہ رکنے پر تیار نہیں تھا.....یہاں تو چلے گئی نہیں اپنی جو نس.....؟“

”میں پیدل نہیں چل سکتی۔“

”اچھا تو پھر آپ یہیں قیام فرمائیے.....میں جائز ہوں۔“

”ٹھہرو....؟“

”کچھ کہئے بھی تو....؟“

”کچھ دیر یہاں پھر کردم لینے دو۔“ وہ جلا گئی۔

حیدر جیب سے پادچ نکال کر ہاپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا۔

پھر جب وہ ہاپ سلاگار ہاتھا سعیدہ ”اوے“ کہہ کر پیچھے ہٹ گئی۔

”کیا ہوا.....؟“ حیدر نے پوچھا۔

”تمہاری شکل....؟“

”ہاں فی الحال بگڑ گئی ہے۔“

”ٹھیک ہو گئی.....؟“

”اَللّٰهُ اَكْبَر....!“

”نہیں بتاؤ.....یہ کیا ہوا تھا.....؟“

”خوفناک جن ہے.....ہو سکا ہے میرے دم بھی نکل آئے۔“

”کیپن حیدر سنجیدگی سے گفتگو کرو۔“

”گفتگو کرو ہی کیوں.....؟“

حیدر نے لاپرواںی سے شانوں کو جبکش دی اور ہاپ کے کش لیتا رہا۔

سعیدہ کچھ دیر خاموش رہی پھر ”جہنم میں جاؤ“ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

حیدر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد وہ پھر رک گئی۔ حیدر ”چار

لبے ڈگ بھر کے اس کے قریب جا پہنچا۔

”آپ غلط سمت پر جا رہی ہیں محترم.....!“ اس نے کہا۔

”کیا مطلب....؟“

”مطلوب یہ کہ مشرق نہیں مغرب۔“

”اورم آپ بتا رہے ہو۔“ وہ دانت پیس کر بولی۔

”کیا روائی کے پلے آپ نے مجھ سے پوچھا تھا۔“

”کیا....؟“ سعیدہ نے نرم لمحہ میں پوچھا۔ سردی نے غالباً دماغِ مختلاً کر دیا تھا۔
”ہم اندر چل کر کافی پیس اور کسی ایسے آدمی کو دوست بنانے کی کوشش کریں جو ہمیں
ہوٹل فیضان تک پہنچا دے۔۔۔ یہاں بہت سی گاڑیاں پارک ہیں۔“
”کوئی حرج نہیں۔“ سعیدہ بولی۔

”اچھی بات ہے۔“ وہ سخت لمحہ میں کہہ کر چلتی اور بڑی تیز رفتاری سے مخالف سمت
تھیں۔ انہوں نے بیٹھتے ہی کافی طلب کی۔ رقصہ خاصی دلکش تھی۔ حمید ہال میں داخل ہوتے
ہی اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”بھلا مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اس سے۔“ سعیدہ بولی۔
”کس سے....؟“

”رقص اور رقصہ سے۔۔۔ کوئی مرد ناج رہا ہوتا تو بات بھی تھی۔“
”اور میں جو صحیح سے ناج رہا ہوں۔“
”کیپشن حمید! ابھی تم آدمی بن سکتے ہو۔“
”کیا مطلب....؟“

”تحوڑی بہت شرافت کے جراحتیم میں موجود ہیں۔ کوشش کرو تو آدمی بن سکتے ہو۔“
”کوشش کر کے تو میں بزر پری۔۔۔ اندر سجاوائی بھی بن سکتا ہوں۔ اور ہو۔۔۔ اس آدمی کو دیکھو!“
”کے۔۔۔ کدر...؟“ وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

”آدمی ہی آدمی ہیں۔۔۔ جسے مناسب سمجھتے۔“
”کیا بات ہوئی؟“

استنے میں دیر کافی کی ٹرے لایا اور حمید اتنی لاپرواں سے پاسپ پیتا رہا جیسے اس پر کسی
حوال کا جواب باقی نہ ہو۔ سعیدہ اسے گھورے جا رہی تھی۔
”میں پوچھ رہی ہوں۔۔۔ تم نے کیوں کہی یہ بات۔“
”اول....!“ حمید چونک پڑا۔

”کیپشن حمید....؟“
”لیں مادام....!“
”میں تمہاری خلکایت کروں گی۔“
”بھوے بھکوں کو راستہ بتانا میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔“
”اچھی بات ہے۔“ وہ سخت لمحہ میں کہہ کر چلتی اور بڑی تیز رفتاری سے مخالف سمت
ہمید بھی اسی جانب مڑا۔ لیکن وہ زیادہ دور نہ چل سکی۔۔۔ پھر رک گئی۔
”ٹھیک جارہی ہیں۔۔۔ ٹھیک جارہی ہیں۔۔۔ چلتی چلتی۔“ حمید نے ذرا فاصلے تی
ہاک کلائی۔

”کیپشن حمید اب میں تمہیں مار بیٹھوں گی۔“ وہ جھلا کر بولی۔
حمدیک کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مخالف سمت سے کسی گاڑی کے ہیڈ لیپ پچکے اور پھر وہ م
طرح دکھائی دینے لگی۔

حمدی اسے روکنے کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے سڑک کے کنارے ہو گیا۔
سعیدہ بھی اس کے قریب ہی کھڑک آئی تھی۔ حمید ہاتھ ہلاہلا کر گاڑی کو روکنے کے
اشارة کرتا رہا۔ بس ان کے قریب ہی آ کر کر کی لیکن ڈرائیور نے بتایا کہ وہ ہوٹل فیضان کی ط
نہیں جائے گی۔

”جہنم ہی میں کیوں نہ جائے۔۔۔ پیدل تو نہیں چلوں گی۔“ سعیدہ بڑھاتی ہوئی بس
چڑھ گئی۔ پھر وہ کریٹ نائنٹ کلب کے قریب آتے۔۔۔ اور بس شمال کی جانب مڑ گئی۔

”اب کیا صورت ہوگی۔“ حمید نے سعیدہ سے پوچھا۔
”دیکھا جائے گا۔“ سعیدہ نے لاپرواں سے کہا۔
”سردی بڑھ گئی تھی۔“ حمید نے محوس کیا کہ سعیدہ کا نپ رعنی ہے۔
”میری ایک تجویز ہے۔۔۔!“ اس نے کہا۔

”سنو.....! میں اچھی طرح بحثی ہوں کہ ڈینی کا دماغ خراب ہو جانے کی وجہ سے قابل نہیں ہو سکتا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ اس کا قد کم از کم سات فٹ ضرور ہوگا۔ ساتھ ہی میلا وہ بھی کم نہیں تھا۔ شہزادی کی چڑائی تین فٹ سے کم نہیں معلوم ہوتی تھی۔“
شیر ہو رہے ہو۔“

”آپ غلط بحیثیت محترمہ سعیدہ۔ مجھے اس پر افسوس ہے کہ آپ کو اپنے ڈینی کی وادی سعیدہ غالباً اُسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔“
”اب تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ فتحا سعیدہ نے اُسے یاد دلایا اور وہ چونک کر برادر بھی پرواہ نہیں۔“

”یہ کیسے سمجھ دیا تم نے؟“
”آخراً آپ میرے ساتھ کیوں دوڑی آئی تھیں۔“

”نہیں کے کیس سے ملتا جلتا ایک کیس سامنے آنے کی بنا پر.....!“
”کس نتیج پر پہنچیں.....؟“

”میری سمجھ میں نہیں آتا..... میں نے ان دونوں کو ایک دوسرے کو گھورتے دیکھا تو بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے کچھ ان کے جسم ایک دوسرے سے بدل گئے ہوں۔“
”کیا یہ کوئی مرض ہے؟“

”نہیں..... اسے مرض نہیں کہہ سکتے۔“
”اوہ غالباً آپ اسے آئینی خلل بھی نہ تلمیز کریں..... کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“
”تو پھر میں کیا کروں؟“

”بنائیے.....!“
”میں نے آج تک کسی کے لئے نہیں بنائی۔“
”ارے تو اپنے لئے ہی بنائیجئے۔“
”وہ اپنی پیالی میں کافی انٹیلنے لگی۔ حمید خاموش بیٹھا رہا۔

وہ دراصل ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے اس دیوبیکر آدمی کو دیکھ رہا تھا جس نے کچھ دریافت ہاتھ پھیلا کر رقصہ کی کوشش کی تھی اور رقصہ اچھل کر پیچھے ہٹی تھی اور تھرکتی ہوا دوسری طرف چلی گئی تھی۔ حمید نے اس کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار بھی دیکھے تھے۔
یہ آدمی غیر معمولی طور پر طویل القامت اور جسم ھا۔ حمید کو قاسم یاد آیا لیکن وہ بھی اس

رقصہ آگے بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس میز سے کتراتی ہوئی نکل نے کی کوشش کر رہی تھی جہاں وہ آدمی بیٹھا تھا۔ لیکن وہ آدمی اس کی طرف کب متوجہ تھا۔ اس ٹھوڑی تو سینے پر کمی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ اونٹھ گیا ہو۔

رقصہ پھر دوسرے سرے کی طرف جانکلی تھی۔

فتحا ہال میں اندر ہرا ہو گیا اور مختلف قسم کی اسپاٹ لائنس رقصہ کے جسم پر پڑتی رہیں۔
اسکی طرح اس نے پھر ہال کا ایک چکر لیا۔ وہ اس دیوبیکر کے قریب سے گزر رہی تھی کہ پاٹ لائٹ اس پر سے پھسلتی ہوئی اندر ہرے میں گم ہو گئی اور ساتھ ہی ایک لمحراش چیز بھی

”جانتے ہیں آپ انہیں۔“ اس نے حمید کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔
”جی نہیں۔“

”میرے لئے بھی ابھی ہیں۔“ اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”میں اس کلب کا مجرم ہوں۔“
”بُری خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ حمید نے مصافی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
پہلے اس نے حمید کو غور سے دیکھا اور پھر خالی اللہنی کے سے عالم میں اس سے مصافی کیا۔
کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”آپ نے بھی شیلا کی جیخ سن تھی؟“

”جی ہاں۔“

”کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ ایک بار اس نے شیلا کی کمر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔“
”شاند میں نے بھی اُسے ایسا کرتے دیکھا۔“

”تو پھر یہ تو یہاں پڑا ہے اور شیلا غائب ہو گئی ہے۔“
”ہو سکتا ہے کہ اُسے کوئی پکڑ لے گیا ہو۔“

”لیکن یہ یہ کیوں بیہوش ہو گیا؟“
”ہو سکتا ہے اس کے اس طرح غائب ہو جانے پر اسے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔“

”فقط سعیدہ تھیں۔“ ”ارے ارے یہ تو برف کی طرح پکھل رہا ہے۔“ اور وہ تمیوں
عن دیوبیکر آدمی پر جھک پڑے۔
کچھ دیر برف کی طرح پکھل رہا تھا۔

چاکلیٹ

آن کی آن میں چاروں طرف یہ بات بھیل گئی کہ بیہوش ہو جانے والا دیوبیکل آجھی
پکھل رہا ہے۔

ہال کی مدد و فضائیں گوئی اور روشنی بھی ہو گئی۔
لوگ بوكھلا کر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے۔ حمید نے بھی کرسی چھوڑ دی تھی اور اس حمید
گھوڑے جا رہا تھا جہاں دیوبیکر آدمی نظر آیا تھا۔ برا عجیب منظر تھا۔ وہ دیوبیکر آدمی پاڑا
خانے چت فرش پر پڑا تھا۔
لیکن رقصاص اس کا کہیں پڑنا تھا۔

جن لوگوں نے دیوبیکر کو اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھا تھا رقصاصہ کو تلاش کرنے
اور کچھ لوگ دیوبیکر کے گرد اکٹھا ہو گئے۔ ان میں حمید بھی تھا۔

اس نے جھک کر دیکھا۔ دیوبیکر یا تو گھری نیند سورہ تھا یا بے ہوش تھا۔
بہت سے لوگوں کی بیک وقت گفتگو سے ہال گو بخنے لگا۔

”خدا کی پناہ یہ تو دیو ہے دیو !“ سعیدہ حمید کا شانہ ہلا کر بولی۔
حمدید اس کی طرف توجہ دیئے بغیر اس دیوبیکر کو گھوڑے جا رہا تھا۔

”شیلا شیلا تم کہاں ہو؟“ غالباً رقصاصہ کو کسی نے آوازیں دیں اور پھر چاہ
طرف سے ”شیلاشیلا“ کی آوازیں آنے لگیں۔

اسے تلاش کرنے کے سلسلے میں لوگوں کا جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔
ذرماں کی دیر میں دیوبیکر آدمی کے قریب سعیدہ اور حمید کے علاوہ اور کوئی بھی نہ رہ گیا۔
”کچھ دیر پہلے اس نے رقصاصہ کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔“ حمید نے سعیدہ سے کہا۔

”اچھا ?“ سعیدہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

پھر وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ ”لیکن رقصاصہ کہاں گئی؟“
اتنے میں ایک آدمی اُن کے قریب آ کھڑا ہوا۔

”کیا یہ آپ کے ساتھ ہیں؟“ اس نے حمید سے کہا اور جملہ پورا کئے بغیر ہی اس
دیوبیکر کو غور سے دیکھنے لگا۔

”جی نہیں یہ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔“ حمید بولا۔

”میں نے ایس اچھ زیوں تباہ تھا..... ساجد حمید زیوں!“
 ”یہ زیوں کیا چیز ہے؟“
 ”کیا میں آپ کا نام پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔“
 ”ضرور..... ضرور!“ وہ زہر میلے انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”اسلم بھٹی یہاں شیطان کی طرح مشہور ہے۔“

”ہاں..... شیطان کا نام بھی میرے لئے نیا نہیں ہے لیکن یہ بھٹی کیا چیز ہے؟“
 ”خیر..... خیر!“ وہ غضب تاک ہو کر بولا۔ ”آپ نے اس لڑکی کو شکلیہ کی حیثیت سے کیوں کر پیچان لیا تھا۔“
 ”روحانی قوت!“
 ”آپ کو پولیس ایششن تک چلانا ہوگا۔“

”صاحب آپ اپنا کام کبھی..... مجھ سے نہ ابھی..... اگر مجھے جلال آگیا تو خود پولیس ایششن کو یہاں تک آتا پڑے گا۔“

”سیدہ حاموی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ چڑھائیوں پر ایششن کو یہاں تک آتا پڑے گا۔“
 ”سیدہ ہائی لگتی اور حمید سعیدہ سے کہتا کہ وہ کچھ دیر پھر کرم لے لے۔
 ”پتہ نہیں کس طرح گرتی پڑتی وہ ہوٹل فیضان تک پہنچتی تھی۔“

”ایس پی کر انہر مسٹر لطفی سے علیک سلیک!.....!
 ”چلے!“ سب انپکٹر نے فون کی طرف اشارہ کر کے بے اعتباری سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حمید کو پکا فراڈ سمجھ رہا ہو۔

”سیدہ نے نمبر ڈائل کئے اور ماڈھ پیس میں بولا۔ ”ایس پی کر انہر مسٹر لطفی..... پلیز گھر پا جیں..... گھر کے نمبر..... ہوں..... ہوں..... تمہری اہمیت زیر و نامن..... شکریہ۔“
 سلسلہ منقطع کر کے اس نے گھر کے نمبر ڈائل کئے اس دوران میں سب انپکٹر اسے یقین ”شجے کی گلکش والی نظروں سے دیکھتا رہا تھا
 ”نیلو!.....!“ حمید ماڈھ پیس میں بولا۔ ”کیوں لطفی صاحب..... آپ کو جا گنا تو نہیں

بیس منٹ کے اندر اندر وہاں صرف ایک سوت پارہ گیا اور نیا لے رنگ کا گاڑھا گاڑھا سیال اس کے چاروں طرف دور دور تک پھیلنا پلا گیا تھا۔
 ”کیوں نہ ہم یہاں سے کھکھ لی جائیں۔“ حمید نے سعیدہ سے کہا۔ ”ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی پولیس سے مدد بھیڑ ہو جائے۔“
 ”میں بھی یہی سوچ رہی تھی..... خدا کی پناہ کس شیطانی جرنے میں بھنسے ہیں آ کر۔“
 انہوں نے مل ادا کیا اور باہر نکل آئے۔
 ”کئی لوگ ہمیں گھور رہے تھے۔“ سعیدہ بولی۔
 ”مزید معلومات حاصل کئے بغیر ان میں سے کوئی بھی وہاں سے نہیں ملے گا۔“ حمید نے کہا۔
 ”لیکن اب کیا ہو گا.....؟“
 ”یہاں سے شام ایک میل سے زیادہ فاصلہ نہ ہو گا ہوٹل فیضان کا۔“ حمید نے تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

سعیدہ خاموی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ چڑھائیوں پر ایششن کو یہاں تک آتا پڑے گا۔
 ”سیدہ ہائی لگتی اور حمید سعیدہ سے کہتا کہ وہ کچھ دیر پھر کرم لے لے۔
 ”جیسا کہ معاہدہ کیا ہے معاہدہ پولیس کا کوئی آدمی فیضان میں اس کا منتظر ہو کیونکہ شکلیہ نے ہوش میں آنے کے بعد پولیس کو اس کا پتہ ضرور بتا دیا ہوگا۔
 خیال غلط نہ لکھا۔

کاؤنٹر کے قریب وہی سب انپکٹر موجود تھا جس سے شکلیہ کے گھر بر ملاقات ہوئی تھی۔
 حمید نے سعیدہ کو اشارہ کیا کہ وہ کمرے میں جائے اور خود کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
 ”آپ تو پھر ٹھیک ہو گئے جتاب۔“ سب انپکٹر نے طریقہ بجھ میں کہا۔
 ”بڑی مشکل سے اس میں کامیاب ہوا ہوں۔“ حمید مردہ سی آواز میں بولا۔
 ”آپ نے اپنا نام ڈاکٹر زیوں تباہ لکھا لیکن یہاں کے رجسٹر میں ساجد حمید درج ہے۔“

پڑا تھا..... میں حمید بول رہا ہوں..... جی ہاں میں بھی ابھی تک جاگ ہی رہا ہوں اور وہ آفیٹ
جو یہاں شیطان کی طرح مشہور ہیں میرے سر پر مسلط ہیں۔ غالباً ڈاکٹر زینو کو فراڈ کیجئے
ہیں..... انہیں رسیور دوں..... اچھا....!

حمدی نے رسیور اسپلٹ کی طرف بڑھا دیا۔

اسپلٹ نے ماڈھپیں کے قریب منڈا کر تھوک لگا اور پھر منڈلانے لگا۔ ہمیسے اس طرز
کی خاص قسم کی ازرجی حاصل کرے گا۔ جو اسے اس پی سے گفتگو کرنے میں مدد دے سکے
”لیں سر..... لیں سر..... جی جی جی..... اچھا سر..... جی بہت اچھا..... لمبا قصہ نہ
جناب..... بہت ہی عجیب..... اگر آپ فرمائیں تو خود حاضر ہو جاؤں..... بہت بہتر جناب۔“
رسیور کھکھ کر اس نے طویل سانس لی اور حمید کی طرف دیکھ کر کھیانی ہی کے ساتھ کہا
کہہ رہی تھی۔“ آپ پہلے ہی بتا دیتے۔“

”خیر کوئی بات نہیں..... لڑکی کو ہوش آ گیا تھا۔“

”جی ہاں..... اسی نے تو آپ کے بارے میں بتایا تھا..... لیکن آخر کار آپ نے اسے
ٹکلیل کیوں تسلیم کریا تھا؟“
”لبی کہانی ہے..... آپ کو شاکر ابھی لطفی صاحب کے پاس جانا ہے۔“
”جی ہاں..... جی ہاں.....!“ وہ مصافر کر کے تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
کاڈنر کلر اتنی ہی تیزی سے حمید کی طرف بڑھ آئی تھی۔

”کیا قصہ تھا جناب.....؟“ اس نے حمید سے پوچھا۔

”اپنی نوعیت کی پہلی کہانی ہے۔“

”وہ اس کے دوسراے جملے کی منتظر معلوم ہوتی تھی۔“

حمدی نے جیب سے پاپ اور تمباکو کی پاچ نکالتے ہوئے کہا۔ ”چند گھنٹے پہلے میں ایک
رسیور ان میں نان اور کتاب سے بھی بہلا رہا تھا کہ کاڈنر پر ایک لڑکی کو کاڈنر کلر کے
جھگڑتے دیکھا..... وہ کہہ رہی تھی کہ وہ ٹکلیل ہے، اور کلر ہکا بالا کھڑا تھا..... بات اتنی بڑی آ

رسیور ان کے مالک نے دونوں سے باہر نکل جانے کو کہا۔ وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ اس کی شکل
ضرور بدلتی ہے لیکن وہ ٹکلیل ہے! کاڈنر کلر اپنا سر پیٹ رہا تھا کہ وہ اسے ٹکلیل کیے تعلیم
کر لے جکہ وہ ٹکلیل نہیں ہے۔ میں نے اسے ٹکلیل تسلیم کر لیا.....!“

”آپ نے.....!“ لڑکی کے لجھے میں حیرت ہے۔

”کیا کرتا..... بات بھی تو ختم کرانی تھی کی طرح..... ورنہ وہ تو اپنے اس بوابے فرینڈ کو
جان سے مار دینے پر آمادہ ہو گئی تھی۔“

”تو یہ پولیس آفیسر.....؟“

”میں دراصل اسے اس کے گھر چھوڑنے گیا تھا۔ وہاں ایک دوسری لڑکی ملی جو خود کو نورا
کہہ رہی تھی۔“

پھر حمید نے ٹکلیل کے گھر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں اسے بتایا۔

لڑکی کی سوچ میں پڑ گئی تھی۔

”تم کیا سوچنے لگیں..... کیا مجھے جو ہوا سمجھتی ہو۔“

”جی.....!“ وہ چونک پڑی۔ ”جی نہیں۔ میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتی۔ مجھے بھی ایک ایسا

عن واقعہ یاد آ رہا ہے۔“

”او..... ہو..... وہ کیا.....؟“

”چھ ماہ گزرے پچھ لوگ پکن پر ایک جگہ گئے تھے۔ وہاں ایک لڑکی بڑی گھری کھنڈ
میں گر گئی تھی۔ کھنڈ کی گہرائی اتنی تھی کہ وہ لوگ یقینے نہ اتر سکے اور مدد کے لئے انہیں شہر آپا پر
اس میں آٹھوں گھنٹے لگ گئے۔ پھر جب ہیلی کو پڑ کھنڈ میں اترتا تو وہاں اس کی لاش نہیں مل سکی

تھی۔ پھر ایک ہفتے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ ایک اپنی لڑکی اپنے ریٹا ہونے کا دعویٰ کرتی
بھر رہی ہے۔ اس کے جانے والوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ ایک ماہ تک یہ بھکڑا چلتا رہا اور

پھر لوگوں نے اس کی طرف توجہ دیا ہی چھوڑ دیا۔“

”وہ لڑکی اب کہاں مل کے گی.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”وہ لڑکی.....!“ وہ طویل سانس لے کر مسکرائی۔ ”وہ لڑکی میں ہی ہوں اور میں اپنے
سے اب تک ماوس نہیں ہو سکی۔ نہ میرا قد اتنا لما تھا اور نہ صورت ہی ایسی تھی۔ شام کی طرف
فام نسل کی..... لڑکی کے جسم میں میری روح طول کر گئی ہے۔“

”بس محترمہ بس.....، اب میں بیویوں ہو جاؤں گا۔“
لڑکی کی بھی بڑی تلخ تھی۔

حید نے کہا۔ ”جس وقت سے یہاں پہنچا ہوں کسی ایسے آدمی سے ملاقات نہیں“
جس کے جسم میں اس کی اپنی روح ہوتی۔“

لڑکی اسی انداز میں خستی رہی۔

”ہنسو نہیں..... میں اس وقت بہت پریشان ہوں مجھے ایک کرہ چاہئے۔“
”کیوں.....؟“ لڑکی نے تھیرانہ انداز میں پوچھا۔

”ایک لڑکی بھی ہے میرے ساتھ جس کا باپ یہاں عرصہ سے مقیم ہے۔ میں نے
خیال سے صرف ایک ہی کرہ حاصل کیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے گی لیکن باپ
اسے پہچانتے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے جسم میں بھی کسی اور کی روح طول کر گئی ہے کہتا
کہ اس کا جسم کوئی اور چھین کر فرار ہو گیا۔“

”اوہ..... تو یہاں بھی کوئی ایسا موجود ہے۔“

”اب تو مجھے سب ہی ایسے نظر آئیں گے۔“

”کیا آپ اور وہ لڑکی ایک ہی کمرے میں قائم نہیں کر سکتیں گے۔“

”میں نے آپ سے کمرے کے حصول کے بارے میں پوچھا تھا۔“

”بات دراصل یہ ہے جناب کرتی رات گئے ہمارے یہاں کرہ دینے کا قاعدہ نہیں۔“
باہر سے آنے والے یا تو کمرہ پہلے سے مخصوص کراتے ہیں یا پھر وہ دن ہی دن میں آتے ہیں۔
”میں بھی دن ہی میں آیا تھا لیکن یہ دشواری آپڑی۔“

”پھر بتائیے کہ میں کیا کروں.....؟“

”خبر..... میں یہیں کھڑے رہ کر بھی صبح کر سکتا ہوں۔“ حید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا
مسکرا یا۔ وہ بھی جواباً مسکرائی۔ اور حید نے سر ہلا کر کہا۔

”مجھے جیرت ہے.....؟“

”کس بات پر.....؟“

”آخڑتھاری ڈیوٹی کتنے گھنٹوں کی ہوتی ہے۔ جس وقت میں یہاں آیا تھامن ہی کا ذمہ
پر موجود تھیں اور اب رات کے ڈھانل نیچ رہے ہیں۔“

”بڑی عجیب بات ہے..... مجھے خود بھی جیرت ہے۔“ وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”کئی دن تک
مسلسل جاتگی رہتی ہوں لیکن تحکم محسوس نہیں کرتی۔ بس ایسا گلتا ہے جیسے جی بھر کر سونے کے
بعد بالکل تروتازہ اٹھی ہوں۔“

”لیکن مجھ سے تو صبح وقدم بھی نہ چلا جائے گا..... اگر میں دو تین گھنٹے کی نیند نہ لے سکا۔“
”میں ہر اعتبار سے جیرت انگیز ہو گئی ہوں۔“

”میں کیسے یقین کر لوں۔“ حید سر ہلا کر بولا۔

لڑکی اپنا پرس اٹھا کر اس میں کچھ ڈھونڈنے لگی۔ پھر ایک کنجی نکال کر حید کی طرف بڑھا دی
اور بولی۔ ”یہ میرے کمرے کی کنجی ہے۔ جا کر آرام کیجئے۔ آپ کو صبح سے پہلے کمرہ نہ مل سکے گا۔“

”بہت بہت شکری یہ نمبر کیا ہے کمرے کا۔“

”لیکن آپ میرے معاملے کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کریں گے.....؟“

”مطمئن رہو..... ایسا ہی ہو گا۔“ حید نے کہا۔ ایک آنکھیں نیند سے بو جمل ہو رہی تھیں۔

کمرے کا نمبر معلوم کر کے وہ وہاں سے چل پڑا تھا۔

لڑکی خاصی دلکش تھی۔ حید اسے یوریشن ہی سمجھا تھا۔ لیکن اس نے بڑی شدت اور غافقت
اردو میں اسے اور ہی قسم کی کہانی سنائی تھی۔ باور کرانا چاہا تھا کہ وہ خود بھی اپنے اصلی جسم میں نہیں۔
حید کچھ دیر بعد اس کی مسہری پر چلتی لیٹا ہوا بڑا رہا تھا۔

”پورا دگار..... تو نے یہ پیش میرے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ لیکن کیا یہ بھی ضروری ہے کہ میں

روحون کا تعاقب کرتا ہوا بھی سے تیرے دربار میں آپنچوں اور یہ سب کچھ....!"
فُحْنَافُونَ كَيْ كَهْنَتِيْ بَجِيْ اُور فرید جہاں تھی وہیں ثُوث کر رہا گئی۔ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اپنے
دوسرا طرف سے لیڈی کلک بول رہی تھی۔

"یہ بڑا اچھا ہوا میں سوچ رہا تھا تھارا نام کیا ہو سکتا ہے۔" حمید نے ماڈھپیں میں کہلے
"رہیا....!" دوسرا طرف سے آواز آئی۔
"اویچل نام....!"

"ہاں..... ہاں..... گندی رنگ کے جسم میں ریٹا کھلاتی تھی۔ موجودہ جسم میں بھی سمجھا ہے
برقرار رکھا ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ آپ کے ساتھ وہی لڑکی ابھی آپ کو پوچھ رہی
بھتی تھی کہ اس نے چاکلیٹ استعمال کئے یا نہیں۔ گفتگو کا انداز ایسا ہی تھا چیزے وہ اس سلسلے
میں اپنا اطمینان کرنا چاہتی ہو۔ حمید ریسیور رکھ کر پھر میز کی طرف آیا اور چاکلیٹ کا ایک پیکٹ
نکال کر کوٹ کی اندر ورنی جیب میں رکھ لیا۔ اس نے ابھی تک کوٹ بھی نہیں اٹارا تھا اور جو تے
بھی پینے ہوئے تھا۔
"خیر..... خیر..... اگر آپ بھوک محسوس کر رہے ہوں تو میز کی دراز سے چاکلیٹ یا
اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہ سوچتا رہا۔

پیکٹ نکال لے جے گا۔"
"شکریہ..... شکریہ۔" حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آوازن کر ریسیور کریڈل، یک باریک تاروں میں لپکی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے تار پھیلا دیئے۔ پھر تار کا
بڑا اپنی کلاں کی گھڑی کی چابی سے نسلک کر دیا اور دوسرے سرے کی نوک چاکلیٹ میں
وہ سوچنے لگا اب اسے سوچانا چاہئے۔ پھر فتحا وہ اٹھ بیٹھا۔ ہن کے کسی گوشے میں کہا
اُردی جس چیز کے گرد یہ تار لپٹے ہوئے تھے اس کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر تھی یہ قطب نما کی
کھنک تھی۔ فوری طور پر وہ اسے کوئی معنی نہ پہنچا سکا۔ لیکن عجیب ہی بے چنی محسوس کر رہا تھا۔
ل کا کوئی آر تھا۔ اس کی سوئی سکپکپائی ہوئی بیز رنگ کے ایک نشان پر ٹھہر گئی اور حمید نے
مشق کر تاروں کے دونوں سردوں کو مغلظہ چیزوں سے الگ کر کے اسے پھر پس میں رکھ
دراز کھوئی۔ اس میں چاکلیٹ کے کئی پیکٹ پڑے دکھائی دیئے۔ وہ ان کی طرف ہے۔
بڑھا ہی رہا تھا کہ فُحْنَافُونَ کی گھنٹی بجی۔

اُس آٹے کی نشاندہی کے مطابق چاکلیٹ میں کسی نہ آور چیز کی آمیزش تھی۔
چاکلیٹ کا پیکٹ اس نے پھر جیب میں رکھ لیا۔ اور اب وہ اپنے بغلی ہولشر سے رویا اور
اُس کے چیزبر چیک کر رہا تھا۔ خطرے کا احساس لختہ بخختا رہا۔ فُحْنَافُونَ کی گھنٹی پھر بجی
ریسیور اٹھاتے وقت اس نے بُر اسماںہ بنایا تھا۔ دوسرا طرف سے رہیا کی آواز آئی۔
"چاکلیٹ نہ کھانا چاہتے ہو تو کچھ اور بچاؤں.....؟"

لیکن اس بار حمید نے اپنی جگہ سے جبنش بھی نہ کی۔

فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ پھر بند ہو گئی۔ حمید نے کرسی کا رخ دروازے کی طرف اٹا۔ کچھ دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔ حمید اپنی عیین جگہ پر جمارتا۔ کسی سکنڈ تک گھنٹی کی آواز کمرے میں گنجتی رہی پھر سنناٹا چھا گیا۔

ریٹا چپ چاپ ان دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

حیدر یا الور کا رخ ان کی جانب کئے ہوئے چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر باسیں ہاتھ سے

پاکیٹ کا پیکٹ نکالتا ہوا ریٹا سے بولا۔ ”یہ چاکلیٹ اپنے دستوں کو کھلاو۔“

ریٹا جہاں تھی وہیں بے حس و حرکت کھڑی رہی۔

اس بار حمید نے اپنے ہاتھ پر ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے اور کرسی کی پشت گاہ پر گردان اڑا۔ ”چلو.....!“ حمید دانت پیس کر غرایا اور وہ اس طرح اس کے قریب آئی جیسے خواب میں

دی تھی۔ دل کی وہ کتنی شمار کرنا ایسے موقع پر بہترین مشغل تھا۔ ثابت ہوتا ہے۔

”رہی ہو۔ حمید نے پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔“

”کچھ دیر بعد باہر سے قفل میں کنجی گھونٹنے کی آواز آئی اور حمید آنکھوں میں خفیہ رہا۔“

”انہیں یہ چاکلیٹ کھانا پڑے گا۔ ورنہ گولی..... نہایت آسانی سے تم تینوں کو قتل کر کے

”اجاؤں گا۔“

”دروازہ کھلا۔ ریٹا اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے دو آدمی تھے۔ وہ حمید کے قریب آ۔ ریٹا پیکٹ لئے ان کی طرف مڑی۔“

ان میں سے ایک کے ہاتھ میں بڑا ساتھیلا تھا۔ اس نے تھیلا حمید کے میروں کے قریب۔ عجیب سی خفاہی کر کے کی۔ چہرے سے خون پوچھنے والا بھی اب تن کر کھرا ہو گیا تھا اور

”دل ہی کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اس پر تیار نہ ہوں گے۔“

”بس نیچے ہی سے بھرلو.....!“ دوسرا آدمی آہتہ سے بولا۔

”سنو دستو.....!“ یہ مخفی دھمکی نہیں ہے۔ چاکلیٹ نکھانے پر میں تمہیں بے دریغ گولی مار

اور پھر جیسے ہی پہلا تھیلے کا منہ کھواتا ہوا حمید کے پیروں کے قریب جھکا اسکی بھرپڑا تاہوں۔“

”حیدر یا الور کو جبنش دے کر بولا۔“

”اس کے چہرے پر پڑی ساتھ ہی باسیں جانب کھڑے ہوئے آدمی کی گردان بغل ملما۔“

”ریٹا ان کے قریب بیچ کر پھر حمید کی طرف مڑی۔“

”بھر قفل اس کے کر ریٹا کوئی حرکت کرتی۔... بغلی ہولش سے ریا الور بھی نکل آیا۔“

”چاکلیٹ کو دو لکڑوں میں تقسیم کر کے تم خود انہیں کھلاو۔.... اور تم دونوں اپنے ہاتھ اور پر

لات کھانے والا دیوار سے ملا کھرا اپنے چہرے سے خون پوچھ رہا تھا اور ریٹا اسکے رکھو گے۔“

”حمدی بولا۔“

”کھڑی تھی۔ دوسرا آدمی کی گردان پر گرفت اتنی مضبوط تھی کہا۔“

”وہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے دوبارہ ان دونوں کی طرف مڑی۔“

”بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر حمید نے جھنکا دے کر اسے خود سے الگ کر دیا اور وہ بھی لا کھل۔“

”نہیں..... ہاتھ اوپر ہی اخھانے رکھو تم دونوں۔ ریٹا تمہارے منہ میں رکھ دے گی۔“

انہوں نے اپنے منہ کھول دیئے۔ پھر ریٹا نہیں چاکلیٹ کھلانی رہی اور حمید ان پر نظر

کے رہا۔ وہ انہیں چاکلیٹ کھلا کر پھر اس کی طرف مڑی اور حمید نے کرسی کی طرف اشارہ

کر کے رہا۔“

”رہے۔“ حمید نے ریٹا سے کہا۔

”ادھر یہ جاؤ۔“

”اُسکے انداز سے لا پرواںی پک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سب کچھ نہ ان

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

وہ چپ چاپ کری پ آئی۔

جید نے احتمانہ انداز میں پلکیں بھپکاتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھادیئے اور آہستہ آہستہ

”اے! تم لوگ منہبیں چلا رہے۔“ جید نے ان دونوں کو لاکارتے ہوئے اپنے سبھی کی طرف کھلکھلانا شروع کر دیا۔

کر دیا۔ ہلکی سی ”ترچ“ کمرے میں گوئی اور ان دونوں کے درمیان دیوار کا پلاسٹر اڑھڑا گیا۔ وہ پستول کا رخ اُس کی جانب کئے ہوئے دوسرا میز کے قریب آئی اور دراز سے ہلکیٹ کا ایک پیکٹ لے کر اُس کی طرف پھیکتی ہوئی بولی۔ ”اب تم کھاؤ گے چاکلیٹ...!“

”کھانی ہی پڑے کی۔“ جید نے مردہ تی آواز میں کہا۔

”اٹھاؤ...!“

”یہ ناممکن ہے..... خود ہی اٹھا کر کھلا دو..... میں ان دونوں سے کم خوبصورت نہیں ہوں۔“

”میں کہتی ہوں اٹھاؤ۔“

جید نے دونوں ہاتھ نیچے گردادیئے اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

”میں گولی مار دوں گی۔“ وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

”ضرور مار دو۔“ جید مسکرا کر بولا۔ ”میں خالی اور بھرے ہوئے پستول کا وزن لوگوں کے

”وہ ریکارڈ پلیسٹر ہے کیا...؟“ جید نے چھوٹی میز کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”وہ اُس کی طرف بڑھتا رہا اور وہ کھلکھلتی کھلکھلتی دیوار سے جاگی۔“

”سرے ہی لمحے میں جید نے اُس سے پستول چھین لیا اور وہ اُس کے داہنے بازو پر

”تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“ ریٹا نے بھرا جائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”یہ مت پوچھو...!“ جید نے رویالور کو ہولشیر میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”رمبا“

”چکھ دیر بعد جید نے نرمی سے کہا۔ ”اگر تم میری ہدایت پر عمل کرتیں تو اس کی نوبت نہ

”وہ میز کی طرف بڑھی۔ میز کے نیچے ریکارڈ کا ڈبہ تھا۔ وہ فرش پر بیٹھ کر ریکارڈ نکال لے۔ میں نے کہا تھا کہ رمبا کا ریکارڈ لگادو۔“

”پشت حید کی طرف تھی۔“

”تم کیا چاہتے ہو....؟“ اس نے کامپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”بائی تھیں۔“

”پلشٹ پستول تھا۔“

”اب تم مسہری کے قریب کھڑے ہو جاؤ۔“ وہ دانت پیس کر پھیکا رہا۔

”رمبا....!“

”کیا یہ نہاد کا وقت ہے۔“ وہ جھنگلا گئی۔

”میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ یہ کس قسم کا وقت ہے۔“

”تم کون ہو.....؟“

پھر اسی طرح دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لے جیسے دفتار آنکھوں میں اندر ہرا آگیا ہو۔

”کہو تو ان دونوں کو اخا کر غسلخانے میں بند کر دوں۔“ حمید بولا۔

”کیا مطلب.....؟“ وہ چونک کر اسے گھورنے لگی۔

”مجھے غلط نہ سمجھو۔ بہت شریف آدمی ہوں۔ کچھ دیر لیشوں گا۔ مسہری خالی کرائی ہے۔“

”ایک مسافر..... میں کہتا ہوں رمبا کا ریکارڈ لگا دو۔۔۔ ورنہ اب رحم نہ کھاؤں گا۔ حمید کہتا ہوا مسہری کی طرف بڑھا۔

”سمجھو.....!“ وہ ہاتھ اخا کر بولی۔

حمدی سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔“

”نہیں..... میں باز آیا.....!“ حمید کا نوٹ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

”کیوں.....؟“

”بس اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ تم کسی اور کے جسم میں قیام پذیر ہو۔“

”یہ جھوٹ نہیں.....!“ وہ جھنگلا کر بولی۔

”چلو سلیم کر لیا میں نے۔۔۔ لیکن انہیں عمل خانے میں منتقل کر دینے میں کیا قباحت ہے۔“

”ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکل چلنا چاہئے۔“

”اب اس طرح کہیں لے جا کر پھساو۔۔۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔

”خدا کے لئے مجھ پر اعتماد کرو۔۔۔ ورنہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔“

وہ کلائی کی گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔ ”صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے۔ اس کے بعد ہم کہیں

نہ ہوں گے۔“

”آخر ہے کیا چکر.....؟“

”وقت نہیں ہے۔ میں تفصیل سے کچھ نہ بتا سکوں گی۔“ بس اتنا ہی سمجھ لو کہ یہ دونوں بے

چارے بھی مفت میں مارے جائیں گے۔“

”اوہ..... تو کیا انہیں بھی ساتھ لے چلانا پڑے گا۔“

”وہ اس طرح ریکارڈ پلیسٹر کی طرف بڑھی جیسے کوئی چیچپے سے دھکیل رہا ہو۔

ریکارڈ نکال کر پلیسٹر پر لگایا۔

”آواز کم کرو۔۔۔ اور کم۔۔۔ اور کچھ اور۔۔۔ بس ٹھیک.....!“ حمید کہتا ہوا آگے بڑھا

اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

”کک..... کیا مطلب.....!“ وہ ہکلائی۔

”ناچیں گے۔“

”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔“ وہ بکھلا کر بے ہوش آدمیوں کی طرف دیکھتی ہوئی بڑا

”میں جانتا ہوں کہ انہیں کمی گھنٹے تک ہوش نہ آئے گا.....!“

”تم کیسے جانتے ہو.....؟“

”ناچو.....!“ حمید اسے کھینچ کر رقص کی پوزیشن میں لاٹا ہوا بولا۔

اور وہ بالکل ایسے ہی انداز میں ناچنے لگی جیسے کوئی اُسے چاروں طرف سے دھکیلہ پھر رہا۔

”خدا کے لئے بتاؤ۔۔۔ تم آخر چاہتے کیا ہو۔“ وہ کچھ دیر بعد منٹانی اور ساتھ ہی رہا

بھی ختم ہو گیا۔

”میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ صبح ہونے تک میں اس کرے میں مقیم رہوں۔“

گزارنے کے لئے رمبا ہی کی..... یا جو رقص تم پسند کرو۔۔۔ والہ ناچنا آتا ہے؟“

”مجھے دو منٹ بیٹھنے دو.....!“ وہ ہاتھ چڑا کر کری پر بیٹھ گئی۔

”یہ بھی میری ہی طرح تم رسیدہ ہیں۔ مجبوراً پڑے ہیں اس چکر میں۔“

”ہوں..... تو تم کہاں لے جاؤ گی انہیں۔“

”تم یہاں سے نکلو تو تاؤں.....!“

”اس جاں کا کوئی دوسرا سرابھی ہو گا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اس طرح نہ پھنس سکوں تو کسی دوسری تدیر کے ذریعہ کہیں اور.....!“

”میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر مضطربانہ انداز میں بوی۔

جیہد خاموشی سے اُسے گھوستارہ۔

”میں خود را یوکروں گی اور تم اپناریوالوں بخوبی استعمال کر سکو گے۔“

”میں ان دونوں کو لا دکر نیچے نہیں لے جا سکتا۔“

”تم انہیں صرف غسل خانے میں پہنچاؤ گے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اچھا آؤ..... میرے ساتھ میں تمہیں بتاؤں گی۔“ وہ غسل خانے کی طرف بڑھتی ہوئی بوی۔

”غسل خانے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو کر بوی۔“ ”آؤ.....!“

”بھلا وہ کوئی بات ہو سکتی ہے جو غسلخانے کے علاوہ اور کہیں نہیں بتائی جاسکتی۔“

”تم آؤ تو.....!“ وہ ہاتھ ملتی ہوئی بوی۔ بہت زیادہ نہ زوس نظر آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا۔

”ضرور..... ضرور.....!“ جیہد اس کے باسیں پہلو پر ریوالو کی نال رکھتا ہوا بو۔ ”یہاں تھا جیسے کچھ زیادہ تاخیر موت تھی کا سبب بننے والی ہو۔

جیہد غسلخانے میں داخل ہو گیا۔

”اب دروازہ بند کر دو۔“

”بڑے غیر مناسب آدمی کا انتخاب کیا ہے تم نے۔“ جیہد نے اس کی آنکھوں میں لہا۔ ”اب غسلخانے کا فرش پھر اوپر کی طرف جا رہا تھا۔

دیکھتے ہوئے زہریلی سکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ریٹا نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل کھینچ لیا۔

”اپنی جان پر کھلیل جاؤں گا..... یاد رکھتا۔“ جیہد آنکھیں نکال کر بو۔

”وہ زوس ہی بھی کے ساتھ ہوں۔“ ”تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔“

پھر اس نے واش میں کے نیچے ہاتھ لے جا کر کچھ ٹوٹا۔ اور غسلخانے کا فرش لفت کے سے انداز میں نیچے کی طرف سر کرنے لگا۔ جیہد پہلے تو لا کھڑا یا پھر فوراً ہی سنبھالا لے کر ہو شترتے ریوالو، نکال لیا تھا۔ ریٹا نے اسے گھوٹے ہوئے دیکھا۔

”میرے قریب آئیں تم اور میں نے خود کشی کی۔“ جیہد نے نسوانی لمحے میں اُسے دھمکی دی۔ وہ پھر نہ پڑی۔

پھر دفعتاً جیہد کے جسم کو جھکا سالا۔ فرش رک گیا تھا۔

جیہد نے سراخا کر اوپر دیکھا۔ غسلخانے کی چھت کا بلب تقریباً ایک سو فٹ کی بلندی پر نظر آ رہا تھا۔ اس نے ایسی ہی گھٹن محسوس کی جیسے کسی بہت ہی گہرے کنوئیں کی تھے میں کھڑا ہو۔

سامنے ایک دروازہ نظر آیا جس کے قریب ایک سوچ بورڈ لگا ہوا تھا۔ ریٹا نے ایک سوچ کے پیش بیٹھن پر انگلی رکھ دی۔ دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک طویل سرگ سمجھی یا لکن اس میں اندر میرا

”اچھا آؤ..... میرے ساتھ میں تمہیں بتاؤں گی۔“ وہ غسل خانے کی طرف بڑھتی ہوئی بوی۔

”دوڑاے سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک عجیب وضع کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔“

”ہم انہیں اسی گاڑی پر لے چلیں گے۔“ ریٹا بوی۔

”تم آؤ تو.....!“ وہ ہاتھ ملتی ہوئی بوی۔ بہت زیادہ نہ زوس نظر آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا۔ ”بڑے غیر مناسب آدمی کا انتخاب کیا ہے تم نے۔“ جیہد نے اس کی آنکھوں میں لہا۔ ”اب غسلخانے کا فرش پھر اوپر کی طرف جا رہا تھا۔

”میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”وقت نہ ضائع کرو.....!“ اس نے سوچ بورڈ کے دوسرے پیش بیٹھن کو دیتے ہوئے

”بڑے غیر مناسب آدمی کا انتخاب کیا ہے تم نے۔“ جیہد نے اس کی آنکھوں میں لہا۔ ”اب غسلخانے کا فرش پھر اوپر کی طرف جا رہا تھا۔

جیہد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اب تو یہ لا کی خود اُسے ہی نہ زوس

لئے دے رہی تھی۔

فرش اور ایمیٹ ایچٹے اپنی اصلی جگہ پر آئھہ رہا۔ ریٹانے چینڈل کھما کر دروازہ کھولا اور وہ دونوں پھر اسی کمرے میں واپس آگئے۔ مسہری پر بے ہوش آدمی اب بھی اُسی حال میں پڑے تھے۔
”بس اب انہیں اخھا اخھا کر غسل خانے میں پہنچا دو۔“ ریٹانے کہا۔

”ہم آخر جائیں گے کہاں؟“ حمید بولا۔

”دیکھو..... اگر تم یہاں رہ گئے تو کسی طرح بھی فتح نہیں سکتے۔ کس کے ہاتھوں نہیں کو گے..... یہ میں نہیں جانتی۔“

”اچھا تو پھر مجھے مردی جانے دو۔“

”لیکن میں تو نہیں مرنا چاہتی..... یہ دونوں بھی ابھی مستقبل کی امید پر ہی رہے ہیں۔“

”کیوں نہ تم تینوں کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔“

”بے صرف..... قطعی فضول..... اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔“

حمدی تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر اس نے لاپرواں سے شانوں کو جیش دی اور مگر کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”اچھی بات ہے۔“

دونوں کو یکے بعد دیگرے اخھا اخھا کر غسلخانے میں لے گیا اور ایک بار پھر دونوں غسلخانے کے متحرك فرش پر کھڑے تھے۔ چھت کی روشنی لمحے بہ لمحے ان سے دور ہوتی چاری تھی۔

پہلے ہی کی طرح وہ پھر اسی پوائنٹ پر پہنچ گئے جہاں سرگک کا دروازہ تھا۔ ریٹا نے جس سے کہا کہ وہ ان دونوں بے ہوش آدمیوں کو گاڑی تک پہنچائے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ حمید۔

ایک منٹ کے اندر اندر یہ کام بھی انجام دے لیا۔

ریٹا کے اسٹرینگ و ہیل سنجاتے ہی حمید اس کے برابری بیٹھ گیا۔

ریلوالور گود میں پڑا ہوا تھا لیکن ریٹا اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوئی۔

حمدی سرگک کی بناؤٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی دھات کے دعویٰ پاس پاپ کے اندر سے گزر رہے ہوں۔

اس سرگک کو روشن رکھنے والے ثوب عام طور پر استعمال کئے جانے والے نبووں۔

جنت تھے۔ روشنی بھی کچھ عجیب سی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرگک کے نپر پچھر کا تعلق اس روشنی سے ہو۔ یہاں گھن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ حمید کا ذہن اتنا ہی تازہ تھا جیسے وہ کھلی فضا میں سانس لے رہا ہو۔

گاڑی اس طرح سرگک میں دوڑ رہی تھی جیسے کسی پر سکون جھیل کی سطح پر کوئی تیز رفتار کشتی۔ گاڑی کا انجن بھی بے آواز تھا۔ اس سفر کے اختتام پر حمید نے گھری دیکھی۔ اس میں ”و“ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے۔

سفر کا اختتام سرگک کا بھی اختتام نہیں ثابت ہوا تھا۔ بلکہ یہ گاڑی ایک دروازے میں داخل ہو کر ایک بہت بڑے ہال میں پہنچی تھی۔

”اب ان دونوں کو گاڑی ہی میں پڑے رہنے دو۔“ ریٹا نے حمید سے کہا۔
”اور میں.....!“

”میرے ساتھ آؤ۔“

”چلو.....!“ حمید نے کہا اور اس کے پیچے چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اُسے کرنا بھی چاہئے یا نہیں۔

ریٹا ہال سے ملحق ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئی جہاں پیغام رسانی کے آلات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک ٹرانسیور کے سامنے کھڑی ہو کر فریکوشاپی سیٹ کرنے لگی۔ پھر بولی۔ ”ہیلو..... بی آئی بی..... ہیلو..... بی آئی بی۔“

”بی..... آئی بی..... اسمیلنگ.....!“ ریسیور سے آواز آئی۔

”وہ پستہ نہیں کہاں چلا گیا..... ہم جب کمرے میں پہنچے تو مسہری خالی تھی اور اس نے چاکیٹ بھی نہیں استعمال کئے تھے..... اور.....!“

”تھری سکس کو اس کی اطلاع دو..... اور.....!“

ریٹا نے پھر فریکوشاپی تبدیل کی اور یہی اطلاع کسی ”تھری سکس“ کو بھی دے کر ٹرانسیور کا سورج آف کر دیا۔ ”تھری سکس“ کی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا تھا۔

خون کی باتیں نہیں سوچ سکتا۔“
”کیا تم ہم لوگوں کے بارے میں پہلے سے کچھ جانتے تھے.....؟“
”تم لوگ ہو کیا بلا.....؟“

”ہم میں سے شائد ہی کوئی جانتا ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟“
حید تھوڑی درستک خاموش رہا پھر بولا۔ ”اب ہم یہاں کیا کر رہے ہیں!“
”بُن دو منٹ بعد ایک پینقام رسیو کرتا ہے۔“ وہ گھری دیکھتی ہوئی بولی۔
وہ ہاں سے اٹھ کر پھر آپریشن روم میں آئے۔

ریٹا نے ٹرانسیمیز کا سوچ آن کر دیا اور گھری دیکھتی رہی۔
دفعتاریسیور سے آواز آئی۔ ”ہیلو.....ٹی تھرٹن.....ٹی تھرٹن.....!“
”ٹی تھرٹن.....!“ ریٹا بولی۔

”معلوم کرو کہ وہ تمہارے کرے سے کہاں گیا تھا۔ اس پر کڑی نظر کو..... اور.....!“
”اگر وہ ہوٹل ہی سے چلا گیا تو.....!“

”سوال تو یہ ہے کہ اچاک ہوٹل ہی سے کیوں چلا جائے گا۔“
”سوال یہ ہے کہ وہ میرے کرے ہی سے کیوں غائب ہو گیا۔“ ریٹا جھنجلا کر بولی۔
”اور..... اینڈ آل.....!“ دوسرا طرف سے غراہٹ سنائی دی اور ریٹا نے ٹرانسیمیز کا سوچ آف کر دیا۔

حید حد درجہ کا لاپرواہ نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ہوش مند آدمی کسی ”بازیچہ اطفال“ سے دوچار ہو۔

ریٹا نے پھر اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ اس بارہ وہ سیدھے گاڑی کی طرف آئے تھے۔
بے ہوش آدمیوں کی حالت میں کوئی فرق نہیں ہوا تھا۔

”ان کا مسئلہ میری سمجھ سے باہر ہے۔“ ریٹا پرشوٹ لجھ میں بولی۔
”کیوں.....؟“

وہ اسے باہر چلنے کا اشارہ کرتی ہوئی خود بھی دروازے کی طرف بڑھی۔ پھر اسی لامی کے دوسرے کمرے کا رخ کرتی ہوئی اس سے بولی۔ ”اب ہم بے خوف ہو کر یہاں کچھ دریٹھہ سکتے ہیں۔“

حید کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں ایک سہری ایک میز اور دو کریاں پڑی ہوئی تھیں۔ میز پر کئی عدد موٹی موٹی مجلد کا پیاں رکھی نظر آئیں۔ ”بیٹھ جاؤ.....!“ ریٹا کری کی طرف ہاتھ اٹھا کر مسکرائی۔ ”ابھی ایک بار پھر تمہیں روایا اور نکال لینا پڑے گا۔“

”ہو سکتا ہے.....!“ حید نے لاپرواہی سے کہا۔
ریٹا نے میز سے ایک کاپی اٹھائی اور حید کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

”تمہارے لئے اس کا مطالعہ چکری سے خالی نہ ہو گا۔“
حید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو لایتی سی جنمش دی اور کاپی کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر وہ ذہنی جھٹکا جو اس کے اوراق اللثے ہی لگا تھا ایسا نہیں تھا کہ اس کے حواس پر اثر انداز نہ ہوتا۔

پہلے صفحے پر کرنل فریڈی کی تصویر تھی اور تصویر کے نیچے اس سے متعلق ایک مختصر نوٹ۔
دوسرے صفحے پر اس نے اپنی تصویر دیکھی اسی طرح اس کے مکھے کی دوسری نمائیں شخصیتوں کی تصاویر نظر آئیں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً اس نے بڑی لاپرواہی سے وہ الیم میز، ڈال دیا اور سوالیہ نظروں سے ریٹا کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ مسکرائی۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”اب نکالو ریو والور.....!“
”اب میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔“

”کیوں.....؟“

”میں ہر معاطلے میں موڈ کا پابند ہوں۔ اس وقت بہت اچھا موڈ ہے۔ لہذا میں کشت

”ہاں..... وہ کہانی..... وہ جھوٹ نہیں تھا۔ میں اپنے اصلی جسم میں نہیں ہوں۔ بہر حال
میں نے اپنا اصلی جسم بھی دیکھا تھا جسے پیچانتے میں بھی دشواری ہوئی تھی۔“
”کیا تمہارا اصلی جسم اتنا پرکشش نہیں تھا۔“

”اتا پرکشش نہیں تھا۔ لیکن مجھے اس سے محبت تھی۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں اس کی
خلقت حالی پر اس قدر روئی تھی۔ اس آواز نے مجھے بتایا تھا کہ وہ جسم کی طرح بھی کار آمد نہ
ثابت ہوتا اس لئے مجھے دسرے جسم میں منتقل کر دیا گیا اور اب میں اس نادیدہ آدمی کی ادنی
کنیت ہوں جس کی آواز میں نے اس کمرے میں سنی تھی۔“

”ادنی کنیت کیوں؟“

”جو کچھ وہ کہتا ہے مجھے کرنا پڑتا ہے۔ میں کیا سب ہی اسی لئے اس کے غلام ہیں کروہ
حرث انگیز قوتوں کا مالک ہے۔“

”اوہو..... شائد یہ ہوش میں آ رہے ہیں۔“ حمید نے بے ہوش آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔
”ہاں..... لیں اب خاموش ہو۔ پلکہ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ میں ان لوگوں کا عندیہ لئے
 بغیر نہیں چاہتی کہ انہیں اس سمجھوتے کا علم ہو۔“

”لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم انہیں کچھ بھی نہ بتاؤ۔ ان سے کہہ دینا کہ میں نکل بھاگا تھا
اور تم انہیں کسی نہ کسی طرح یہاں تک لے آئیں تھیں۔“

دفعتا حمید فرش پر بیٹھ گیا۔ کیونکہ بے ہوش آدمیوں میں سے ایک سراٹھانے کی کوشش
کر رہا تھا۔

پھر اس نے اس کی بھرائی ہوئی سی آواز بھی سنی۔ ”میں کہاں ہوں؟“

”تم محفوظ ہو.....!“ ریتا بولی۔ ”وہ بھاگ گیا۔..... میں تم دونوں کو کسی نہ کسی طرح یہاں
الحالائی۔“

”یہ بہت برا ہوا۔“ گاڑی کے اندر سے آواز آئی۔ ”اب ہماری خبر نہیں۔“

”تم گھبراو نہیں۔ میں نے اس سے ایک بہت برا جھوٹ بولا ہے۔“ ریتا نے کہا۔

”میں نہیں جانتی کہ یہ کس طرح ہوش میں آئیں گے۔“

”کیا یہ ضروری ہے کہ یہ ہوش میں بھی آئیں۔“

”کیوں نہیں؟“

”تم اب یہاں کتنی دریکٹ ٹھہر سکتی ہو۔“

”جتنی دری چاہوں..... میرا کمرہ اندر سے مقفل ہے اور میں ڈبوٹی بھی ختم کر پچھی ہوں۔“

”تو پھر ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں گے۔ ہو سکتا ہے اتنی دری میں یہ لوگ ہوش میں بھی
آجائیں۔“

”تم کس قسم کی گفتگو کرنا چاہتے ہو.....؟“

”ظاہر ہے کہ تم مجھے کچھ بتانا چاہتی ہو..... اور یہ بھی جانتی ہو کہ میں آسانی سے کسی بات
پر یقین نہ کر سکوں گا۔“

”کیا اس پر بھی آسانی سے یقین نہیں کرو گے کہ میں تمہیں بے ہوش کر کے کہیں لے
جانا چاہتی تھی۔“

”اس پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔“

”یہ ایک مسلسل اذیت ہے کیپن.....!“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ”یہ دونوں یہ
چارے عرصہ سے دکھیل رہے ہیں۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ دفعتا اس نے سراٹھا کر کہا۔ ”یہ حقیقت
ہے کہ میں بہت گہری کھنڈ میں گر گئی تھی۔ پھر مجھے ہوش نہیں کر کیا ہوا۔ البتہ ہوش آنے پر ملا
نے خود کو اس اجنبی جسم میں پایا تھا۔ عجیب سا کمرہ تھا۔ اس ہاں اور ان کروں سے بھی زیادا
عجیب جس کی چھت آسان معلوم ہوتی تھی۔ میں اس کمرے میں تھا تھی۔ آنکھ کھلتے ہی انہو
بیٹھی۔ سامنے قدم آئیں تھا۔ جیخ نکل گئی اپنی شکل دیکھ کر۔ ٹھیک اسی وقت ایک آواز سنائی دیکا
جو کہہ رہی تھی کہ مجھے ہر اس انہوں نہ ہونا چاہئے۔ مجھے ایک خوبصورت جسم میں منتقل کر دیا گیا ہے۔“
”وہی کہانی جو تم نے مجھے کا وائز پر سنائی تھی۔“

”کیا جھوٹ.....؟“

نمبر 34

”میں نے اسے آگاہ کر دیا ہے کہ کیچین حید نہ تو میرے کمرے میں رکھا اور نہ الہ سا ہو گئی۔“
چاکلیٹ استعمال کی تھی۔ ہم جب کمرے میں پہنچ تو کرہ خالی تھا۔“

”یہ بہت اچھا کیا تم نے مس ریٹا۔۔۔ میں ساری زندگی تمہارا احسان مندر ہوں گا۔“
”میں نہیں جانتی۔ وہ دونوں بھی نہیں جانتے۔“ میں حکم ہے کہ اس سرگ میں ہال سے

استے میں دوسرے آدمی کو بھی ہوش آگیا اور اسے بھی یہی بتایا گیا۔ پہلے آدمی علی ”بھی بڑھ کر تو دیکھا ہوتا۔“
”بھی بڑھ کر تو دیکھا ہوتا۔“
”بہت نہیں بڑتی۔“
”آخ رکیوں؟“
”کیا خطرہ.....؟“

”اس جاؤں کے اس طرح نکل جانے سے..... ہم تک تو وہ پہنچ نہ سکے گا لیکن تم ہو۔“ تو تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو بے ہوش کر کے یہاں پہنچا دو۔“
کے کاؤنٹر پر بیٹھی ہو اور اس کے حکم کے بغیر تم ہاں سے بھی نہیں ہٹ سکتیں۔“

”ہاں..... اسکے بعد کا حال میں نہیں جانتی۔ وہ دونوں بھی نہیں جانتے۔“
”اس لاکی کے باپ کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ جو میرے ساتھ تھی۔“

”ہاں..... میں خطرے میں ہوں۔“
”پھر کیا کرو گی؟“

”میری فکر نہ کرو۔ تم دونوں اپنے کمروں میں جا کر آرام کرو۔ تمہیں آرام کی ضرورت می ہوئی تھی اور وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو گھورا کرتے تھے۔“
ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر چاکلیٹ کی مقدار زیادہ ہوئی تو تم کئی گھنٹے تک سرہ انھا سکتے۔“ ”دور آدمی کس کمرے میں تھا۔“

”وہ دونوں گاڑی سے اترے تھے اور حید دوسری طرف کھک گیا تھا۔“
”اکی کے برادر والے کمرے میں۔ پھر وہ اچانک غائب ہو گیا۔ دونوں سے نہیں دکھائی دیا۔“

”تمن چار گھنٹے گزر جانے پر میں تم دونوں کو باہر نکال دوں گی۔“ ریٹا نے انہیں غاطب ”آخر انحرکتوں کا مقصد کیا ہے؟“ حید نے پوچھا۔
کر کے کہا۔

”بھی سے تو کام لیا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مقصد بھی یہی ہے۔ اس طرح وہ لوگ
پھر حید نے انہیں ایک کمرے کی جانب جاتے دیکھا۔ ان کے پیر لاکھڑا رہے تھے۔ کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ میرے لئے یہ دھمکی ہے کہ اگر میں نے ان کے حکم کی
جیسے ہی انہوں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا رہا تھا۔ آہستہ سے حید کو غاطب کر کے مل کر اس بار مجھے کسی جاونوں کے جسم میں منتقل کر دیا جائے گا۔“
”کمری کے جسم میں تم خود کو کیسی لگو گی۔“ حید نے اس انداز میں کہا جیسے خود ہی اسے
کہا۔ ”اب تم گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“

حید اسی جگہ بیٹھ گیا۔ جہاں پہلے بیٹھا تھا۔ اب اس کی پیلکن نیند کے دباؤ سے بو جھل ہوتا۔ ”یہ کارا دہ رکھتا ہو۔“
جاری تھیں۔ ریٹا نے مشین اسٹارٹ کی اور گاڑی دروازے سے گزرتی ہوئی پھر سرگ میں پہنچنے بولی۔ کسی گہری سوچ میں پڑ گئی تھی۔

ابم

کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر حمید کے ذہن کو جھکتا سا لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اسے اتنی جلدی ملاقات ہو سکے گی۔ غائبادہ خاص طور پر کوئی پلین چارٹ کراکے بھالا ہے شام کاؤنٹر کلکر سے معلومات فراہم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حید اپنے ریڈی میڈ میک اپ میں اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ ریڈی میک اپ میں برآمد ہوا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر وہ کافی دیر یک بُتی رعنی تھی۔ حید صدر دروازے کی طرف پڑھتا چلا گیا۔ ویسے فریدی کے قریب سے گزرتے اپنے مخصوص انداز میں کھنکھارا تھا اور ساتھ ہی اسے اپنی ناک میں رکھے اپر مگ بھی پڑے تھے۔ کیونکہ کھنکھار کے جھکلنے انہیں ان کی گلگے سے کسی قدر ہشادیا تھا۔ فریدی نے مڑکر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر کاؤنٹر کلکر سے باتمیں کرنے کا حید لان پر نکل آیا۔ صبح کا دھنڈ لکھ لئے گا تھا۔

بڑی خوبصورتی تھی۔ فریدی سے مذکور ہو جانے کے بعد پھر نیند کھالا۔ معلومات جو اس نے حاصل کی تھیں اس کے ذہن میں لاوے کی طرح ایلنے لگی تھیں۔ جلد از جلد فریدی پر اپنی کار گزاریوں کا رعب ڈال سکے۔ نیند اس طرح آنکھوں سے غائب ہوئی تھی جیسے پچھلی رات ایک پل کے لئے کھلی ہو۔ وہ لان پر نہ ملتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے دیکھا کہ فریدی صدر دروازے کھڑا سا گارسٹکار رہا ہے۔

حید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ فریدی اسی کی طرف آ رہا تھا۔ جیسے ہی قریب آیا حید بول پڑا۔ ”یہ ہوٹل ہمارے قیام کے لئے مناسب نہیں۔“ ”میں جاؤ داں میں نہ ہبھرا ہوں۔“ فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

”مجھے بھی وہیں لے چلے..... جلدی سمجھج..... ورنہ بے ہوش ہو جاؤں گا۔“

”صورت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔“

”میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں..... جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلے۔“

”چلو....!“ فریدی چاہک کی طرف پڑھتا ہوا بولا۔ ”جس بیکی سے آیا تھا اسے انگیخ کر لیا تھا۔“

حید خاموشی سے اس کے پیچھے چلا رہا۔ بیکی میں بیٹھ جانے کے بعد بھی وہ خاموش ہی رہا۔ نیکی ہوئی جاؤ داں کی طرف جا رہی تھی۔ جاؤ داں اعلیٰ درجہ کے ہو تکوں میں سے تھا۔

فریدی نے اپنے لئے ایسا حصہ مخصوص کرایا تھا جس میں تین کمرے تھے۔ ہوئی پہنچ کر حید نے سوچنا شروع کیا کہ آخر اپنی یہ اوٹ پنائگ کہانی کھاں سے شروع کرے۔

”ذی آئی جی صاحب سے پھر ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔“ فریدی ہی نے گفتگو کی ابتداء کی۔ ”نہیں....!“

”سعیدہ کھاں ہے؟“

”میرے کمرے میں..... اور میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتا رہا ہوں۔ اف فوہ..... آپ نے اس لڑکی کا نام لے کر پھر میری زندگی تلخ کر دی۔“

”کیوں....؟ کیا ہوا....؟“

”یہ پوچھئے کیا نہیں ہوا....؟“

پھر اس نے سعیدہ ہی کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ ”ٹلسم ہو شربا“ شروع کر دی جو خود اس وقت مخفی ایک خواب معلوم ہو رہی تھی۔

فریدی صبر و سکون کے ساتھ ستارہ رہا۔

”اور اب میں نیند کے سمندر میں غرق ہونے والا ہوں۔“ حید نے آخر میں کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ حید اس کی طرف متوجہ نظر وہیں سے دیکھتا ہوا لوگوں کے لئے

”لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہے۔ ریٹا کا خیال ہے کہ اگر اس نے ان کیلئے کام کرنے سے انکار کر دیا تو اسے کسی جانور کے جسم میں منت کر دیا جائے گا۔“
”کیا ہم شہنشاہ افراسیاب والی ”علم ہوش رباء“ سے دوچار ہونے والے ہیں۔“
فریدی پچھنہ بولا۔ وہ خود ہی جیپ ڈرائیور رہا تھا۔
سورج غروب ہونے میں ابھی درحقیقی۔ مغربی افق کے آبرآں لوہ ہونے کی بناء پر رنگارنگ دھاریاں دور تک پھیلتی چلی گئی تھیں اور خود روپ چھوٹوں کی ہمک سے فضامعمور تھی۔

حمدیہ پاپ میں تمبا کو بھرتا ہوا بڑا ہیا۔ ”ویسے کبھی ادھر آنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔“
”بڑی ہے فضا جگہ ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”شائد تمہارا سکون زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رہ سکے۔“

”کیوں.....؟“

”قائم کو تمہاری تلاش تھی۔ کسی طرح علم ہو گیا ہے اسے کتم نے کہیں کے لئے فلاٹی کیا ہے۔ لہذا مختلف فضائی کپنیوں کے دفتروں کے چکر کا نتا پھر رہا تھا۔“
”آنے دیجئے۔“ حمید مختدی سانس لے کر بولا۔

”ہاں..... دیکھو تم اس لڑکی سے دور ہی رہو گے۔“

”کس لڑکی سے.....؟“

”وہ..... ریٹا.....!“

”کیا آپ اس سے ملے تھے؟“

”نی الحال ضرورت نہیں سمجھی۔“

”آخر یہ ہے کیا چکر.....؟“

”یکھیں گے۔“

”آپ کو ان حالات کا علم کیسے ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی۔
اس لئے آپ نے مجھے اس طرح بے سروسامانی کی حالت میں روانہ کر دیا تھا۔“

”بہتر ہے۔“ فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ ”تم جا کر سو جاؤ۔“

”اللہ آپ کو لا تعداد سالیوں اور سالوں سے نوازے۔“ حمید ہاتھ انھا کر اسے دعا دیا ہوا خد، بھی اٹھ گیا۔

بیٹھ روم میں آیا اور جو قوں، کپڑوں سمیت بستر پر گر گیا۔ ایک آدھ کپ چائے لینے کی بھی رحمت گوارانہ کی۔ لیٹنے ہی خراٹے لینے لگا۔

پھر شام کے چار بجاء یہ تھے۔ فریدی نے جھنہوڑ جھنہوڑ کر جگایا تھا۔

”عذاب قبر کا سزاوار نہیں تھا۔“ وہ آنکھیں ملتا ہوا بڑا ہوا۔ ”لیکن خیر....!“

”تم ابھی زندہ ہو فرزند..... ہوش میں آؤ۔“

”کتنا خوبصورت خواب تھا۔“ حمید مختدی سانس لے کر بولا۔ ”میں نے دیکھا جیسے آپ البرجٹیلر کے جسم میں منت کر دیے گئے ہوں۔“

”تمہیں میں منت کے اندر اندر تیار ہو جانا ہے۔“ فریدی اس کی بوس پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔

” غالباً میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ان لوگوں کے پاس ہماری تصویریں بھی موجود ہیں۔“
حمدیہ نے پتھر لجھ میں کہا۔

”ہاں میں جانتا ہوں..... تم سے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرو۔“
فریدی نے ایک جیپ کا رائیک ہفتہ کے لئے کرانے پر حاصل کی تھی۔ وہ دونوں نیماں پچھیں منت بعد ہاں سے روانہ ہوئے۔

”آپ ملے ذی آئی جی صاحب سے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ملتا ہے..... لیکن میں ان کے لئے قطعی ابھی ثابت ہوا۔“

”آخر نے سب ہے کیا.....؟“

”میری دانست میں تو اس لڑکی ریٹا کا خیال بالکل درست ہے۔“

”کس سلسلے میں.....؟“

”ہاں مجھے علم تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے۔“
 ”سعیدہ کا خیال ہے کہ ڈی آئی جی صاحب ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔“
 ”عام حالات میں یہی سمجھا جائے گا۔“
 ”شکلیہ اور تو را کے کیس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“
 ”آج میں نے ان دونوں کے معاملات کی تصدیق بھی کر لی ہے۔ دونوں ہسپتال میں ہیں۔“
 ”میرا خیال ہے کہ اگر میرے جی بھلنے کا کوئی سامان نہ ہوا تو میں بھی پاگل ہو جاؤں گا۔“
 ”تمہیں ہوٹل فیضان ہی میں مقیم رہنا ہے۔“
 ”کیا مطلب.....؟“
 ”اگر اس طرح وہاں سے غائب ہو گئے تو اس لڑکی ریٹا کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔“
 ”کوئی بہت بڑا کھیل ہے۔ ہمیں محتاط رہنا پڑے گا۔“
 ”میں رہ جاؤں گا.....لیکن ڈاکٹر سعیدہ؟“
 ”اے بھی برداشت کرو.....کسی نہ کسی طرح۔“
 ”بے موت مر جاؤں گا۔“
 ”پچھے بھی ہو۔“
 ”لیکن اس کمرے میں تو قیام نہیں کر سکتا۔“
 ”صرف دو دن اور نہ ہو وہاں۔ تاکہ لڑکی ان لوگوں کے شہبے سے بالاتر ہو جائے۔“
 ”چھ بھی..... مجھے دوسرا کمرہ چاہئے۔“
 ”اس کا انتظام بھی میں نے کر دیا ہے۔“
 ””سعیدہ کو اپس بھجواد سمجھئے نا۔!“
 ”وہ اپنے باپ کو اس حال میں چھوڑ کر کیے جا سکتی ہے۔“
 ”تو ہم کہاں جا رہے ہیں اس وقت....!“
 ”فیضان....!“

”اوہ آپ.....؟“
 ”میں واپس جاؤں گا۔ اس وقت کاؤنٹر پر ریٹا ہی موجود ہے۔ وہ تمہارے کمرے کی تحریک کے لئے گی۔ پچھے دیر کاؤنٹر پر رک کر اس سے چھیڑ چھاڑ ضرور کرنا۔“
 ”جیپ ہوٹل فیضان کے چھاٹک پر روک دی گئی۔ فریدی نے حید سے اترنے کو کہا۔
 ”جیپ ہوٹل فیضان کے چھاٹک پر روک دی گئی۔ فریدی نے حید سے اترنے کو کہا۔
 ”کبھی پہلی ہی بار دیکھا گیا تھا۔ رقصہ کا پتہ ابھی تک نہیں چل سکا۔ تمہیں یقین
 ہے کہ تم نے اسے رقصہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھا تھا۔“
 ”جی ہاں..... اور وہ خوکا بیجا گئی تھی۔ لیکن پھر جو اس کی طرف نظر اٹھی تھی تو میں نے
 اسے اوپنگھٹے پایا تھا۔ سرینے پر جھکا ہوا تھا۔“
 فریدی ہونتوں ہی ہونتوں میں کچھ بڑا کر رک گیا۔
 ”اوہ آپ.....؟“
 ”میں واپس جاؤں گا۔ اس وقت کاؤنٹر پر ریٹا ہی موجود ہے۔ وہ تمہارے کمرے

”کیا مطلب.....؟“ حمید کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”چھیر چھاڑ کا ترجمہ کس زبان میں چاہتے ہو۔“ فریدی نے بے حد خنک لمحے میں حمید گاڑی سے نیچے اتر کر کچھ کہے بنے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ مژ کردیکھا بھل جائے فریدی موجود ہے یا چلا گیا۔

صدر دروازے سے ڈائینگ ہال میں داخل ہوا۔ شام کے سازھے پانچ نج رہے زیادہ تر میزیں ابھی خالی تھیں۔

کاؤنٹر کی طرف مڑا ہی تھا کہ ذی آئی جی اور سعیدہ پر نظر پڑی۔ وہ کاؤنٹر کے قریب ایک میز پر تھے۔ کسی مسئلہ پر الجھ گئے تھے۔ شائد گفتگو کے انداز سے جوش و خروش ظاہر تھا۔ ریٹا بھی انہیں کی طرف متوجہ تھی۔

”میرے لئے کوئی کمرہ بک ہوا ہے۔“ حمید نے ریٹا سے پوچھا۔

”آپ کا نام جناب.....؟“ وہ سکرائی۔

”کیپٹن ساجد حمید۔“

”جی ہاں۔“ اس نے دراز سے کنجی نکال کر کاؤنٹر پر ڈال دی۔ اتنے میں سعیدہ اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور گھورتی ہوئی بولہ کہاں تھے؟“

”مجھے اس وقت بھی نہیں معلوم کر میں کہاں ہوں۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر

”مجھ سے بے شکی باقی نہیں چلیں گی۔“

اتنے میں ذی آئی جی بھی اٹھ کر ان کے قریب آگیا۔

”سنئے جناب۔“ اس نے حمید سے کہا۔ ”ان صاحبزادی نے میری زندگی تلخ کر کر دی ہے۔ میں انہیں کس طرح سمجھاؤں کر یہ جسم ان کے باپ کا ہو سکتا ہے لیکن میں انہیں ہو سکتا۔ میری عمر اتنی زیادہ نہیں کہ ان جیسی بیٹی کا قصور بھی کر سکوں۔“

”آپ مجھ سے کیا کہہ رہے ہیں جناب۔“ حمید جھنگلا کر بولا۔ ”انہوں نے مجھے

زندہ رہنے کے قابل چھوڑا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ سعیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

”لک..... کچھ نہیں.....!“ حمید نے گڑپڑا کر کہا اور ریٹا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”اُدھر دیکھو میری طرف.....!“ سعیدہ اس کا شانہ پکڑ کر اپنی جانب موڑتی ہوئی بوی۔

”خدا را..... میری خطائیں معاف کر دیجئے۔“ حمید گھکھایا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور ریٹا نے رسیور لٹھا لیا۔ سعیدہ حمید کو گھوڑے جاری تھی۔

”کوئی صاحب آپ کو پوچھ رہے ہیں۔“ ریٹا نے ماٹھ پیس میں ہاتھ رکھ کر حمید سے کہا۔

”کیا پوچھ رہے ہیں.....؟“

”کہ فیضان میں کیپٹن حمید نام کے کوئی صاحب مقیم ہیں یا نہیں۔“

”آپ نے کیا کہا۔“

”یہی کہ حمید دیکھ کر بتا سکوں گی۔ ہو لڈ آن کجھے۔“

حمید سوچنے لگا۔ کون ہو سکتا ہے۔ فریدی تو اس طرح پوچھنہیں سکتا کیونکہ وہ خود ہی ابھی

ابھی اسے پہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ پھر کون ہو سکتا ہے۔

اس نے ریٹا سے رسیور لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

”ہیلو.....!“ اس نے ماٹھ پیس میں کہا۔ ”کون صاحب ہیں۔“

”قام صاحب۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”تمریں بھی تم مجھے چیلن نہ لینے دو گے؟“

”تو ن..... حمید بھائی۔“ دوسری طرف سے چپک کر پوچھا گیا۔ پھر فوراً ہی کسی قد

ناٹھنگوار لمحے میں کہا گیا۔ ”سالے وہ رات بھول گئے جب تم نے وعدہ کیا تھا۔“

”کیسا وعدہ.....؟“ حمید نے نتھنے پھلانے۔

”تھی کہ جب بھی کسی اچھی جگہ پر جاؤ گے مجھے جرور..... ضرور ساتھ لے جاؤ گے۔“

”کہاں ہرگز مت آتا ورنہ جان سے مار دوں گا۔“

”پا تو رہا ہوں..... آپ کے والد صاحب اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔“

”وہ تو میں نے ہی روک رکھا تھا انہیں۔ تمہارے مشورے پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔“

”آپ چاہتی کیا ہیں؟“

”میری نظروں کے سامنے رہو۔“

جید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ویٹر کافی لا یا۔

”میں ہمی کافی ہی پی لوں گی۔“ سعیدہ بولی۔

”اور لا او.....!“ جید نے ویٹر سے مردہ ہی آواز میں کہا۔

”ودکریم.....!“ سعیدہ بولی۔

ویٹر چلا گیا۔ جید سوچ رہا تھا کہ آخر اس مصیبت سے کیوں نجات بلے گی اور پھر وہ موٹا
مرد بھی تھوڑے ہی دیر میں یہاں دھرا ہو گا۔

”ٹھہر..... میں ابھی آتی ہوں۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”میں نے کافی کے لئے کہہ دیا ہے۔“

جید منہ کھولے دیکھتا رہ گیا۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی نظروں سے او جمل ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس کی کافی بھی آگئی اور ٹھنڈی ہوتی رہی۔

سعیدہ کی واپسی میں منٹ سے پہلے نہ ہو گئی۔ دھانی ساری میں تھی اور چھرے پر اس

ٹرک پاؤڑ رپپ کیا تھا کہ دور سے دکھائی دیتا تھا۔ ہاتھ میں ویٹنی بیگ بھی نظر آیا۔ جو اس سے

تل اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ بیٹھ کر سانس درست کرنے لگی۔ غالباً بہت تیز چل کر آئی تھی۔

جید اسے تھیڑ آیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس دوران میں سعیدہ نے اپنی عینک بھی اتار کر میز پر

رکھ دی تھی۔

”کافی تو ٹھنڈی ہو گئی۔“ جید نے کہا۔

”وسری مل گواو.....!“ سعیدہ مسکرائی اور جید کا دل دھڑ کنے لگا۔ اس کی مسکراہٹ اسے

بڑی عجیب لگی تھی۔

”ابے جاؤ..... تمہارے باپ کا ہوٹل ہے نا کہ نہ آؤں گا.....!“

جید نے رسیور کر یہاں پر خ کر سعیدہ سے کہا۔ ”اب میری زندگی محل ہے۔“

”کون تھا.....؟“ سعیدہ نے پوچھا۔

”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“ جید نے کہا اور پھر ذہنی آئی جی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”آپ

کے لئے مناسب بھی ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ آرام کریں۔“

”میں پیار تو نہیں ہوں۔“ ذہنی آئی جی نے کسی قدر ترش لمحے میں کہا۔

”آپ کی مرضی.....!“ جید نے لاپرواں سے شانوں کو جنسش دی اور میزوں کے درمیان

سے دوسرا سرے تک بڑھتا چلا گیا۔

بانکل دیوار کے قریب کی ایک جگہ پر ایک میز اپنے لئے منتخب کر کے ویٹر کو کافی کا آزاد

دیا۔ سعیدہ ذہنی آئی جی کو چھوڑ کر اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

”میں نے بھی ابھی تک شام کی جائے نہیں پی۔“ وہ کرسی کھیچ کر پیٹھتی ہوئی بولی۔

”آپ کے کمرے میں بھوادی جائے گی۔ آپ کے لئے بھی میرا مشورہ بھی ہے کہ

زیادہ سے زیادہ آرام کیجئے۔“

”تم تھے کہاں.....؟“

”محترمہ..... میرے حال پر حرم کیجئے۔“

”کیا مطلب؟ تم آخر بجھ سے اس انداز میں گفتگو کیوں کر رہے ہو؟“

”آج صبح آپ نے لباس کیوں تبدیل نہیں کیا.....؟“

”تم سے مطلب.....؟“

”بس تو پھر آپ بھی میرے معاملات میں کوئی سروکار نہ رکھئے۔“

”تمہیں کتنی فریبی نے یہاں کیوں بھیجا تھا؟“

”اس کا جواب میں صرف کتنی بھی کوئے سکوں گا۔“

”تم میرا ہاتھ نہیں بیٹا رہے۔“

”بہتر ہے۔“ اس نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر دوسرا کافی کے لئے کہا۔ سچھ
بیک سے آئینہ اور پف نکال کر چہرے کا پاؤڑ رہموار کرنے لگی تھی۔

حیدر نے ”تم“ کے انداز میں کھنکا رہا۔ آنکھیں چڑائے جیرت سے اُسے دیکھا رہا
پاؤڑ رہموار کے وہ بولی۔ ”لپ اسٹک کافی پی کر لگاؤں گی۔“

”لیعنی کہ آپ..... آپ کے پاس تو شامد و نیتی بیک تھا ہی نہیں۔“
”آج ہی خریدا ہے۔“ وہ چمک کر بولی۔

”کیا میں اس بد پر ہیزی کی وجہ پر چھ سکتا ہوں۔“
”بُس یونہی..... تم نے کہا تھا ناکہ نندگی کی یکسانیت سے ہر آدمی اکتا جاتا ہے۔ ہر کروں ہو چکا تھا۔

بھی اکتا گئی ہوں۔“

حیدر ہی تک سر ہلا تارہا۔

سعیدہ اب بھی آئینے میں اپنے جھرے کا جائزہ لئے جا رہی تھی۔ دوسرا کافی آٹا
اس کے لئے کافی بنانے پر آمادہ نہیں مسحوم ہوتا تھا۔ آخر سعیدہ نے خود ہی کہا۔
”کیا تم میرے لئے کافی نہیں بناؤ گے۔“

”بُس..... بناؤں گا۔“

”تم اتنے گھبراۓ ہوئے کیروں ہو؟“

”وہ..... وہ.....!“ فتحا حیدر کی نظر صدر دروازے کی طرف اٹھ گئی تھی اور اس لئے یہ چپ چاپ وہاں سے کھمک گئی۔

داخل ہوتے دیکھا تھا۔

”کہ..... کون.....؟“ سعیدہ نے بھی ادھر ہی دیکھتے ہوئے آہا اور پھر یک
”چلی..... غئی.....!“ قام ہانپا ہوا بولا۔ ساکت ہو گئی۔

”جانے دو..... بیٹھو..... میں تمہارے لئے کافی بنا رہا ہوں۔“

”تو پھر ابھی کیوں بھگا رہے تھے۔“ قام نے نہ امان جانے کے سے انداز میں کہا۔
”ابے وہ تو جن تھا۔ یہاں آتے ہی سر پر سوار ہو گیا تھا۔“

”مجھنہیں کہہ رہے تھے۔“ قام نے طفلانہ جیرت کے ساتھ پوچھا۔
”ہرگز نہیں..... جن بھی بھاگ گیا۔“

قامت نے کاؤنٹر کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائی تھیں اور حیدر کو
دانست نکال دیئے تھے۔

”ارے..... وہ تو ہماری ہی طرف آ رہا ہے۔ اللہ خیر.....!“ سعیدہ بوکھلا کر بولی۔

اور وہ لاکی جو کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی ہے۔“

”اے..... ہاں ہے تو۔“ قاسم نے کہا اور منہ چلانے لگا۔

”تو پھر..... ارے لو..... وہ تو ہیں بیٹھ گیا۔ کاؤنٹر کے قریب۔“

”بیٹھ جانے دو۔ اے..... تم خواجہ مجھے اس سے کیوں لا ادینا چاہتے ہو۔ کیا بگاڑا ہے اس نے میرا۔“

”تمہاری مرضی.....!“ حمید یونہی رواروی میں بولا۔ وہ پوری طرح اس دیوبیکل آدمی کی طرف متوجہ تھا۔

اس نے دیش کو اشارے سے بلا کر کچھ کہا۔

ویسے خوفزدہ انداز میں سر ہلاتا ہوا کچھ کی طرف واپس چلا گیا۔

ہال کے سب ہی لوگ اس کی طرف متوجہ تھے۔ بھی وہ قاسم کی طرف دیکھتے تھے اور بھی اس کی طرف۔ قاسم کی آمد پر بھی وہ سب ہی چوئے تھے۔

پہلی رات کا واقعہ آج کے اخبارات میں شائع ہوا تھا اور لوگوں کو اس حیرت انگیز حداثے کا علم ہو چکا تھا جو پہلی رات ایک نائٹ کلب میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

دنیا کاؤنٹر کے فون کی لگنی بھی اور وہ دیوبیکر چوک کر آواز کی جانب مزگیا۔

پھر حمید نے اسے اٹھتے دیکھا۔

وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ریٹا اچھل کر کاؤنٹر سے دور ہٹ گئی۔ کاؤنٹر کی چوڑائی زیادہ نہیں تھی اور وہ کاؤنٹر پر جمک کر بہ آسانی ریٹا کو پکڑ لے کر رکھتا تھا۔ اس نے ریٹا کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ ریٹا کی چیخ نکل گئی۔

”ابے او..... جراز اورے۔“ قاسم اسی جگہ سے دہاڑا۔

اور پھر وہ اٹھ کر اس کی طرف جبچنا بھی تھا۔ حمید نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بھی اسکے پیچے پیچھے کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے تھے۔

دنیا کام نے قریب پہنچ کر پیچھے سے اس کے کوٹ کا لارپکولیا۔

”اے جاؤ..... آلونڈ بناو..... وہ لوگ یا تھی یا جن.....!“

”عورت کے بھیں میں تھا.....!“

”بس..... نہیں چلے گا بھیں ولیں..... اب جن بھی سالے سراغ رسائی کر بھیں بدیں گے۔“

اتی دریں حمید کاتی بنا چکا تھا۔ پیالی اس کی طرف سر کاتا ہوا بولا۔ ”لو چیو.....!“ کی نگاہ صدر دروازے کی طرف اٹھ گئی۔

اس پارچے جیسی قسم کا دیوبیکر آدمی جمک کر صدر دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ پہلی رات کو نائٹ کلب میں نظر آیا تھا۔

قاسم نے بھی اسکی طرف دیکھا اور نہ جانے کیوں تھیں پھنسنے ہوئے انداز میں منہ چلانا ریٹا اپنی کرسی سے اٹھ گئی تھی اور خوفزدہ نظروں سے اس دیوبیکر کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

پہلا میک اپ

شاند ابھی تک اس کی نظر ریٹا پر نہیں پڑی تھی اور ہال میں اس وقت ریٹا کے کوئی عورت نہیں تھی۔

فھٹا حمید نے قاسم سے کہا۔

”دیکھو تو تمہیں کیسا گھور رہا ہے۔“

”ہاں..... سالانہ تو..... لیکن..... مجھے سے لمبا معلوم ہوتا ہے۔“

”ابے..... کچھ نہیں..... لکار دے۔“

”تیوں..... کھو اکھوا.....!“

”تمہاری مرضی..... دھاک بیٹھ جائے گی..... دیکھو سب ہی اسے غور سے دیکھو۔“

صرف کا لکڑا تھا بلکہ پوری وقت سے اُسے پیچھے بھی کھینچتا تھا۔ وہ کسی جز سے اکٹھا رہے ابھی پڑا تھا۔

ہوئے تناور درخت کی مانند فرش پر آپ۔
”سام لئیں تو....!“ قاسم اپنے ہاتھ ملٹا ہوا بڑا بڑا۔

اب وہ فاتحانہ انداز میں ریٹا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے دیوبیکر فرش پر چلتا تھا۔ آنکھیں بند تھیں، اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

دفتاً قاسم خوش ہو کر بولا۔ ”لو..... پیشتاب کر رہا ہے سالا....!“
لیکن حید محوس کر رہا تھا کہ اس کا جسم آہستہ آہستہ پکھل رہا ہے۔
کسی نے پولیس ایشیشن فون کر دیا۔

دفتاً حید کو خیال آیا کہ قاسم کو وہاں سے ہٹا دینا چاہئے۔ لیکن اب یہ قطعی ناممکن تھا۔
کیونکہ لوگوں نے قاسم کو بھی گھرے میں لے لیا تھا۔ دیوبیکر آدمی کا جسم پکھلاتا رہا۔

انتے میں پولیس بھی آگئی اور اُس کے ساتھ فریدی کو بھی دیکھ کر اس کی جان میں جان
آئی۔ وہ سیدھا قاسم ہی کی طرف آیا تھا۔

”ارے..... بب..... باپ..... غمید بھائی..... ارے باب رے۔ مجھے سنجاalo..... بب..... بیہوش....!“

اور پھر وہ جو لہرا کر گرنے لگا ہے تو حید کے سنجالے کے باوجود بھی ڈھیر ہی ہوتا چلا گیا۔
حید کو سنجالا دینے سے اتنا ہوا کہ دھرام سے گرنے کی بجائے بہت احتیاط سے لمبا لمبا
لیٹ گیا تھا۔

پھر کسی نے ٹیکلی فون کھڑکڑا کر پولیس کو اطلاع دی کہ دوسرا بھی بیہوش ہو گیا۔

حید اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کر رہا تھا۔

”یا آپ کیا کر رہے ہیں جناب؟“ ایک آدمی نے اسے ٹوکا۔

”آپ فکر نہ کریں۔ یہ پکھنے والوں میں سے نہیں ہے۔“

”یا آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“

”اس لئے کہ اسے سالہا سال سے جانتا ہوں۔ یہ کاؤنٹر گرل کو بچانے کے لئے اُس

”پھر بھی آپ الگ ہٹ جائیں تو بہتر ہے۔“

”آپ اپنا کام کیجئے۔ خواہ تو وہ مجھے کیوں بور کر رہے ہیں۔“ حید برا سمانہ بنا کر بولا۔

”میں نے پولیس کو فون کیا ہے۔“

”میں کب لہتا ہوں کہ کسی فلم اسٹار کو کیا ہے۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں؟“ وہ گردن جھٹک کر دوسری طرف چلا گیا۔

دیوبیکر بدستور پکھل رہا تھا اور گاڑھا گاڑھا سیال فرش پر چھلنے لگا تھا اور یہ سیال چھیتا

ہوا قاسم تک بھی پہنچ سکتا تھا۔ اس نے حید اسے وہاں سے ہٹا لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔

لیکن قاسم تھا اس کے بس کاروگ تو نہیں تھا۔ کچھ لوگوں سے مدھی طلب کی۔ مگر کون اسے

ہاتھ لانے کو تیار ہوتا..... وہ سب ہی اُس کے بھی پکھل جانے کے منتظر تھے۔

انتے میں پولیس بھی آگئی اور اُس کے ساتھ فریدی کو بھی دیکھ کر اس کی جان میں جان

آئی۔ وہ سیدھا قاسم ہی کی طرف آیا تھا۔

”یہ کیسے ہوا.....؟“ اس نے حید سے پوچھا۔

”میں اسے یہاں سے ہٹانا چاہتا ہوں..... اُدھر دیکھتے۔“ حید نے پکھنے ہوئے آدمی کی

طرف اشارہ کیا۔ گاڑھا سیال اب قاسم سے دو یا تین فٹ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

”اُدھر ہو.....!“ فریدی نے اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا اور جھک کر قاسم کو

”دونوں ہاتھوں سے اٹھالیا۔“

دیکھنے والوں کے لئے تیرا جو بہ۔

”وہ سب اسے جیسے گھور رہے تھے اور اس نے قاسم کو کاؤنٹر پر لٹا دیا۔ ریٹا ایک بار

بچکم کر پیچھے ہٹ گئی۔ فریدی نے حید کو اشارہ کیا کہ وہ قاسم کے پاس بھرے اور خود پکھنے

ہوئے آدمی کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ حید نے دیکھا کہ اُس نے پی کر امتر آہستہ آہستہ اُس سے

بچکم کر رہا ہے۔ فریدی کا سر پر تشویش انداز میں مل رہا تھا۔

”اس لئے کہ اسے سالہا سال سے جانتا ہوں۔ یہ کاؤنٹر گرل کو بچانے کے لئے اُس

پھر فریدی کی عقابی نظر میں تماشائیوں کا جائزہ لینے لگیں۔

حید قاسم کی طرف متوجہ تھا۔ اتنے میں دکانشیل ایک اسٹریچر کاؤنٹر کے قریب لای رہا۔ حید نے اس کے لئے کرسی خالی کر دی اور اس کا شانہ چکلتا ہوا بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔۔۔ فکر نہ ”تم اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔“ فریدی نے حید سے کہا۔ ”میں بھی وہیں آتا ہوں رہو۔۔۔ تم پر کوئی بات نہ آئے گی۔۔۔ میں تو موجود تھا وہاں۔“ ”پانچ چھ آدمیوں نے مل کر قاسم کو اسٹریچر پر ڈالا تھا اور پورٹر کی رہنمائی میں اسے جو ”اور آپ صدر مملکت ہیں۔“ سعیدہ نے زہریلے لمحے میں کہا۔ لیکن حید اس کی طرف کے کمرے تک لاٹے تھے۔“

حید اسے سہری پر ڈلو اکر خود کی عیالدار بیوہ کے سے انداز میں اس کے سرہانے بیٹھ گا۔ کمرے میں دبھی سیاں تھیں۔ دسری پر سعیدہ جم گئی۔ وہ ریٹا کو کھا جانے والی نظر وہ دبھتی رہی تھی۔ لیکن ریٹا تو قاسم کی طرف متوجہ تھی۔

”کیا یہ تمہارا کوئی شناسا ہے۔“ ریٹا نے کچھ دیر بعد حید سے پوچھا۔ ”ہاں۔۔۔ بہت پرانا۔۔۔ اس وقت اسی نے فون پر میرے بارے میں پوچھا تھا۔“ ”لیکن۔۔۔ وہ۔۔۔ دوسرا۔۔۔؟“

”ہوں۔۔۔ تو اس نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔“ حید نے پوچھا۔ ”یقیناً۔۔۔ اگر تمہارا بارست اسے چیچے نہ تھیں لیتا تو میں آگئی تھی اس کی گرفت میں۔“ ”اس سے پہلے کبھی تم نے اسے نہیں دیکھا۔“ ”بھی نہیں۔۔۔ میری یادداشت میں تو وہ بھی یہاں نہیں آیا۔“

”کیا تم اور کیا تمہاری یادداشت۔۔۔!“ سعیدہ بڑھ کر اسے دیکھا۔ ”ارے نہیں صاحب۔۔۔ آپ یہ کہہ بھی مجھ سے چھین لجھے اور میں در بدر کی غور کر رہا ہو۔“ ”سنسنی سنائی با توں پر یقین کر لیتا حافظت ہے۔ خود جا کر دیکھ آؤ۔“

”تم چاہتے ہو کہ میں یہاں سے چلی جاؤ۔۔۔ کیوں؟“ ”کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو۔۔۔ یہ مرد بھی میری سمجھ میں نہ آسکیں گے۔“ ”ہاتھ اعلق ہوتے ہیں کم بخت۔“ حید سر ہلا کر بولا۔

”یقیناً۔۔۔ بیسویں صدی کے مردوں فیض ناٹھ اعلق ہوتے ہیں۔“ ”تواب اکیسویں صدی میں بھی پیدا ہونے کی کوشش کروں گا۔“

”اتھے میں ریٹا بولکھائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ چند لمحے کھڑی ہاپتی رہی۔۔۔“ ”کل یہ حضرت رات بھر اور آج دن بھر غائب رہے تھے۔“ سعیدہ نے حید کی طرف کھلانے لگی۔

”یہ کیسے ممکن ہے..... ذیلی کو اس حال میں تھا نہیں چھوڑا جاسکتا۔ وہ اپنی یاد داشت کہ

”بیٹھے ہیں۔“

”بہنیں بہتال میں داخل کر دیا جائے گا۔“

”اس کے باوجود بھی میں اپنی موجودگی ضروری سمجھتی ہوں۔“

فریدی ٹھوڑی دریک پچھوچتار ہا پھر حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر چلا گا۔ جسی آپ کی مرضی! لیکن میں ان کے گرد بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کروں گا۔ خاندان کے

”یہ صاحب! کون تھے؟“ ریٹا نے حمید سے پوچھا۔

”تعجب ہے کہ تم انہیں نہ پہچان سکیں جبکہ تمہارے الہم میں ان کے بھی تصور موجود۔“ وہ تو میں خود بھی پسند نہ کروں گی۔ ان کے ذہن پر بہت زیادہ باران کے لئے نقصان شائد سب سے طویل نوٹ انہیں کے بارے میں لکھا گیا ہے اس میں۔“

”ثابت ہوگا۔“

”اچھا.....!“ وہ تفسیجی انداز میں سر ہلا کر رہا تھا۔

پھر کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔

”خدا جانے..... آنکھیں تو کھول رکھی ہیں۔“

قائم اس وقت بھی لبی سانس لے رہا تھا۔ آنکھوں کے پوٹے تمثیر اڑا ہے غم۔ ”ہمے میرا مکدر.....!“ دفتاً قاسم بھوو بھوو کرتی ہوئی روہانی آواز میں بولا۔ ”میں ایک گال بھی پھر کرنے لگا۔

”کیا یہ مرہا ہے۔“ سعیدہ نے کہا اور انھوں کو سہری کے قرب بآگئی۔

”..... ہو ہو ہو ہو.....!“

”اُنکی بخش پر ہاتھ ہی رکھ دو تاکہ یہ سکون سے مر سکے۔“ حمید سختی سانس لے کر اس کے طلق سے ڈری ڈری آوازیں نکلنے لگیں۔

”میں جان کی کامنے نہیں دیکھ سکتی۔“ ریٹا بول کلا کر انھوں۔

حید نے اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ سعیدہ قاسم کی بخش دیکھ رہی تھی اور قاسم روازہ کھلا اور کب ایک نقاب پوش نایمی گن سنجنالے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔

”گال بھی پھر کرنے لگا تھا۔“

یک بیک اس نے آنکھیں کھول دیں اور سعیدہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں لیکن لکارا اور وہ سب چوک کر اس کی طرف مڑے۔

قاسم نے چاروں طرف دیدے گھمانے اور پھر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

”بھائی کیا تکلیف ہے تمہیں۔“ حید نے مضمون انداز میں اس سے پوچھا۔

”موٹے آدمی کے علاوہ اور سب کمرے سے باہر نکل جائیں۔“ دفتاً نقاب پوش نے اہستہ سے حید سے کہا۔ ”ہوش آگیا ہے۔“

”ہمارے۔“

ریٹا اپنی کرسی دور کر کا لے گئی۔

”آخر کیوں.....؟“ فریدی نے پر سکون لجھ میں پوچھا۔

ٹھیک اسی وقت فریدی پھر دیکھ دے کر کمرے میں داخل ہوا۔

”ڈاکٹر سعیدہ! میری دانست میں آپ نصیر آباد واپس چلی جاتیں تو بہتر تھا۔“ اس

ہاتھ اٹھا کر فریدی سے کہا۔

فریدی نے اس ریمارک پر صرف سر ہلا دیا۔

پھر حمید نے اسے ڈائنگ ہال والی کہانی سنائی۔

فریدی ٹھوڑی دریک پچھوچتار ہا پھر حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر چلا گا۔ جسی آپ کی مرضی! لیکن میں ان کے گرد بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کروں گا۔ خاندان کے

”یہ صاحب! کون تھے؟“ ریٹا نے حمید سے پوچھا۔

”تعجب ہے کہ تم انہیں نہ پہچان سکیں جبکہ تمہارے الہم میں ان کے بھی تصور موجود۔“ وہ تو میں خود بھی پسند نہ کروں گی۔ ان کے ذہن پر بہت زیادہ باران کے لئے نقصان

شائد سب سے طویل نوٹ انہیں کے بارے میں لکھا گیا ہے اس میں۔“

”اچھا.....!“ وہ تفسیجی انداز میں سر ہلا کر رہا تھا۔

پھر کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔

”خدا جانے..... آنکھیں تو کھول رکھی ہیں۔“

قائم اس وقت بھی لبی سانس لے رہا تھا۔ آنکھوں کے پوٹے تمثیر اڑا ہے غم۔ ”ہمے میرا مکدر.....!“ دفتاً قاسم بھوو بھوو کرتی ہوئی روہانی آواز میں بولا۔ ”میں

غوری اپنا کبڑا کر لیتا ہوں..... میں سمجھا سالا پیش اب کر رہا ہے۔ مگر وہ تو..... اے بابا۔“

”کیا یہ مرہا ہے۔“ سعیدہ نے کہا اور انھوں کو سہری کے قرب بآگئی۔

”اُنکی بخش پر ہاتھ ہی رکھ دو تاکہ یہ سکون سے مر سکے۔“ حمید سختی سانس لے کر اس کے طلق سے ڈری ڈری آوازیں نکلنے لگیں۔

”میں جان کی کامنے نہیں دیکھ سکتی۔“ ریٹا بول کلا کر انھوں۔

حید نے اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ سعیدہ قاسم کی بخش دیکھ رہی تھی اور قاسم روازہ کھلا اور کب ایک نقاب پوش نایمی گن سنجنالے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔

”گال بھی پھر کرنے لگا تھا۔“

”دل تک گنے کے بعد میں فائرگ نگ شروع کر دوں گا۔ ورنہ باہر جاؤ۔ ایک.....“
تمن..... چار..... اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ دروازے کی طرف مڑو۔ پانچ.....!
سمھوں نے ہاتھ اٹھائے۔

”مجھے دروازہ کھونے کی اجازت دو۔ ورنہ یہ لوگ باہر کیے نہیں گے۔“ فریدی نے
”اجازت ہے۔“ وہ غرایا۔

فریدی ان لوگوں کو ہٹاتا ہوا دروازے تک جا پہنچا۔

پھر حمید نے چشم زدن میں جو کچھ بھی دیکھا ہوش اڑادینے کے لئے کافی تھا۔ فریدی
جھک کر باسیں ہاتھ سے دروازے کا پینڈل گھماتے ہوئے بڑی پھرتی سے رویالور کالا قہا
اس کو باسیں لفٹ کے پیچے سے دوسرا طرف لے جا کر محض اندازے سے فائر کر دیا تھا۔
ایک طویل کراہ کے ساتھ ناقاب پوش دیوار سے جا نکل رہا۔ ٹائی گن ہاتھوں سے ٹک
سمھری کے قریب آگری تھی۔ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

حمدی کی دانست میں فریدی نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اس کے رویالور سے نکلی ان
گولی ریٹا اور سعیدہ کے درمیان سے گذری تھی اور ان دونوں کا فاصلہ بمشکل آٹھ یا نو انٹا
ہو گا۔ وہ دونوں اس سے بے خبر تھیں کہ فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ لہذا ان میں سے کوئی اُ
ادھر ادھر ہو سکتی تھی۔ ان دونوں کو تو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ زندہ ہیں۔

ناقاب پوش دو یا تین سینٹ دیوار سے نکارہا پھر دھم سے فرش پر آ رہا۔
خود حمید میں ابھی تک اتنی سکت پیدا نہیں ہو سکی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے جنسش بھی کر سکتا۔
وھنچا انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔ ”اب تم سب باہر پڑے جاؤ۔“
وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ فریدی قاسم کو سہارا دے کر سمھری سے اخبار ہاتھا۔
نے اٹھنے میں بڑی پھرتی دکھائی۔

حمدی دروازے کے قریب پہنچ کر پھر پلٹ آیا۔
”کیا میں بھی جاؤ۔۔۔؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں.....!
”لیکن جناب.....!“ ریٹا کمزوری آواز میں بولی۔ ”آپ کے ساتھ یہاں میری
موجودگی ضروری ہے۔ ورنہ آپ کوئی غلطی بھی کر سکتے ہیں۔“

فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور حمید سے کہا کہ وہ سعیدہ
کے کمرے میں اس کا منتظر ہے۔

”ریٹا آہستہ سے بولی۔ وہ کمرہ مناسب ہے۔“

قاسم احمقانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔ حمید انہیں ساتھ لے کر راہداری میں
نکل آیا۔

فریدی نے رویالور میں سائنسر لگا کر لکھا تھا ورنہ اس وقت راہداری سنستان نہ ہوتی۔

قاسم بڑی بڑا رہا تھا۔ ”اب زندہ رہا تو لعنت بھیج دوں گا۔ دوستی پر شروع ہو گئی خامیں
ہوئیں۔ سالا اپنا کدر ہی خراب ہے۔ اب لوسمالے پکمل رہے ہیں۔ پڑے ہوئے..... ایک
ہاتھ بھی تو نہیں مارا تھا۔ ارے باپ رے۔“

دفعتا وہ اچھل پڑا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہیں پر جم سا گیا ہو۔

”اب کیا ہوا.....؟“ حمید جھٹکلا کر بولا۔

”جرایہ تو بتاؤ۔۔۔ اس ناقاب پوش نے یہ قیوں کہا تھا کہ موٹے کے علاوہ اور سب کمرے
سے باہر نکل جائیں۔“

”اب ہوش آیا ہے؟“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔ ”چلو سیدھی طرح ورنہ۔“

”نہیں بتاؤ مجھے۔“

”ارے پیارے بھائی..... وہیں چل کر بتاؤں گا۔“

”کہاں چل کر.....؟“

”ان کے کمرے میں۔“ حمید نے سعیدہ کی طرف اشارہ کیا اور قاسم اس طرح چوک پڑا
جیسے پہلی بار اس کی موجودگی کا احساس ہوا ہو۔

قاسم پار بار سعیدہ کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

ایک بار جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں قاسم بول پڑا۔ ”آپ قون ہیں؟“

”جی..... ای..... ای.....!“ سعیدہ نے جی کو طویل کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کچھ خیال نہ کبھی گا ڈاکٹر سعیدہ۔“ حمید تر سے بولا۔ ”یہ بھی ذرا فلاسفہ تم کے

انہیں تکلفات کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں۔“

”پھر بھی میں اس تم کی بد تیزی پسند نہیں کرتی۔“

”تمہرہ اتکلف برتو.....!“ حمید نے قاسم سے کہا۔

”بہت اچھا.....!“ قاسم سعادت مند پوکوں کے سے انداز میں سر ہلا کر بولا۔

”کچھن حمید..... اگر کوئی فریدی نے تمہیں یہاں نہ بھیجا ہوتا تو میں تمہیں باہر نکال دیتی۔“

”صدے سے پریشان ہیں یہ۔“ حمید نے قاسم سے مغدرت طلب لجھے میں کہا۔

”توئی بات نہیں۔ توئی بات نہیں۔“

”میں کمرے میں خاموشی چاہتی ہوں۔“

”حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر اس طرح سر ہلا بیا جیسے کہہ رہا ہو۔“ ”تم کچھ خیال نہ کرنا۔“

”اصح نے بھی اپنے سر کو تھیسی جبکش دی۔ پھر دونوں بے حد سمجھیگی سے ہونٹ پر ہونٹ

کر دی۔ ”یہ لڑکی بے چاری بڑی مصیبت میں پڑ گئی ہے۔ کچھ لوگ اسے اخھا لے جانا چاہئے“

”ہیں اور اس کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا کہ دنیا میں اس کا کوئی ہمدرد بھی ہے۔“

”پھر کچھ دیر بعد حمید نے قاسم سے کہا۔ ”چلو، ہم دونوں عمل خانے میں جل کر باتیں کریں۔“

”میرا مذاق ازار ہے ہو۔“ سعیدہ غرائی۔

”ہرگز نہیں..... آپ کو غلط بھی ہوئی ہے۔“

”جی ہاں..... جی ہاں۔“ قاسم بھی سر ہلا کر بولا۔ ”حمد بھائی تو بہت اچھے آدمی ہیں۔“

”میں آپ سے نہیں پوچھ رہی۔“

”تو اس میں کھفا ہونے کی قیاپات ہے؟“

”قاف، قاف، قاف، آخر آپ کاف کے بجائے قاف کیوں بولتے ہیں۔“

”اچھا..... اچھا..... چلو چلو۔“ قاسم نے کہا اور اپنے مقدور بھر تیز چلنے کی کوشش کرنے لگا۔

ڈاکٹر سعیدہ اس طرح خاموش تھی جیسے گھکھی بندھ گئی ہو۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہو کر کری پر گرگی تھی۔

قاسم مسہری کی طرف بڑھ رہا تھا کہ حمید نے توک دیا۔

”اب تم ہوش میں آگئے ہو اس لئے کرسی پر بیٹھو۔“

”ہاں..... ہاں..... شُخْ ہے۔“ وہ جلدی سے سر ہلا کر بولا۔

وہ خاموش بیٹھے رہے۔ قاسم بھی حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی نظریں پہا کر سعیدہ کی طرز دیکھنے لگتا۔

”حمد..... بھائی اب تو بتاؤ۔“ وہ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”تمہاری محوبت میں جہاں بھی جاتا ہوں کچھ نہ کچھ کھپلا ہو جاتا ہے۔“

”بڑی دکھ بھری داستان ہے۔“

”مجھے بتاؤ۔“ وہ نکھیوں سے سعیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”خدا کے لئے جلدی بتاؤ۔“

”میری جان..... نقل جائے غی.....!“

”اچھا..... ادھر آؤ۔“ حمید نے کری سے اٹھ کر کہا اور اسے الگ لے جا کر سرگوشی شدہ رہا۔

کردی۔ ”یہ لڑکی بے چاری بڑی مصیبت میں پڑ گئی ہے۔ کچھ لوگ اسے اخھا لے جانا چاہئے“

ہیں اور اس کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا کہ دنیا میں اس کا کوئی ہمدرد بھی ہے۔“

”تم اس کو مکین دلا دو کہ میں اس کا ہمدرد ہوں۔“ قاسم چھاتی ٹھوک کر بولا۔

”میاں یقین کرے تو کس طرح۔“

”اچھا میں ہی یقین دلا دوں گا۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن یہ ہے قون.....؟“

”یہ بھی تو نہیں بتاتی۔“

”میں پوچھ لوں گا.....؟“

وہ پھر اپنی اپنی چکیوں پر آبیٹھے۔ حمید نے اپنے چہرے پر سوگ سا طاری کر لیا تھا۔

”قدرت ہے خدا کی.....“ قاسم سخنڈی سانس لے کر بولا۔

”سارتر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“

”قون..... سارتر.....؟“

”وہ کوئی باقاعدہ قسم کا تھنکر تو ہے نہیں۔“ حمید جلدی سے بول پڑا۔ ”لہذا قاسم صاحب کیا جائیں اسے۔ انہیں کہانیوں اور ڈراموں سے لگاؤ نہیں۔“

”پھر کیسے جانتے ہیں؟“

”قس کو نہیں جانتا۔“ قاسم اکڑ کر بولا۔ ”مس مادھوری سے لے کر سائزہ بانوں کے کہا ہوں۔ میرے بچپن میں ایق کن بنی بھی تھیں۔“

”کیا مطلب.....؟“ سعیدہ نے حمید کی طرف دیکھ کر متین انداز میں پلکیں چکا کیں۔

”مطلوب یہ کہ انہوں نے غیر معروف تھنکر زنک کو پڑھ دالا ہے۔“

”وھنہا دروازے پر دستک ہوئی اور حمید نے اوپھی آواز میں کہا۔

”کم ان پلیز.....؟“

”ریٹا گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی اور حمید کو خاطب کر کے بولی۔ ”ذرا میرے ساتھ آئیے۔“

”حمد قاسم کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ راہداری میں نکل آیا۔

”انہائی درجہ غیر داشمندانہ بات ہوئی ہے۔“ ریٹا ہانپتی ہوئی بولی۔

”کیا ہوا.....؟“

”کرٹل فریدی! میرے منع کرنے کے باوجود بھی غسل خانے والی لفٹ سے نیچے اتر گئے۔“

بے آواز فائر

حمد نائلے میں آگیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی اچاک اس قسم کا کوئی ہے۔

”اوکسی کو بھی نہیں۔“

”نہیں.....!“

”انہیں دنوں کو جانتی ہوں۔“

”ایک بات اور.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مقتول کو تم پہچانتی تھیں؟“

”نہیں.....!“ ریٹا تھوک نکل کر بولی۔ ”میرے لئے بالکل ابھی تھا۔ میں تو صرف

اٹھائے گا۔

ریٹا کہتی رہی۔ ”انہوں نے مقتول کا لباس اتار کر خود پہنا، نقاب لگائی اور اسی کے سے انداز میں ٹائی گن لے کر نیچے اتر گئے۔“

”یہاں کتنے کروں میں لفت موجود ہے۔“

”میں تو یہی سمجھتی تھی کہ صرف دو کروں میں ہے۔ ایک میرے کمرے میں اور دوسرا ایک کمرے میں جہاں وہ دونوں رہتے ہیں۔“

”کون دونوں؟“

”وہی جنہیں بچپنی رات ہم نے سرگنگ والے ہاں میں چھوڑا تھا۔“

”محبے کچھ کرنا چاہئے۔“ حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

”تم کیا کر سکو گے..... وہاں قدم قدم پر موت ہے۔ آج تک ہم تینوں میں سے کسی نے بھی اس ہاں سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔“

”تم لوگ بہت زیادہ خاوف ہو۔ لفت استعمال کرنے کا طریقہ کارتم نے ہی بتایا تھا۔“

”نہیں..... میرے بتانے سے پہلے ہی وہ واش میں کے نیچے لفت کا بٹن ٹلاش کر چکے تھے۔ خدا کی پناہ۔ ایسا پھر ٹلا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ جانتے ہو نقاب پوش کے ٹھیک دل کی جگہ سینے پر گولی لگی تھی۔“

”اس قسم کی حرکتیں وہ نشانہ لئے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔“

”وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی ”اچھا باب میں اپنے کمرے میں جاری ہوں۔“

”ایک بات اور.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مقتول کو تم پہچانتی تھیں؟“

”نہیں.....!“ ریٹا تھوک نکل کر بولی۔ ”میرے لئے بالکل ابھی تھا۔ میں تو صرف

”اس ہوٹل کا مالک کہاں ملے گا.....؟“
”اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ انہیں لوگوں کی طرف سے مجھے ہدایت مل گئی
کہ میں اسی ہوٹل میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کروں..... اور وہ نہایت آسانی سے
گئی تھی۔“

”فیجر کہاں ہے؟“

”وہ تو تھا جو تم سے الجھ گیا تھا۔“

”اوہ..... وہ جس نے پولیس کو فون کیا تھا.....؟“

”ہاں..... اور وہی تمہیں مالک کے بارے میں بھی بتا سکے گا۔“

”بڑی عجیب بات ہے کہ تم نے مالک کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔“

”کیپشن حمید..... بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو تم..... مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ

غیر ضروری باتوں میں پڑ کر خود کو ہلاکت میں ڈالوں۔“

”اب تم اپنے کمرے میں جا کر کیا کرو گی۔“

”پھر کہاں جاؤ؟“ وہ چھینچلا کر بولی۔ ”فیجر نے کاؤنٹر سے ہٹا دیا ہے۔ گاہوں کے
بیانات لئے جا رہے ہیں۔“

”نہیں نہیں..... تم اپنے کمرے میں ضرور جاؤ۔ مجھے دراصل تمہاری طرف سے تشویشا
ہو گی ہے۔“

”فکر نہ کرو..... دیکھا جائے گا۔“ ریٹا نے کہا اور مردہ کی چال کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔
حمدید دروازے کی طرف مڑا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ ٹکوٹا اور اندر نظر پڑتے ہی ٹھنک کردا
گیا۔ عجیب منظر تھا۔ قاسم دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے چھوٹ چھوٹ کر رہا ہے اور سعیدہ
اس کے قریب رو مال لئے کھڑی تھی۔

حمدید کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے کہا۔ ”اب دیکھو..... میری سمجھ میں تو کچھ آغا
نہیں رہا۔“

وہ بہت زیادہ نہ سو معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے قاسم سے بھی کچھ اوت پٹا گک قسم کی
باتیں کر چکی ہو۔

”لیکن یہ روکیوں رہا ہے؟“

”میں کیا جانوں..... میں نے تو صرف اتنا پوچھا تھا کہ انہوں نے بوطیقا بھی پڑھی ہے
بانیں۔“

”میں سمجھا.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”کیا سمجھا! جلدی بتاؤ..... مجھے الجھن ہو رہی ہے۔“

”اس کی بیوی جو ابھی حال ہی میں فوت ہوئی ہے بوطیقا کا ترجمہ اردو میں کر رہی تھی۔“
قاسم نے اور زیادہ زور دشور کے ساتھ روتا شروع کر دیا۔ اب سکلیوں کے ساتھ
آوازیں بھی نکلنے لگی تھیں۔

”اب یہ چپ کس طرح ہوں گے۔“ سعیدہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔“

”دیکھنے میں کوشش کرتا ہوں..... آپ ذرا..... ایک منٹ کے لئے باہر چلی جائیے۔“

سعیدہ اس طرح کمرے سے نکل بھاگی تھی جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔

”میٹا۔ اب چپ بھی ہو جاؤ۔“ حمید نے قاسم کے قریب پہنچ کر کہا۔ ”روتہ بتا دوں گا
اس کے کارہی اس کی بیوی فوت نہیں ہوئی اور اسکے باپ نے بھی کبھی بوطیقا کا نام نہ سننا ہو گا۔“

قاسم نے گریزاری میں بریک لگانے کی کوشش کی لیکن فوری طور پر کامیابی نہ ہوئی۔

”اب تم تھوڑی دریٹک بالکل خاموش رہو گے۔ اس کی کسی بات کا جواب مت دیتا۔“

”سالے..... تم ہمیشہ مجھے کسی نہ کسی مصیبت میں پھسادیتے ہو۔“ قاسم روتا ہوا بولا۔

”میں کیا جانوں ہمکھنگا وغیرہ۔ میرے باپ نے مجھے انکوں پڑھوائی تھی۔“

”پھر کیا کہتا ہیا رے؟ وہ پڑھی لکھی اور لیدی ڈاکٹر ہے۔“

”لیدی ڈاکٹر ہے۔“ قاسم نے چک کر پوچھا۔ یک بیک ڈھنی رو بھک گئی۔ روتے

روتے مکرانے لگا۔ شرات آمیزم کی مسکراہٹ تھی۔

فاختا حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ ”اچھا تو پھر میں بیمار بنا جانا ہوں۔۔۔۔۔“
علاج کروادو۔۔۔۔۔!

”بیماری کیا بتاؤں میئے۔۔۔۔۔“

”کہہ دینا یوں کے غم میں روتے روتے بوائر ہو گئی ہے۔ بوائر ارے نہیں وہ کیا کئے
ہیں اُسے۔۔۔۔۔ عکسیر۔۔۔۔۔ کیوں عکسیر ہی کہتے ہیں نا اُسے جس میں منہ سے خون آنے لگتا ہے۔“
”اُسے تو شہتر کہتے ہیں۔۔۔۔۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”ابے جاؤ۔۔۔۔۔ اب میں اتنا چکد نہیں ہوں۔۔۔۔۔ شہتر تو ہاتھی اٹھاتے ہیں میں نے ہم لوگوں نے۔۔۔۔۔ اس لڑکی کو یہاں سے لے جاؤ۔۔۔۔۔ ورنہ میں یا تو اُسے جان سے مار دوں
کا یا خود کشی کرلوں گا۔۔۔۔۔“

”اچھا لیں ختم۔۔۔۔۔ اب میں اُسے بلا رہا ہوں۔۔۔۔۔“ حمید نے کہا اور آگے بڑھ کر دروازے ”آپ دونوں ہی چلتے۔۔۔۔۔ درنہ تجھ میں آپ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔۔۔۔۔“ فریدی
کھول دیا۔۔۔۔۔ لیکن سعیدہ راہداری میں نہیں تھی۔۔۔۔۔
اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔ سعیدہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔۔۔۔۔ وہ بھی بوكھلا کر باہر
اس نے سوچا ممکن ہے بات کے کمرے میں چل گئی ہو۔۔۔۔۔ لہذا وہ پھر کمرے میں واپس چلا آیا۔۔۔۔۔ مل آئی۔۔۔۔۔ فریدی نے ڈی آئی کو زینوں کی طرف لے جانا چاہا لیکن اس نے اپنا جسم ایک دم
قاسِ عکسی لگانے خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔۔۔۔۔ اُس پر یہ کیفیت اسی وقت طاری ہوئی جب لڑا لیا تھا۔۔۔۔۔
وہ کوئی ایکم بار رہا ہوتا۔۔۔۔۔

حمد خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔۔۔۔۔ فاختا دروازے پر کسی نے دستک دی۔

”آ جاؤ۔۔۔۔۔!“ حمید بولا۔

دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے والا فریدی تھا۔

”آپ۔۔۔۔۔؟“ حمید متحیرانہ انداز میں بولا۔

”ریٹا کہاں ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”اپنے کمرے میں۔۔۔۔۔“

”وہ نکل گئی ہو گی۔۔۔۔۔ چلو میرے ساتھ۔۔۔۔۔ قاسِ انھو۔۔۔۔۔ حقی جلد ممکن ہو سکے اس عادت
اکنہ کی طرح ان کے پیچھے۔۔۔۔۔ وہ ہوں۔۔۔۔۔ مجھ سے دوڑ نہیں جاتا۔۔۔۔۔“ قاسِ پچھاڑا۔۔۔۔۔ لیکن گھشتائی
سے نکل بھاگو۔۔۔۔۔

”کچھ بتائیے بھی تو۔۔۔۔۔!“

”وقت نہیں ہے۔۔۔۔۔ سعیدہ کہاں ہے؟“

”اپنے باپ کے کمرے میں ہو گی۔۔۔۔۔“

”ان دونوں کو بھی نکالو یہاں سے۔۔۔۔۔“

فریدی کے لمحے کی بناء پر قاسم بھی بوكھلا کر اٹھا اور وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔۔۔۔۔

پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی ڈی آئی جی کے کمرے کا دروازہ بڑی طرح پیٹھ رہا ہے۔۔۔۔۔

ڈی آئی جی نے دروازہ کھول کر بھلائے ہوئے لمحے میں کہا۔۔۔۔۔ ”کیوں زندگی حرام کر رکھی

”ابے جاؤ۔۔۔۔۔ اب میں اتنا چکد نہیں ہوں۔۔۔۔۔ شہتر تو ہاتھی اٹھاتے ہیں میں نے ہم لوگوں نے۔۔۔۔۔ اس لڑکی کو یہاں سے لے جاؤ۔۔۔۔۔ ورنہ میں یا تو اُسے جان سے مار دوں

کا یا خود کشی کرلوں گا۔۔۔۔۔“

”یہ کیا دیوائی ہے..... کچھ تو بتاؤ۔“ سعیدہ تھی۔ حمید اس کا باتھ پکوئے کھینچنے لے جائے۔ حمید نہ کے مل گرا اور لڑکا ہوا نیچے چلا گیا۔ سعیدہ اور دوسروں پر کیا گزری اس کا بھوش ”میں اس کا باپ نہیں ہوں..... میں اس کا باپ نہیں ہوں۔“ فریدی کے کانڈے کہاں ہے۔

ایک دھماکہ اور ہوا اور حمید لڑکتا ہوا ایسی جگہ جا پہنچا جہاں سے مزید لڑکنا ممکن نہیں تھا۔

باہر اندر ہیرا تو پھیل گیا تھا لیکن آسان صاف ہونے کی وجہ سے گھری تار کی نہیں۔ ابھری ہوئی چنان رکاوٹ بن گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

حمد محسوس کر رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں میں جبنت کرنے کی سکتی نہ رہ گئی ہو۔

”میرے پیچے چلے آؤ۔“ فریدی نے بلند آواز میں انہیں مخاطب کیا۔

”ایسی کی تیسی۔“ قاسم دھڑا۔ ”میں تو نہیں دوڑوں گا۔ ان لوگوں کا دھندا یہ کہا تھا۔ حمید نے جواب دیتا چاہا لیکن آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ منہ بالکل خشک تھا۔ زبان سے لگ گئی تھی اور حلق میں پھندا تھا۔

اسنے میں انہوں نے ہوٹل کے لاڈاں پکر پکی کی آواز سنی۔ ”عمارت سے!“ وہ اسی طرح پڑا ہانپا رہا۔ سردی کے باوجود پورا جسم پہننے سے شرابور تھا۔

جائے... فوڑا... عمارت کو خطرہ ہے..... جتنی جلد ممکن ہو عمارت سے بہت دور ہے! ساری حیات بیدار تھیں۔ وہ اپر سے اٹھنے والا شور بھی سن رہا تھا۔ بس حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

تموڑی دیر بعد ھلا دینے والی ہوا کا تپیڑا جسم کو لگا اور دھوئیں کی بدبو سے دماغ پھٹنے زبردست خطرہ ہے۔ باہر نکلنے عمارت سے۔“

سنس لیتے میں بھی دشواری محسوس ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے منوں غبار پھیپھروں پھر یہی اعلان انگریزی میں بھی ہوا کیونکہ ہوٹل میں کچھ غیر ملکی بھی مقیم تھے۔

فریدی نے اب سڑک چھوڑ دی تھی اور ایک ڈھلان میں اتر رہا تھا۔

سعیدہ لڑکھرانے لگی تھی۔ دفعتاً حمید نے بھی اس کے ساتھ وہی رو یہ اختیار کر کر اس کی آواز پھر آئی۔ ”حمد... حمید...!“

فریدی نے اس کے باپ کے لئے اختیار کیا تھا۔

اب وہ اس کے کانڈے پر پڑی ہوئی ”ارے ارے“ کے جاری تھی اور حمید نے حمید پھیپھروں کے مل جیخ کر رہ گیا۔ آواز الغاظ کی شکل نہیں اختیار کر سکی تھی۔ بس وہ اپنی موجودگی سے آگاہ کر دینا چاہتا تھا۔

قدموں کے ساتھ ڈھلان میں اتر رہا تھا۔

فریدی اس سے قریباً دس گز آگے رہا ہوگا۔ البتہ قاسم کا کہیں پڑنے تھا۔

عمارت سے نکل بھاگنے والوں کا شور صاف سنائی دے رہا تھا۔

اچانک حمید نے جیخ کر کہا۔ ”ارے کہیں رکھ گا بھی یا نہیں۔“

”بس ڈھلان ختم ہوتے ہی رک جائیں گے۔“

شاندہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ایک زور دار دھماکے نے زمین ہلا دی۔

اس نے بوکھلا کر آنکھیں بھول دیں۔ اور کھلا ہوا آسمان تھا اور چاروں طرف پہاڑیاں ہوئی تھیں۔ فوری طور پر انھیں بیٹھنا چاہا لیکن ممکن نہ ہوا۔ پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھرا جائے پھر اس نے دامیں با میں نظر دوڑا۔ با میں جانب تھوڑے ہی فاصلے پر سعیدہ پڑی نظر آئی۔ ذی آئی جی اس کے قریب ہی اونٹھا پڑا تھا۔ لیکن فریدی کہیں نہ دکھالی۔ حمید ہر دی کوششوں کے بعد انھیں کر بیٹھا سکا۔ سر زیری طرح چکرا رہا تھا۔ ایسا عمل جیسے وہ شانوں پر نہ ہر ہی نہ سکے گا۔

پچھے دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر تھا میں بیٹھا رہا پھر انھیں کھڑے ہونے کی کوشش کر سو رج کافی چڑھ گیا تھا اور وہ پوری طرح دھوپ میں پڑے تھے۔ وہ اپنی ہاتھوں کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اب وہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ انھیں گلیا اور بخوبی پر زور دیتا رہا۔ پھر ذی آئی جی کی طرف بڑھا۔

”جتناب عالی..... جتناب عالی.....!“ اس کا شانہ ہلا ہلا کر آوازیں دیتا رہا۔ لیکن ذی آئی جی سے پہلے اس کی ان آوازوں پر سعیدہ جا گئی تھی۔ ”حید.....!“ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا اور لیٹے ہی لیٹے اس کی جانب ایک اسٹرپچر بھی تھا۔ کوشش کرنے لگی۔

”وہیں لیٹی رہو..... ذی آئی جی صاحب کو جگار ہوں۔“ ”تم..... تم ٹھیک ہو.....!“

”ہاں..... آں.....!“ اس نے کہا اور پھر ذی آئی جی کو جنموجھ نے لگا۔ ”انہیں یونکی رہنے دو۔“

”ڈاکٹر سعیدہ..... خاموش رہو۔“ ”مجھے بیاس لگی ہے۔“

”حید پکھنہ بولا۔ بالکل احتمالہ انداز نہیں ذی آئی جی کو ہلا بیٹے جا رہا تھا۔“ ”وہ دیکھو.....!“ دفعتا سعیدہ بول پڑی۔ ”وہ کون لوگ اونھر آ رہے ہیں۔“

حید نے اس طرف نظر انھائی جدھر سعیدہ نے اشارہ کیا تھا۔
کچھ لوگ پہاڑی ہے اتر رہے تھے۔

”جہنم میں جائیں۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”آخر دی آئی جی صاحب جا گتے کیوں نہیں۔“ ”کہیں تم بھی تو پاگل نہیں ہو گئے۔“ ”کیوں.....؟“ حمید غرایا۔

”ہوش میں نہیں ہیں..... ورنہ کبھی کے جاگ گئے ہوتے۔“

”ان کے فرشتوں کو بھی اٹھنا پڑے گا۔ میں جگار ہوں۔“

”ہنو..... ہست جاؤ..... ان کے پاس سے۔“ سعیدہ زور لگا کر اٹھتی ہوئی بولی۔

دفعتا حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ابھی تک سوتا رہا ہو پھر اسے اپنی اس حمافت پر افسوس بھی ہوا کہ ایک بے ہوش آدمی کو خواہ خواہ جنموجھ سے ڈال رہا ہے۔

ذہن کی عجیب سی حالت تھی۔ کبھی سوچتا سمجھتا ہوا سا معلوم ہوتا اور کبھی بیکھنے لگتا۔

چڑھائی پر سے آنے والے قریب آتے جا رہے تھے۔ سات آدمی تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اور قریب آنے پر حمید نے فریدی کو پہچان لیا۔ وہ ایک دبلے پتے پرست قد غیر ملکی کے برابر بھی چل رہا تھا اور دونوں کے درمیان گفتگو بھی جاری تھی۔ وہ بالکل قریب آگئے۔

فریدی نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر سر کو جبٹیں دی اور نحیف الجہ سفید فام غیر ملکی سے انگریزی میں کہا۔ ”یہ ہے وہ یہے ہوش آدمی جو اپنی یادداشت کو بینجا تھا۔“

”اور یہ اسی دھماکے کی وجہ سے بے ہوش ہوا تھا۔“ غیر ملکی نے پوچھا۔

”ہاں ڈاکٹر نہیں۔“

”تب تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد اس کی یادداشت واپس آجائے۔“

”حال اب اسے یہاں سے لے چلنا چاہئے۔“

”ذی آئی جی کو اسٹرپچر پر ڈال دیا گیا۔ سعیدہ خاموشی سے سب کچھ دیکھتی رہی تھی۔“

جید کی آنکھوں میں ٹھنڈک سی دوڑ گئی۔

عمارت کے برآمدے ملے نکل پہنچ تو یہ کیفیت ہوئی جیسے فرش ہی پر لیٹ کر سو جائے گا۔
نجیف الجیش غیر ملکی جسے فریدی ڈاکٹر نیشنل کہہ کر مخاطب کرتا رہا تھا حمید کی کر تھپٹھپا کر
بولا۔ ”نہیں جوان..... پہلے تم گرم پانی سے غسل کرو گے۔ پھر میں تمہیں ہلاکنا شستہ دلواؤں گا اس
کے بعد تم متواتر تین دن تک سوتے رہنا۔ مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔“

حمد نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جبکش دی اور اُس کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ نشت کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ یہاں ایک بڑی مخصوص صورت لڑکی نے انہیں خوش
آمدی کی تھی اور ڈاکٹر نیشنل نے اُسے اپنی بیٹی کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

غدوخال کی دلکشی حید کے معیار کے مطابق تھی۔ لیکن اس وقت دوبارہ سو جانے کی
چڑھائی دشوار گزار نہیں تھی۔ اسٹریچر اخنانے والے تو اسی طرح چل رہے تھے جیسے ملا نواہش کے علاوہ اور کوئی لگن نہیں تھی۔

ڈاکٹر نیشنل کی ہدایات پر عمل کر کے ہی وہ خواب گاہ کمک پہنچ سکا۔

نیندہ ہن پر کسی تیز قسم کے نشے کی طرح طاری ہوئی تھی اور اُس نے خواب کے دھنڈکوں
حمد کچھ نہ بولا۔ بولنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دو تین دن آرام کے
میں دیکھا تھا جیسے وہ اتنا موٹا ہو گیا ہے کہ اپنی جگہ سے جبکش نہیں کر سکتا۔

اس نے خواب ہی میں قہقهہ لگا کر کہا۔ ”بیہی ہے میری جنت۔“

پھر آنکھ کھلی تو کانوں میں مینڈوں کا ایک طربی نغمہ گونجنے لگا تھا۔

ڈاکٹر نیشنل کی بیٹی ربیکا خواب گاہ کے ایک گوشے میں کھڑی مینڈوں بجارتی تھی۔

حمد کے بیدار ہو جانے پر وہ ہاتھ روک کر آکے بڑھی اور معدنرت طلب لجھ میں بوی۔

ڈیلی نے کہا تھا کہ تمہیں شام کی چائے کے لئے جگا دیا جائے۔ لیکن چونکہ تم ذہنی

جھکلوں کا شکار ہوئے ہو اس لئے جگانے کے لئے کوئی خوٹگوار طریقہ اختیار نیا جائے۔“

”تم مینڈوں بہت اچھا بجااتی ہو۔“ حید مسکرا لیا۔

”شکریہ..... میں بچپن ہی سے مشق کرتی آئی ہوں۔“

چائے کے بعد وہ فریدی کے ساتھ باعچے میں آبیٹھا تھا۔

چلتے وقت اس کے قدم لا کھڑانے لگے۔

”اے سہارا دو۔“ فریدی نے حید سے کہا۔

”سہارا.....؟“

”تم بھی ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”قائم کہاں ہے؟“ حید نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔“ فریدی نے کہا اور سعیدہ کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چلتے چلتے پھر لا کھڑا تھا۔

”مجھ سے تو اس پہاڑی پر نہیں چڑھا جائے گا۔“

”کوشش کرو۔“ فریدی نے زم لجھ میں کہا اور اُس کا بازو پکڑے چلتا رہا۔

چڑھائی دشوار گزار نہیں تھی۔ اسٹریچر اخنانے والے تو اسی طرح چل رہے تھے جیسے ملا نواہش کے علاوہ اور کوئی لگن نہیں تھی۔

زمیں پر چل رہے ہوں۔ نجیف الجیش غیر ملکی حید کے برابر چل رہا تھا۔

”تم تینوں کا طبی معاشرہ بہت احتیاط سے کرنا پڑے گا۔“ اُس نے حید سے کہا۔

حمد کچھ نہ بولا۔ بولنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دو تین دن آرام کے

بغیر وہ کسی قابل بھی نہیں ہو سکے گا۔

کچھ اوپر جا کر راستہ کی قدر دشوار ہو گیا تھا۔

”کیا تم چڑھائی پر کچھ گھٹنی میں محسوس کر رہے ہو۔“ غیر ملکی نے حید سے پوچھا۔

”نہیں تو.....!“

”یہ اچھی علامت ہے۔ مضبوط اعصاب کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

حمد خاموشی سے راستے طے کرتا رہا۔

اوپر پہنچ کر انہیں کچھ دور ڈھلان پر اترنا پڑا۔ پھر وہ ایک مسلح قلعے میں داخل ہوئے۔

یہاں اگی ہوئی بنا تات کو بڑے سلیقے سے سنوارا گیا تھا۔ بزرے کے درمیان خوبصورت روٹیاں

تھیں اور وسط میں لکڑی اور پتھر سے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کا پیشہ حصہ عتلہ

بچپاں کی بیٹوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

”آخر یہ سب کیا تھا.....؟“ اس نے اس سے پوچھا۔

”میرا ایک اندریشہ جو سو فیصد درست لگتا۔“

حید سوال یہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ ”مجھے تم
تھا کہ ہوٹل میں کہیں نہ کہیں ڈائنا میٹ ضرور لگائے گئے ہوں گے تاکہ ضرورت پڑنے پر
راستے تباہ کئے جائیں جو ہوٹل سے سرگ مک جاتے تھے۔“

”کیا اس آدمی کے مارے جانے کی بنا پر انہوں نے راستے تباہ کر دیے۔“

”رینا کی فریب دعی پر۔“

”رینا کی فریب دعی؟“ حید چونک پڑا۔

”تمہیں حرمت کیوں ہے؟“

”وہ تو آپ کے لئے بہت پریشان تھی۔ آپ افٹ کے ذریعے نیچے پلے گئے تو“ پایا۔ کیونکہ تم تینوں عیین یہوش ہو گئے تھے۔ صبح پیاس محسوس ہوئی تو تم لوگوں کو وہیں چھوڑ کر بوکھلائی ہوئی میرے پاس آئی تھی اور کہا تھا کہ کرمل صاحب نے بہت زرا کیا۔ تھا سرگ مل کی طلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر تک بھلکتے رہنے کے بعد یہ عمارت نظر آئی۔ ڈاکٹر نہیں جانا چاہئے تھا۔“

”اچھا.....!“ فریدی کے ہونتوں پر طریقی مسکراہٹ نظر آئی۔

”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“ حید جھنگھلا گیا۔

”وہ میرے ساتھ اس کمرے میں رہ گئی تھی۔ تم یہی سمجھے ہو گے کہ شاید میری رہنمائی کا“ ”آخر یہ ہے کیا چکر.....؟“ حید اپنا سر سہلاتا ہوا بولا۔ ”آپ نے مجھے یہاں کیوں بھیجا چاہتی ہو گی۔ کیونکہ میں بھی یہی سمجھا تھا لیکن میں ابھی لاش کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اس نے امور مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ مجھ پر سعیدہ کی دیکھ بھال کی بھی ذمہ داری ہو گی۔“

شیشے کی ایک گیند جس میں گیس بھری ہوئی تھی میرے قریب فرش پر ٹھنڈی۔ میں فوری طور پر ”میں نے تم دونوں کو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ وہ تمہیں بیچان بھی سکتے اس سے متاثر ہو کر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ وہ اطمینان سے سرگ میں داخل ہوئی اور اپنے لیے اپنیں۔“

باس کو نقاب پوش کے مارے جانے کی اطلاع دے دی۔ ظاہر ہے کہ پھر وہ ہوٹل والے رانے ”پھر فریدی مختصر اس رات کی کہانی دہراتا رہا۔ جب ایک اجنبی چور دروازے سے اس کیسے برقرار رکھ سکتے تھے۔ اگر میں کچھ دریہ اور ہوش میں نہ آتا تو ہوٹل سے ایک آدمی بھی زندہ لی کریں میں داخل ہوا تھا اور اسے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ڈی آئی جی ہے اور کس باہر نہ نکل سکتا۔ اب وہاں ملے کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔“

”اس کا جنم کسی دوسرے کے جسم سے بدلتا ہے۔“ حید ناٹے میں آگیا۔ ایک بار پھر وہ دونوں دھماکے اس کے ذہن میں گونجے اور“ حید حرمت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہو جانے کے بعد

میں بذرکے کری کی پشت گاہ سے مک گیا۔

بھی کچھ دیر تک اس کی بھی حالت رہی۔ پھر طویل سانس لے کر وہ کچھ کہنا تھی چاہتا تھا
ہیلی کو پڑ کے شور کی طرف متوجہ ہو گیا جو شام کی باعثی میں اتر رہا تھا۔
”چلو اندر چلیں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

حمد طوعاً و کرہا اٹھا تھا۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ کھلی فضا چھوڑ کر کروں کی گھن میں
واپس جائے۔

نشت کے کمرے میں سعیدہ اور بیکا چھلیوں کی اقسام پر گفتگو کر رہی تھیں۔ انہیں
کر خاموش ہو گئیں۔ پھر سعیدہ ہیلی کو پڑ کی آواز کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”انکل گراہم ہوں گے۔“ ربیکا بولی۔ ”وہ ہمیشہ ہیلی کو پڑ کی ذریعے بھال
ہیں۔ تم نے تو نام سنा ہوگا۔ کرمل گراہم کا۔ تمہاری فوج کے پہاڑی ڈویژن کے تربین
شیخیت سے بھاہ مقیم ہیں۔“

”مجھے فوج وغیرہ سے کوئی چیز نہیں۔ اس لئے نام سننے کا بھی سوال نہیں پیدا ہوا۔“
ربیکا اٹھ کر برآمدے میں چلی گئی۔ وہ لوگ وہیں بیٹھ رہے۔

ہیلی کو پڑ لیند کر چکا تھا اور ہوا کا جھٹک کمرے کے اندر بھی محبوس ہوا تھا۔
کچھ دیر بعد ربیکا ایک بلڈاگ قسم کے آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔
نوادردانی ٹیکوں کو دیکھ کر دروازے کے قریب ہیٹھک گیا۔ اس کے جڑے غیرہ
طور پر بھاری تھے اور کوئاہ گردن ہونے کی بنا پر ایسا لگتا تھا جیسے ٹھوڑی سینے پر لگی آرہی ہو۔
چھوٹی اور چکلی تھیں۔ سر پر گھنے بال نئے جنمیں بڑھ سلیقے سے پیچے کی طرف موڑا گیا تھا
”یہ وہی لوگ ہیں..... اس خادم کے شکار۔“ ربیکا بولی۔

نوادر نے پتھر انداز میں سر کو جبنت دی۔ پھر اس کی نظر فریدی پر پڑی اور وہ اسے گھونا
فریدی بھی پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھے جا رہا تھا۔

پھر یہ منظر حمید اور سعیدہ دونوں بھی کے لئے ڈیکپی کا باعث بن گیا۔ ایسا مطلا
تھا جیسے دو دنre ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے زاویہ تلاش کر رہے ہوں۔

”فھتا اجنبی نے کھنکا کر فریدی کے چہرے سے نظر ہٹا لی اور بیکا سے بولا۔
”یہ بہت نیک کام ہے کہ حداثات کا شکار ہونے والوں کی دیکھ بھال کی جائے۔ ڈاکٹر
کہاں ہے؟“
”وہ اندر ایک مریض کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔“
”تم انہیں میری آمد کی اطلاع دے دو۔“
ربیکا اندر چلی گئی۔

نوادر نے حمید سے کہا۔ ”میں گراہم وغیرہ شیلہ ہوں۔ کرمل جی ڈبلیو شیلہ..... یہاں
پہاڑی دستوں کے انٹر کٹر کی حیثیت سے تمہاری حکومت نے میری خدمات حاصل کی ہیں۔“
”ڈالا یکٹھا ٹویٹ یو.....!“ حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”میں ڈاکٹر زین
ہوں..... اور یہ کرمل ہارڈ اسٹوں۔“

اس نے اٹھ کر فریدی سے مصافحہ کیا اور سعیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔
”مس باللہ اسپیرو وہ.....!“ حمید بولا۔

”میرا نام سعیدہ رحمان ہے۔“ سعیدہ غرائی۔ ”یہ آدمی کریک ہے۔ نہ اس نے اپنا صحیح
نام بتایا ہے اور نہ دوسروں کا۔“

کرمل گراہم پر تشویش نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ درست ہے۔“ فریدی بولا۔ ”چھپلی رات کے دھماکوں نے اس کے ڈین پر اثر ڈالا
ہے۔ میرا نام احمد کمال فریدی ہے اور اس کا ساجد حمید۔“

”واقعی وہ دھماکے حیران کن تھے۔“ کرمل گراہم بولا۔ ”آپ کا کیا خیال ہے ان کے
تعلق.....؟“

”کیا کہا جا سکتا ہے۔ چھپلی شام اس ہوٹل میں ایک حریت اگنیز واقع ہوا۔“ فریدی نے
کہا اور ایک آدمی کے لگھل کر بہہ جانے والی کہانی سنانے لگا۔ پھر بولا۔

”اس کے بعد اچاکم پولیس آفیسروں نے اعلان کیا کہ ہوٹل کی عمارت خطرے میں ہے لہذا لوگ وہاں سے نکل کر جتنا تیر دوڑ سکتے ہوں دوڑیں اور عمارت سے دور پہنچنے کا کوشش کریں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ کرٹل گراہم سرہلا کر بولا۔ ”میں نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔“ ”دیکھتے بھی تو کیا ہوتا۔ اخبارات تو صرف اغوا اور عصمت دری کے واقعات سے بھرے ہوتے ہیں اور انداز پیان اتنا لذت اگزیز ہوتا ہے کہ آج کل جوش ناول نگار بیٹھے کھلار مارا کرتے ہیں۔“ حمید سانس لئے بغیر بوتا چلا گیا۔ ”کیا خیال ہے آپ کا؟ اخبارات کی روشن کھڑا ہو کر دہڑا۔“

کی بناء پر چٹ پٹے ناولوں کی سلسلہ کم ہو گئی ہے اور بازاروں میں جیرت اگزیز کپسولوں کی بھرماں ہو گئی ہے۔ ایک کپسول کھا لیجئے اور چار پائی سر پر انھا کر میلوں دوڑتے چلے جائیے..... بارہ مسالے کی چاٹ۔“

”بینچ جاؤ۔“ کرٹل گراہم ہاتھ ہلا کر غرایا۔ ”میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں..... باہر چلو۔“ حمید نہ تنہ چلا کر بولا۔ گراہم نے فریدی کی طرف دیکھا۔

اُسکے خاموش ہوتے ہی فریدی مغموم لجھے میں بولا۔ ”دھاکوں سے پہلے اچھا خاصا تھا۔“ ”تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ڈاکٹر شڈل تک پہنچ گئے۔“ کرٹل گراہم بولا۔ ”اس پر تما کی رحمت ہے۔ وہ مردہ نوں میں جان ڈال دیتا ہے۔“

”چھینی طریقہ علاج بھی مردوں میں جان ڈال دیتا ہے۔“ حمید غصیلے لجھے میں بولا۔ از میں دیکھی کر بس۔

”کسی ماہر طب چین سے مل کر دیکھو۔“ ”کیا یہ شخص کیونست ہے۔“ گراہم نے فریدی سے پوچھا۔ ”نہیں تو.....؟“

”پھر کیوں چین کی بات کر رہا ہے؟“ ”طب چین کا تذکرہ کر رہا تھا۔“ فریدی حمید کو گھوڑتا ہوا بولا۔ ”چین والے طب چین سے زمین پر موجود ہے میں صحیح الدماغ نہیں ہو سکتا۔“

کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ بھی ہماری ایجاد ہے۔“ ”محج سے کواس کی تو اچھانہ ہو گا۔“

”تمہارے ذہن پر بھی کچھ اثر معلوم ہوتا ہے۔“ گراہم فریدی کو عجیب سی نظروں سے لے گیا۔ ”کیم جان نہیں چھوٹی۔ تم تو جان کو گلی ہی ہوئی تھیں۔ اس ڈاکٹر شڈل کے پیچے کے دیکھتا ہوا بولا۔“

استنے میں رہیکا اندر سے آگئی۔ اس نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر شڈل ابھی مریض کو دیکھ رہا ہے۔

حمد سر جھکا کر بینچ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس سے پہلے کوئی بات نہیں ہوئی ہو۔

”آپ نے ابھی سیرے بارے میں بھی کچھ اظہار خیال کیا تھا۔“ فریدی نے کرٹل

گراہم کو غصیلے انداز میں مخاطب کیا۔

اور وہ چونک کر اُسے گھوڑے نے لگا۔

”میں اتنے کمزور اعصاب کا آدمی نہیں ہوں۔ آپ مجھے بھی کیا سمجھتے ہیں۔“ حمید یکھت

مارا کرتے ہیں۔“ حمید سانس لئے بغیر بوتا چلا گیا۔ ”کیا خیال ہے آپ کا؟ اخبارات کی روشن

کھڑا ہو کر دہڑا۔“

”بینچ جاؤ۔“ کرٹل گراہم ہاتھ ہلا کر غرایا۔

”میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں..... باہر چلو۔“ حمید نہ تنہ چلا کر بولا۔

گراہم نے فریدی کی طرف دیکھا۔

”یہ کیا کر سکتا ہے۔“ فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنمیش دی۔

حمد کھڑا گراہم کو لکھا رتا رہا اور رہیکا بڑے زوس انداز میں بھی اُس کی طرف جاتی اور بھی

راہم کی طرف۔ بھی بے بسی سے فریدی کی جانب دیکھتی اور سعیدہ کی طرف تو ایسے ملتجیا رہ

کی رحمت ہے۔ وہ مردہ نوں میں جان ڈال دیتا ہے۔“

”چھینی طریقہ علاج بھی مردوں میں جان ڈال دیتا ہے۔“ حمید غصیلے لجھے میں بولا۔ از میں دیکھی کر بس۔

”کسی ماہر طب چین سے مل کر دیکھو۔“

”کیا یہ شخص کیونست ہے۔“ گراہم نے فریدی سے پوچھا۔

”نہیں تو.....؟“

”پھر کیوں چین کی بات کر رہا ہے؟“

”طب چین کا تذکرہ کر رہا تھا۔“ فریدی حمید کو گھوڑتا ہوا بولا۔

”میں گھج سے کواس کی تو اچھانہ ہو گا۔“

کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ بھی ہماری ایجاد ہے۔“

”تمہارے ذہن پر بھی کچھ اثر معلوم ہوتا ہے۔“ گراہم فریدی کو عجیب سی نظروں سے

لے گیا۔ ایک عدد موجود ہے۔ واہ کیا نام ہے رہیکا..... رہیکا..... ایسا لگتا ہے جیسے کوئی سلیم الطبع

لے لئے رہیکا پوس رہی ہو۔“

”تم اسے بہاوا..... ہم کمرے میں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔“ ڈاکٹر نڈل نے ریکا سے کہا۔
اور وہ اندر سے اپنا مینڈ لین اٹھا لائی۔ پھر باعچے کے ایک گوشے میں طریقہ نفر گو بنخ لگا۔
وہ لوگ ڈرائیور روم میں چلے گئے تھے۔
حید کے ہوتوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اُسے بڑے رومنٹک انداز میں دیکھتا رہا۔

حید بیکھیوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

یک سعیدہ اُسے وہیں چھوڑ کر بہت سچھا کر بولا۔

بڑھ گئی۔ حید اسی جگہ کھڑا رہا۔ لیکن فریدی نے اُسے نہ صرف آوازیں دیں بلکہ اُسے

ریکا نے ناروں پر سے مھراب ہٹالی۔

”کیا تمہیں وہ دن یاد ہیں۔“ حید نے سرگوشی کی۔

”کون سے دن.....؟“

”اب سے ہزاروں سال پہلے کی بات ہے۔ دریائے دجلہ کے کنارے ہمارا گاؤں تھا۔
ہمارا باب پڑا جابر آدمی تھا اور مجھے تم سے محبت تھی۔ ہم دجلہ کے کنارے ملتے تھے۔ یاد کرو۔
لپر کو نسیگیت کیا کرتی تھیں۔“

”مجھے تو یاد نہیں؟“ ریکا نے آہستہ سے کہا۔

”مجھے یاد ہے..... تم گاتی تھیں..... میری اونٹی کی کا جل بھری آنکھیں دو ایسے جیشے
ماجن کے کنارے شام ہو گئی ہو اور اسکے پیروں کے گھنگھروں ایسے گیت فضاوں میں بکھیرتے
ہیں۔ مگر پانی بھرے سیاہ بادل کھجوروں کی چوٹیوں کو چھوٹے لگتے ہیں۔ کیوں؟ یاد آیا تمہیں؟“

”ہاں..... ہاں..... یاد آگیا مجھے۔“

”اچھا تو..... وہی گیت سنادو..... پورا گیت..... میں اُسے ذہن نشین کر لیتا چاہتا ہوں۔“

”وہ..... وہ تو..... پورا گیت..... تم ہزاروں سال پہلے کی بات کر رہے ہو۔“

”ہاں..... اس دور کی بات جب دجلہ کے دونوں کناروں پر ”بنی تقلق“ کی بادشاہت
ماوراء ”بنی طہورا“ کی بیوہ عورتیں اوث کی میکتیاں اچھال کرنی تقلق کو بدؤعا میں دیا
لی۔ تمہری۔“

”ہوش کی باتیں کرو..... تم مجھے یقوف نہیں بناتے۔“ وہ پھر کار کو جھکا دے کر کیا۔

”اب زندہ رہنے والی مجھے یا نہیں۔“

”میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔“ وہ دانت پیس کر بولی اور کار چھوڑ دیا۔

وہ باعچے کے وسط میں کھڑے تھے اور بقیہ لوگ برآمدے میں کھڑے انہیں کھڑے

جارہے تھے۔ ان میں ڈاکٹر نڈل بھی تھا۔

حید بیکھیوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

یک سعیدہ اُسے وہیں چھوڑ کر بہت سچھا کر بولا۔

بڑھ گئی۔ حید اسی جگہ کھڑا رہا۔ لیکن فریدی نے اُسے نہ صرف آوازیں دیں بلکہ اُسے

جانے سے روکنے کے لئے خود بھی برآمدے سے نیچے اتر آیا۔

وہ جاتے جاتے مڑکر چھپنی تھی۔ ”میں پاگلوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔“

فریدی نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اُسے جالیا۔

”ڈاکٹر سعیدہ.....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”تم بڑے عجیب حالات سے“

”بچوں کی سی ضد نہ کرو۔ اس سے ایک حماقت ہو گئی ہے لہذا بناہنا پڑے گا۔“

”آپ کیسے برداشت کرتے ہیں ایسے اول جلوں آدمیوں کو۔“

”خیر اس بحث کو دوسرا وقت کے لئے اخھار کھو..... واپس چلو۔“

سعیدہ بہت بُرا سامنہ بنائے ہوئے اس کے ساتھ واپس آگئی۔

حید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

ڈاکٹر نڈل نے فریدی سے کہا۔ ”وہ جو کچھ کر رہا ہے کرنے دو۔ کسی بات پر مجبور نہ کر۔“

”یہ نامکن ہے ڈاکٹر کے میں یہاں کھڑا رہ کر اس کی گھر انی کرتا رہوں۔“ فریدی

ناخوٹگوار لجھے میں کہا۔

”تم اس کی فکر نہ کرو۔ ریکا اُسے سنبھالے گی۔“

”خدا ریکا کو سنبھالے۔“ سعیدہ ہوتوں ہی ہوتوں میں بڑھائی۔

فریدی ڈرائیور روم میں چلا گیا۔

”ہاں..... ہاں.....!“ ربیکا بُوکھلائے ہوئے لجھے میں بوئی۔

”تو پھر سنادو وہی گیت۔“

”مگر اب میں عربی تو گانجیں سکتی۔ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے۔“

”اگر یزی میں سنادو..... کوئی بات نہیں۔“

”لیکن..... لیکن.....؟“

”لیکن..... ویکن کچھ بھی نہیں۔ مجھے یاد ہے۔ ایک بار تمہارے باپ ”امن غلبہ“ تمہیں میرے قریب گاتے سن لیا تھا۔ میرے خدا کتنا بھیاںک دن تھا۔ اس نے اپنے فخر تمہاری ناک کاٹ دی تھی۔“

ربیکا بُوکھلا کر اپنی ناک ٹوٹنے لگی اور پھر احتقانہ انداز میں نہیں پڑی۔ حمید کہتا ہے۔ مجھے قتل کر کے میری لاش دجلہ کی یہروں کے حوالے کر دی تھی۔ لیکن جانتی ہو۔ اس دفن میری روح تمہارے گیت میں مگن تھی اور جب تک تم بھی جسم کی قید سے آزاد ہو کر ”این بل“ کے حضور میں نہیں پہنچ گئی تھیں میری روح تمہارے گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ ہر ہجہ تمہاری ناک کث چکلی تھی اور تمہارے گیتوں میں ہلکی سی مننا ہٹ بھی شامل ہو گئی تھی۔ میری روح اسی ذوق و شوق کے ساتھ اس گیت پر رقص کرتی رہی تھی۔“

”اے لڑکی.....!“ دفعتاً سعیدہ کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں چوکٹ پڑے۔

سعیدہ ربیکا سے کہہ رہی تھی۔ ”اس کی باتوں میں نہ آتا..... خود کو تباہ کرنی شروع گی۔“

”اے.....!“ حمید حلق پھاڑ کر چینا۔ ”یہ پھر میرا دماغ چاٹ رہی ہے۔ اے بیٹا

ہٹاؤ..... ورنہ میں کسی اوپنجی چستان سے چھلانگ لگا دوں گا۔“

وہ سب دوڑتے ہوئے کرے سے باہر آئے اور ڈاکٹر نسڈل غصب ناک آنکھا سعیدہ کو گھوڑنے لگا۔ پھر اس نے بے حد غصیلے لجھے میں فریدی سے کہا۔ ”تم اس لڑکی کو اور ورنہ میں اس کو کسی کمرے میں بند کر دوں گا۔“

”سعیدہ.....!“ فریدی اسے گھوڑنے لگا۔

سعیدہ سر جھکائے خاموش کھڑی اپنے ہوش چباری تھی۔
ایک خوش رنگ پرندہ سریلی آوازیں نکالتا ہوا اُن کے سروں پر سے گزر گیا۔



قاسم بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ لیکن گرتا پڑتا بھاگ ہی جا رہا تھا کہ پہلا دھاکہ اُسے منہ کے مل زمین پر لے آیا اور دوسرے دھاکے نے اس کے ہوش و حواس ہی غائب کر دیئے۔ اپنی سدھن درہی۔

پھر ہوش آنے پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ دو تین بار آنکھیں کھول کھول کر بند کر لیں تھیں۔ نیم بیدار ہیں پر عذاب قبر کا خوف مسلط تھا۔ سہا ہوا تھا کہ لکیریں پڑتیں کہیں کس قسم کے سوالات کریں۔

پھر یک بیک وہ بڑوانے لگا۔ ”اے باپ رے..... مجھے عربی تو آتی ہی نہیں۔ اے فرشتو بھائیو! اردو میں پوچھنا جو کچھ پوچھنا ہو..... الاقسم میں بالقل بے گناہ ہوں۔ یہ سالے اہر اہر والے بہکادیتے تھے۔“

انتے میں کہیں سے گھنٹی بجتے کی آواز آتی اور وہ گڑگڑا نے لگا۔ ”آ گئے..... آ گئے..... اسے قبر میں بھی گھنٹی لگی ہوئی ہے..... آ جائیے..... توں صاحب ہیں۔ جتاب.....؟“

کسی نے اس کا شانہ پکڑ کر جنگوڑا اور قاسم آنکھیں کھولے بغیر گھکھیا تارہا۔ ”حضور عالی..... جتاب والا..... میرا رب وہی ہے جو آپ کا ہے۔ مگر میں سالا بڑا گنگہار ہوں۔ مانی..... دلواد بجھے..... الاقسم پھر جو کبھی کسی کے بہکائے میں آؤں۔“

”اٹھو کیا بکواس لگا رکھی ہے۔“ ایک بڑی سریلی آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی اور وہ آنکھیں کھولے بغیر دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبا کر کراہا۔ ”ہائے تم بھی عورت بن کر آئے

ہو.....اب میں قیا.....قرولی.....!

”یہ س طرح آنکھیں نہ کھولے گا۔“ نسوی آواز پھر سنائی دی۔ ”اس پر ایک بائی پالی الٹ دو۔“

”ہمیں تو کیا الامیاں کے بیہاں بھی بائی ہوتی ہے۔“ قاسم نے کہا اور مارے جمرت لیئے.....الاقسم میں تو عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔ وہ سالا حمید اکثر مجھی پھنسوادیتا ہے۔“
کے نہ صرف اٹھ کر بیٹھ گیا بلکہ آنکھیں بھی کھول دیں۔ بس ذہنی رو بہک گئی تھی۔
سامنے ایک ٹھانے سے تن و تو ش والی عورت کھڑی نظر آئی۔ عمر زیادہ سے زیادہ چمیں فکر نہ کرو۔“
ستائیں سال رہی ہوگی۔ جیسیں اور جیکٹ میں ملبوس تھی۔ قاسم اسے دیکھ کر منہ چلانے لگا۔

پھر جلدی سے دونوں گال پیٹ کر رکھ دیئے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ عورت نے پوچھا۔

قاسم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”الاماف کرے۔“

”منہ کیوں پیٹ رہے ہو؟“

”کیسے فرشتے ہو.....پتہ لگاؤ۔“

”فرشتے؟“

”عورت بن کر قیوں آئے ہو؟ میرا امتحان لینے۔!“

”تم ہوش میں ہو یا نہیں؟“

”میں بہت اچھا آدمی ہوں۔۔۔ بس کبھی کبھی سنک جاتا ہوں۔“

”کیا بک رہے ہو؟“

”اچھا لے لو امتحان۔۔۔ دخنو۔۔۔ کتنا شریف آدمی ہوں۔۔۔ تم اسکی چلوں پہنے ہو۔۔۔ پھر بھی میں کھا موش ہوں۔“

”ہوش کی باتیں کرو ورنہ اٹھ لئا کادیے جاؤ گے۔“

”میں تو یہ کہہ رہا تھا۔۔۔ کر دخنو۔۔۔ میں کتنا شریف آدمی ہوں۔۔۔ ہی ہی عی عی عی۔“

”کہیں یہ تو نہیں سمجھ رہا ہے کہ یہ مر گیا ہے۔۔۔ پچھے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

”تو قیا نہیں مر گیا۔“ قاسم نے جمرت سے آنکھیں چھاڑ کر کہا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہے۔

”اے خدا کیلئے مجھے بہکاؤ نہیں۔ تم دونوں منکر نکیر ہو۔۔۔ بھیں بدل کر آئے ہو میرا امتحان

لیئے.....الاقسم میں تو عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔ وہ سالا حمید اکثر مجھی پھنسوادیتا ہے۔“

”دیکھو دوست.....!“ عورت کے پیچھے کھڑے ہوئے مرد نے کہا۔ ”تم سو فیصد زندہ ہو

فرکر نہ کرو۔“

”کس بات کی فکر نہ کروں۔“

”مطلوب یہ کہ بیہاں آرام سے رہو۔“

”مجھے بھونخ لگی ہے۔“

”تو اٹھو۔۔۔ ڈرائیک روم میں میز تیار لے گی۔“

قاسم کراہتا ہوا اٹھا۔ جوڑ جوڑ دھنٹا محسوس ہوتا تھا۔ مرد نے سہارا دیا اور لڑکھڑا تا ہوا چل پڑا۔

اس کرے کی ساخت عجیب تھی۔ کسی بھری جہاز کا بہت بڑا کین معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے
کرے ٹک پہنچنے کے لئے وہ جس راہداری سے گزرے وہ بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔

قاسم میز پر لگا ہوا سامان دیکھ کر بھونچ کارہ گیا اور اس پر ایک بار پھر بہت طاری ہونے لگی۔

”نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ مم۔۔۔ میں مر چھا ہوں۔“

”تم زندہ ہو۔۔۔ یہ دیکھو۔“ عورت نے اس کے زور دار چکلی لی۔

”مک۔۔۔ سی۔۔۔ ارے باپ رے۔“ قاسم اچھل پڑا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ مرد نے تکہانے لجھ میں کہا اور اس کے لئے کری مناسب جگہ پر رکھنے لگا۔

”مگی بہت اچھا۔“ قاسم روہا نا ہو کر بولا اور بیٹھ گیا۔ عجیب سی سختی ہو رہی تھی اس

وقت۔ بسورے بھی جارہا تھا اور کھانا دیکھ کر نہیں دے پھوں کی طرح منہ بھی چلانے لگتا تھا۔

”تم کھانے کی میز پر بیٹھے ہو اور یہ سب مر نے کے بعد کہاں میسر۔۔۔!“ عورت بولی۔

”تو پھر تمہیں قیسے معلوم ہوا کہ میں اتنا خانا غانتا ہوں۔۔۔ اور یہ سب کھا تا ہوں؟“ قاسم

نے کھانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 میر پر بکرے کی مسلم ران تین مرغ مسلم اور تقریباً پانچ چھ پاؤٹ کولڈ بیف موچھا [بُوشند نہیں معلوم ہوتی تھیں] وہ ایک طرف توری روئیوں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔
 ”اچھا..... اچھا..... یہ بات ہے۔“ مرد فس پڑا۔
 ”ہے نا یہی بات۔“
 ”یہی..... قیا ہے۔“ قاسم کی آواز ان کے شور میں دب کر رہ گئی۔ پھر قاسم اپنے دہنیں یہ بات نہیں۔ تم یہاں کل سی پہنچتے ہیں اور تم نے پیش میں قیام کیا اور انہیں کی طرف مڑا اور اس کے پیروں تسلی سے زمین نکل گئی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔
 وہ اس طرف کے دروازے پر جھپٹا جس سے گزر کر یہاں پہنچا تھا لیکن دروازہ بند ملا۔
 کے پیشل پر کافی زور آزمائی کرنے کے باوجود بھی وہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب
 ”باقل شخص ہے بھائی صاحب۔“
 ”بس تو پھر کھاؤ۔ تم ہمارے مہمان ہو۔ ایک جگہ بے ہوش پڑے تھے ہم لاوارث کو رکا۔
 ”خشی عورتوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کٹھروں کو توڑ کر باہر اٹھالا ہے؟“

”ہاں ہاں میں لاوارث نہیں ہوں۔“ قاسم آبدیدہ ہو کر بولا۔
 ”اب کھاؤ بھی نا۔“ عورت اس کا شانہ تھپک کر بولی۔ ”ورنہ پھر رونے لگو گے۔“
 ”ارے کیوں میرے کان کھاری ہو چوپ راؤ !“ قاسم غصہ سے سرخ ہو کر دھاڑا۔
 ”لیکن پھر لیکا یک ذہنی رو بہک گئی اور وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگا۔
 قاسم کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ دونوں اس کے قریب ہی کھڑے رہے۔ لیکن قاسم
 اپنے عذاب کا یہاں کامیاب کھانے کو نہ پوچھا۔
 ”یہ ہے عذاب ارے باپ رے اب قیاقروں میں واکنی مر گیا ہوں۔ کتنا
 آدھے گھنٹے میں وہ کھاچ کا تھا اور دونوں اتنی دیریک وہیں کھڑے رہے تھے۔
 ”اول بڑھتا تھا زندگی میں کہ یا لیبوں کا خیال نہ آئے۔ مگر آتا تھا سالا۔ اب یہ عورتیں
 ”اب قیاقروں بھائی صاحب۔“ قاسم نے نیکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ ”بے باپ رے الامیری تو بہ۔“

”آرام !“ عورت مسکرائی۔
 ”لیکن نہیں آتا کہ آپ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔“
 ”چلو ہیں سی لیکن عذاب کے فرشتے نہیں ہو سکتے۔ اس کا اندازہ تو تمہیں ہوئی گیا ہے۔“
 ”کھلکھل کے ساتھ کھل گیا اور ایک عورت اس میں سے نکل کر قاسم کی طرف جھیٹ۔
 ”ارے ارے !“ قاسم بوكلا کر پیچھے ہٹا۔

”وہ اس کا باتھ پکڑ کر کٹھرے کی طرف کھینچنے لگی۔
 ”کھیر خیر چلنے آرام بھی قرلوں۔“ قاسم اٹھتا ہو ابولا۔
 ”وہ اس کمرے سے نکل آئے لیکن اب ان کا رخ اُھر نہیں تھا جہاں سے قاسم کو لائے بغیر طویل راہداری سے گزر کر وہ ایک عجیب سی جگہ جا پہنچے۔ چاروں طرف بڑے بڑے

دردازہ بند کرتے دیکھا۔

”تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔

”کیا مجھے سو جانا چاہئے تھا۔“

”میرا حق تونیں سمجھتا تھیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”هم خطرے میں ہیں۔“

”میری خطرے میں می رہتے ہیں۔“ حمید بیزاری سے بولا۔ ”کوئی نئی بات کہئے۔“

”نئی بات یہ کہ سعیدہ اپنے کمرے میں بے خبر سوری ہے۔ لیکن ذی آئی جی صاحب کا

بڑا خالی ہے۔ میں نے انہیں پوری عمارت میں ڈھونڈ ڈالا۔“

”اور وہ دونوں باپ ہیں؟“

”وہ بھی ایک کمرے میں سوئے پڑے ہیں۔“

”تو پھر.....؟“

”یہی دیکھنا ہے کہ اب کس کا بستر خالی ہوتا ہے۔ تم پاپ بجھا کر لیت جاؤ۔“

”تو کیا مجھے ہی پہلے بھوایے گا۔“

وہ اپنے کمرے میں تنہا تھا۔ ذی آئی جی اور سعیدہ ایک کمرے میں رکھے گئے۔

”فضل بالمن مت کرو۔۔۔ یہ اچھا ہے کہ تم نے کپڑے نہیں اٹھا رہے۔ اسی طرح لیٹ فریدی کا بستر بھی حمید ہی والے کمرے میں تھا لیکن رات کے کھانے کے بعد حمید، فریدا کرکمل تان لو۔۔۔ ریو اور لوڑ کر لیتا۔“

ڈاکٹر نسڈل کو کسی بحث میں الجھا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

”نہیں کروں گا۔“

جھپٹتی ہے

حمدیکو نیند نہیں آ رہی تھی۔ شام ہی سے اس نے محسوں کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ لہ کسی الجھادے میں پڑنے والے ہیں۔ کریم جی ڈبلیو شیلڈ اسے اچھا آدمی نہیں لگا تھا۔ وہ خود اب بھی بیہی ظاہر کر رہا تھا کہ کسی قسم کے ذہنی فتور میں مبتلا ہو گیا ہے کیونکہ نے اس کی اس حرکت پر سرزنش نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کے خلاف نہیں۔

”خضول بالمن مت کرو۔۔۔ یہ اچھا ہے کہ تم نے کپڑے نہیں اٹھا رہے۔ اسی طرح لیٹ فریدی کا بستر بھی حمید ہی والے کمرے میں تھا لیکن رات کے کھانے کے بعد حمید، فریدا کرکمل تان لو۔۔۔ ریو اور لوڑ کر لیتا۔“

”حمدی اس کی ہدایت پر عمل کرتا ہوا ہڑپڑا یا۔۔۔ لیکن میں اب یہاں سے کہیں اور جانا پسند نہیں کروں گا۔“

حمدی اس وقت کھڑکی کے قریب کھڑا باہر پہلی ہوئے اندر ہرے میں گھور رہا تھا۔ ”میں تمہارے دکھ درد سے واقف ہوں فرزند۔۔۔ صبر کرو۔۔۔ تم پر تو قدم قدم پر دکھوں معمول کے مطابق تھی۔ حمید نے پاپ میں تمباکو بھرتے وقت سوچا آخر یہ ڈاکٹر نسڈل کے پہاڑ نوٹے ہیں۔۔۔ ایک ریٹا میں تھی وہ اس طرح ضائع ہوئی۔ اب ربیکا عذاب کے فرشتے اس ویرانے میں کیوں مقیم ہے۔ ویسے وہ اسے ایک خدا ترس اور شریف آدمی معلوم ہوا۔ لکھا تھا کہ تم پر نازل ہوئی ہے۔“

”اس کی لڑکی؟ اس کا کیا پوچھنا۔ وہ تو اس کے پاگل بن میں بڑی شدت سے دیکھتا۔“

”تھی۔ لیکن آخر سعیدہ کی برافروختگی کا کیا مطلب تھا۔ وہ کیوں خفا ہو رہی تھی اس حرکت؟“

”وھنخا وہ کسی قسم کی آواز سن کر چوک پڑا۔ آواز کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی کو ہے۔“

خوفزدہ چوپائے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کا ذہن بھی تاریکی میں ڈوبتا رہا پھر اسے ہوش نہیں کہ اس کے

ہوا تھا۔

خدا نہیں رہا۔ ربکا اسے پسند آئی تھی اور وہ کچھ دن اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔

ڈی آئی جی کی بازیابی کی بناء پر اب کچھ دن یہاں قیام کرنے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔

ڈی آئی جی جواب طلب نظرؤں سے فریدی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”سب کچھ ممکن ہے اس ایسی دور میں۔“ فریدی بولا۔

”کس طرح ممکن ہے؟“

”اسے دیکھنا پڑے گا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں..... اگر اس صورت میں گھروالپس گیا تو مجھے کون قول کرے گا۔“

”یقیناً یہ ایک چیزیدہ مسئلہ ہے۔ لیکن میں آپ کو مشورہ دونگا کہ آپ اس طرح بھاگنے نہیں۔“

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“ وہ سر جھکا کر اپنی پیشانی ملنے لگا۔

فریدی نے کوٹ کی اندر ورنی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور لفافے سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”ذرائعے دیکھئے۔“

ڈی آئی جی نے ہاتھ بڑھا کر تصویر لی اور بیساختہ اچھل پڑا اور اس کے سارے جسم میں قمر تھری سی پڑ گئی۔

”یہی ہے..... یہی ہے..... یہ میں ہوں..... خدا کی قسم میں ہوں..... تمہیں یہ تصویر کہاں سے ملی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی اس قسم کی تصویر کھچا ہو۔“

”لا یئے..... مجھے واپس کر دیجئے۔“

ڈی آئی جی سے تصویر لے کر وہ تھوڑی دریک اسے تسلک آمیز نظرؤں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ آپ کو کسی محفوظ مقام پر بھجوادوں۔“

”ہاں..... ہاں.....!“ ڈی آئی جی سر ہلا کر بولا۔ ”میں اچھی طرح جانتا ہوں یا تو تم

لوگ مجھے جبل بھجوادو گے یا پاگل خانے میں رکھو گے۔“

”لیکن کوئی بات نہیں..... دراصل یہ آپ کو بعض لوگوں سے محفوظ رکھنے کیلئے کیا جا رہا ہے۔“

”کیا روشنی گل کر دوں.....؟“

”پیرو میکس ہے فرزند.....!“ دوبارہ روشن کرنے میں دشواری ہو گی۔ بس یونہی ہے بند کر لو۔“

پھر آدھے گھنٹے تک وہ بالکل خاموش پڑے رہے تھے۔ اس کے بعد حید بولا تھا۔

”کیا مصیبت ہے..... خاموش پڑے رہنے سے نیندا آنے لگی ہے۔“

”لیئے رہ چپ چاپ.....!“ فریدی غایا۔

پندرہ منٹ اور گزرے پھر ایسا لگا جیسے کسی نے دروازہ کھولا ہو۔ حید ایسی پوزیشن میں دروازہ کھو لئے والے نے اندر داخل ہو کر پھر دروازہ بند کر لیا۔

یہ ڈی آئی جی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کی مسکریوں کے درمیان آ کر اپنا پہلے فریدی ہی اٹھا تھا۔

”آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ اس نے ڈی آئی جی سے پوچھا۔

”میں..... میں..... میں بھاگ جانا چاہتا تھا۔ بڑی دیر تک بھکڑتا رہا۔ پھر والہا پڑا۔ اگر اس کرے میں روشنی نہ ہوتی تو انہیں پہاڑیوں میں سرگزرا تھتا۔“

”آپ کو ایسا نہیں کرتا چاہئے تھا۔“ فریدی بولا۔

”مجھے تو اب خود کشمی ہی کر لئی چاہئے۔“

”مایوس گناہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا جسم واپس ہی مل جائے۔“

”تمہارے ساتھی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک بڑے پولیس آفیسر کا جسم ہے۔“

”جی ہاں..... یہ درست ہے۔“

”لیکن یہ ہوا کیسے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟“

”بیٹھ جائے۔“ فریدی نے کری کی طرف اشارہ کیا۔

حید بھی اٹھ بیٹھا اور دل ہی دل میں خوش ہونے لگا کہ اب یہاں سے نکل جائے۔

”اس کی فکر نہ کرو..... اس جسم کے ساتھ زندہ رہنے پر میں موت کو ترجیح دوں گا۔“

”خیر فی الحال آپ آرام کیجئے۔ صبح، دیکھیں گے کہ آپ کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔“

”میں وہاں اس لڑکی کے ساتھ رات نہیں بر کر سکتا۔ حقیقتاً اُسی سے وحشت زدہ ہم زین میں کون کہاں ہو گا۔ وہ دیوار سے چپکا کھڑا رہا۔“

”میں نے بھاگ جانا چاہا تھا۔“

”اچھی بات ہے۔ آپ یہاں اس پلٹ پر آرام کیجئے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”اب آپ مجھے وحشت زدہ دیکھنا چاہتے ہیں۔“ حمید بول پڑا۔

”میں جارہا ہوں۔ لیکن تم جاگتے رہو گے۔“ فریدی نے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

”حمد اُسی طرح لیٹا رہا۔ ذی آئی جی کری عی پر بیٹھا رہا۔ آخر حمید بولا۔“ لیٹ جائیے جتابد۔

”یونہی تھیک ہوں۔“ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے کمرے میں آہستہ آہستہ آوازیں دے رہا ہو۔ وہ

کھڑکی کے قریب کھٹک آیا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ لیکن کمرے میں اندر اُس کی وجہ سے

”خیر تو پھر دو گھنٹے بعد مجھے جگا دیجئے گا۔“

”اچھی بات ہے۔ ذی آئی جی نے کہا اور کری عی پر بیٹھا رہا۔“

”کچھ حمید کی پلکیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ دو منٹ کے اندر اندر گھری نیند سو گلاد۔

پھر وہ کسی قسم کے جھٹکے ہی تھے جنہوں نے اسے جگایا تھا۔ آنکھیں کھلنے پر معلوم ہوا کہ

”ذی آئی جی اُسے بُری طرح جھنگھوڑ رہا ہے۔“

”سنو..... سنو..... گولیاں جل رہی ہیں۔“ ذی آئی جی کا پنٹا ہوا بولا۔ حمید کا ذہن فوراً

طور پر صاف ہو گیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔

تحوڑے تھوڑے و قلقے سے فائر ہو رہے تھے۔ پھر انہوں نے پے درپے کئی نسوں پیچھا

سکی۔ حمید کھڑا ہو گیا۔ اُس کا روپ الور اس کے ہاتھ میں تھا۔

”آپ پلٹ کے نیچے لیٹ جائیے جتابد۔“ حمید نے ذی آئی جی کو پلٹ کی طرف

دھکیلتے ہوئے کہا۔

””فول بابر نکلے۔ اندر ہیرے میں فریدی کا ہیوٹی نظر آیا۔ وہ کاندھے پر کسی کو اٹھا کے

وہ بے چون و چراپلٹ کے نیچے گھس گیا۔ اس کے بعد حمید نے جو سب سے پہلا کام کا

””تھا کہ پیش رو میکس بچھا دیا۔ پھر کھڑکی کے قریب والا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اب وہ باخیغ

””تھا۔“

””وہ یہ تھا کہ پیش رو میکس بچھا دیا۔ پھر کھڑکی کے قریب والا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اب وہ باخیغ

”میرے پیچھے چلے آؤ۔“ فریدی نے آہتے سے کہا۔

”اس عذاب کو تو سیکھ چھوڑ چلے۔“ حمید بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے سوچا شام سعیدہ بے ہوش ہے ورنہ اس کے اس ریال
ہزاروں سناتی۔

”چلو یار.....!“ حمید ڈی آئی جی کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے کی طرف دھکیتا ہوا
”چل تو رہا ہوں۔“

بائیچے سے نکل کر وہ ڈھلان میں اترنے لگا۔ لیکن اس کا رخ اس جانب نہیں تھا
سے وہ اس عمارت میں آئے تھے۔ بالکل ہی مختلف سمت میں یہ کاروں چل رہا تھا۔



قاسم کو ہوش آیا تو خود کو ایک کٹھرے میں پا کر دوبارہ یہوش ہو جانے کا ارادہ کرنا
کہ اچانک عقل ٹھکانے آگئی۔ سمجھا تھا جس چیز کو وہ اس حصی عورت کا زانو نہ کلا اور وہ
پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

پوری پچویش سمجھ میں آتے ہی قاسم کی گھٹھی بندھ گئی۔ فوراً ہی اپنے گناہ پھر بادا۔
اکثر اپنی بیوی کا جی جلانے کے لئے دعا مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ مرنے کے بعد مجھے وہاں

جہاں عورتیں ہوں چاہے وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔

”ارے باپ رے باپ..... یا اللہ توبہ..... یا اللہ توبہ..... وہ تو میں یونہی نہیں
قرنا تھا۔“

پھر وہ منہ بھی پینے ہی والا تھا کہ عورت دونوں ہاتھوں سے اس کے گال سہلانے لگا
”اے اللہ..... مم..... ماف کر دے میرے ہاتھ۔ اب نہیں قہوں گا۔ اب

”رے..... یا باپ..... ہپ..... ہپ..... یا اللہ ماف کر دے۔“

”تمہیں کیا ہو گیا ہے..... کیوں اتنے پر بیشان ہو۔“ عورت بولی۔

”ہاں میں..... تم بول بھی سکتی ہو۔ اردو بول سکتی ہو۔ لیکن کہ..... میں تو سمجھا تھا.....
افریقہ فریقہ سے پکڑ کر لائی گئی ہو۔“

”نہیں ڈیڑ..... میں یہیں کی پیداوار ہوں اور اردو میں فرست کلاس فرست ایم اے
ہوں..... پوری فیکٹری میں ٹاپ کیا تھا میں نے۔“

قاسم بوكھلا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں چھاڑ کر دیوں جیسی اس عورت کو دیکھنے لگا جو
بجائے خود ایک پوری فیکٹری معلوم ہو رہی تھی۔

”تو پھر..... تو پھر..... پاگلوں کی طرح ہنس کیوں رہی تھیں۔“

”اتے دنوں کے بعد ایک مرد دکھائی دیا تھا۔ خوشی کے مارے پاگل ہو رہی تھی۔“

”کتنے دنوں بعد.....؟“

”پورے پانچ سال بعد..... اور یہاں تو سب چھنگرا لئے ہیں۔“

”ہی ہی ہی ہی.....!“ قاسم نے دانت نکال دیئے اور پھر بڑے غیر یہ انداز میں اپنے
ڈیل ڈول کا جائزہ لینے لگا۔

”لیقن..... یہ اور بہت ہی عورتیں.....!“ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا اور
ایک بار پھر اس پر کچکی طاری ہو گئی۔ کیونکہ اس نے وہاں رکھے ہوئے ہر کٹھرے میں خود کو اور
اسی عورت کو دیکھا۔

”ارے باپ رے۔“ قاسم کے حلقو سے بے ساختہ قسم کی جیج نکلی اور وہ سجدے میں گر
کر گزرا نہیں لگا۔ ”اے الاماف کر دے۔ مجھے ماف کر دے۔ میں تو یہ کرتا ہوں..... اب کبھی کسی
غمزگی کی عورت پر نہیں لگاؤں گا..... اے الامیان میری مگفت کرو..... ارے ہو، ہو، ہو۔“

”کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ عورت اسے جھنجورتی ہوئی بولی۔

”گھپلانہ کرو..... گھپلانہ قرو..... شاید الاماف ہی کر دے۔“

پھر اس عورت نے ایک حرکت کی کہ قاسم بوكھلا کر جدے سے اٹھ گیا اور اسے آنکھ
چھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

”تم اتنے الوکیوں ہو ڈیر۔“

”اے الا.....!“ قاسم اس کی طرف دھیان دیئے بغیر آنکھیں بند کر کے گزار گیا۔ ”جو
آجماش..... آزمائش میں نڈال..... میں الوکا پٹھا بالکل گئنگار ہوں۔ مجھے ماف کرو۔“
”اب میں تمہیں نوج کھوٹ کر رکھ دوں گی۔ پانچ سال کی گھنٹن مجھ میں درندگی پا
کر دینے کے لئے بہت کافی ہے۔“ وہ اس کے بال پکڑ کر جب جھوٹی ہوئی بولی۔

”اے الا..... اب میں قیاقروں۔“ قاسم دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

”اے.....!“ اس نے اس کے بالوں پر گرفت مزید سخت کرتے ہوئے جھٹکا دیا
”اچھا..... اچھا.....!“ قاسم دہاڑیں مارتا ہوا بولا۔ ”آج تو ماف ہی کر دو۔“

”میں تمہارا گاگھوٹ دوں گی.....!“ وہ دانت پیس کر بولی۔

”کچھ بھی قرو..... الا مجھے ماف کر دے..... تو پھر..... دیخا جائے گا۔“

”نہیں.....!“

”الا میاں.....!“ وہ حلق پھاڑ کر چینا۔

اتنے میں سامنے والا دروازہ کھلا اور وہی عورت داخل ہوئی جس نے قاسم کو یہاں کا
پہنچایا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ وہ کٹھرے کے قریب آ کر بولی۔

”اے فرشتے بھائی۔“ قاسم ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”مانی دلوادو نا.....!“

”تم اسے پریشان کر رہی ہو؟“

”بالکل نہیں..... پہنچیں..... کیوں تو بہ تلا کر رہا ہے۔“

”اچھا..... تم باہر آؤ۔“ اس نے قاسم سے کہا۔

”نہیں یہ باہر نہیں جائے گا۔“ کٹھرے والی عورت غرائی۔

”ہوش میں ہے یا نہیں۔“

”چل..... چل.....!“ وہ ہاتھ چھٹک کر بولی۔

”نہیں..... بتاتی ہوں۔“ اس نے کہا اور جیب سے ایک چھوٹی سی تارچ نکالی۔

”نہیں..... نہیں۔“ کٹھرے والی عورت ہاتھ اٹھا کر چینی۔

”بس خاموشی سے پیچھے ہٹ جاؤ۔“

”وہ پیچھے ہٹتی ہتی دیوار سے جا گئی اور جیلن جیکٹ میں ملبوس عورت نے کٹھرے سے لگا ہوا
ایک پیش سوچ دبایا۔ کٹھرے کا دروازہ اوپر سر کتا چلا گیا۔

پھر قاسم کے اٹھ کر بھاگنے کا منظر پچھے ایسا ہی محکم خیز تھا کہ دونوں ہی ہنس پڑی تھیں۔

کٹھرے سے نکلتے نکلتے ٹوکر کھائی اور منہ کے میل فرش پر آگرا۔ اس کے بعد کٹھرے کا
دروازہ خود بخود اپنی جگہ پر واپس آ گیا تھا۔

جن والی عورت نے قاسم کو سہارا دے کر اٹھایا۔

”پیارے بھائی..... الاق تم بچالو..... مجھے بچالو۔“ وہ گزر گیا۔

”میں عورت ہوں مر نہیں۔“

”نہیں..... اب مجھے اور زیادہ نہ چھکاؤ۔ تم فرشتے ہو۔ اگر یہ دوسرا دنیا نہیں ہے
تو ہر طرف میں ہی میں کیوں نظر آ رہا ہوں۔“

”اے یہ.....!“ عورت ہنس پڑی۔ ”یہ تو آئینے میں.....!“

”نہیں.....!“ قاسم اچھل پڑا۔

”اچھا دھر آؤ..... یہاں کھڑے ہو کر دیکھو۔“

قاسم نے اس کی بتائی ہوئی جگہ پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوزائی۔ کٹھرے ہی
کٹھرے نظر آئے۔ لیکن اب جو غور سے دیکھا تو ہر کٹھرے میں صرف وہی عورت دکھائی دی
جس کے ساتھ کچھ دیر پہلے جھک مارتا رہا تھا۔

”یہ کیا قصہ ہے؟“ قاسم نے بوكھلانے ہوئے لجھے میں پوچھا۔

”میں چلوں نا یہاں سے۔“ قاسم نے پلٹ کر کٹھرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”چلو..... بجھ میں نہیں آتا کہ تم کسی بات پر یقین کیوں نہیں کرتے۔“

وہ اسے پھر ڈائینگ روم میں لائی۔ لیکن میر خالی تھی۔

”تم یہاں نہ ہو..... میں انظام کرتی ہوں.....!“ عورت نے کہا اور ڈائینگ روم سے

ٹھیک گئی۔

”صرف اسی ایک کی آواز تھی..... لیکن ستم یہ ہے کہ ہر آئینے کے پیچھے لاڈ پیکر نوں ہر جانشی میں۔“ اس کا ہر قیچہ ریکارڈ ہو کر ایک ایک سیکنڈ کے وقفے سے ہر آئینے کے پیچھے سنائی دیتا ہے۔ قاسم اس کا منتظر رہا۔ لیکن دس منٹ بعد اس عورت کی بجائے ویسا ہی ایک دیوپیکر آدی کرے میں داخل ہوا جیسا ہوٹل فیضان میں اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پکھل گیا تھا۔

”یہ آئینے اسی طرح ترتیب دیئے گئے ہیں۔“

”پہلے میں سمجھا تھا کہ بہت سی عورتیں کٹھرے میں بند ہیں۔“

”نہیں صرف ایک ہے۔“

”لیکن آوازیں تو بہت سی تھیں۔“

”اس وہم سے اپنا پیچھا چھڑاؤ کہ یہ دوسرا دنیا ہے۔ تم زندہ تھے اور اب بھی زندہ۔“ ”تم کون ہو؟“

بڑی بھاری اور گوئیلی آواز تھی۔ ایسی آواز خود قاسم پھیپھوں کا سارا زور صرف کرنے کی نکال سکتا۔

”اے جاؤ.....!“ قاسم ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ”ہونس کی اور پر جانا۔ میرا نام قاسم ہے۔“

”اس کٹھرے میں بڑا آدمی بنوں گا.....!“ قاسم نے خوفزدہ انداز میں کٹھرے کی طرز اُم۔ ہمال ہوٹل فیضان میں تم جیسا ایک عی ہاتھ میں پانی ہو گیا تھا۔“

دیوپیکر نے ہاتھ گھما دیا۔ قاسم پیچھے نہ نہت جاتا تو گال عی پر پڑا ہوتا۔ تاؤ آگیا قاسم

۔۔۔ پلٹ پڑا اور ہونے لگا ذوزر۔

کچھ دیر بعد قاسم نے محسوں کیا کہ وہ قوت میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لہذا وہ اس

اُسی میں لگ گیا کہ وہ اسے زیر نہ کر سکے۔ دو تین منٹ اسی طرح گزر گئے۔ پھر وہ عورت

بہمنیں

بہمنیں ابلے ہوئے گوشت کا نکلا لئے کرے میں داخل ہوئی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ وہ جیخنی۔

ذھنا قاسم نے محسوں کیا جیسے مقابل ڈھیل پڑ گیا ہو۔ بلکہ وہ تواب قاسم سے پیچھا چھڑا کر

عورت کی طرف متوجہ ہو جانا چاہتا تھا۔ قاسم بُری طرح تھک گیا تھا۔ وہ خود بھی چاہتا تھا کہ

ذھن ای قصہ ختم ہو۔ لہذا اس کی گرفت عی ڈھیل پڑ گئی اور دیوپیکر آدمی لٹکھڑا تا ہوا پیچھے

عورت بڑی لاپرواں سے آگے بڑھ کر میز پر گوشت کی قاب رکھ رہی تھی۔

”یہ آئینے اسی طرح ترتیب دیئے گئے ہیں۔“

”پہلے میں سمجھا تھا کہ بہت سی عورتیں کٹھرے میں بند ہیں۔“

”نہیں صرف ایک ہے۔“

”لیکن آوازیں تو بہت سی تھیں۔“

”صرف اسی ایک کی آواز تھی..... لیکن ستم یہ ہے کہ ہر آئینے کے پیچھے لاڈ پیکر نوں ہر جانشی میں۔“

”ہا میں دوسرا دنیا میں بھی لاڈ پیکر۔“

”اس وہم سے اپنا پیچھا چھڑاؤ کہ یہ دوسرا دنیا ہے۔ تم زندہ تھے اور اب بھی زندہ۔“ ”تم کون ہو؟“

”لیکن یہ ماحول تمہارے لئے نیا ہے۔“

”قہیں میں پا غل نہ ہو جاؤں۔“

”اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو..... تم دنیا کے بہت بڑے آدمی بننے والے ہو۔“

”اے جاؤ.....!“ قاسم ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ”ہونس کی اور پر جانا۔ میرا نام قاسم ہے۔“

”اس کٹھرے میں بڑا آدمی بنوں گا.....!“ قاسم نے خوفزدہ انداز میں کٹھرے کی طرز اُم۔ ہمال ہوٹل فیضان میں تم جیسا ایک عی ہاتھ میں پانی ہو گیا تھا۔“

اشارة کر کے کہا۔

”ہو سکتا ہے.....!“

”قیا ہو سکتا ہے؟“

”یہی کہ یہ کٹھرے اسی تھیں بڑا آدمی بنادے۔“

”میں تچھے نہیں جانتا۔۔۔ پہلے مجھے یہ میں لاڈ کر مر جانے کے بعد مجھ پر عذاب نہیں ہوا۔“

”اچھی بات ہے..... یقین دلا دیا جائے گا۔“

”مجھے پھر بھوخ لگ آئی ہے۔“

”کیا کھاؤ گے؟“

”ابھی ہلکی عی گلی ہے۔ بس تین ساڑھے تین سیر کو لڈ بیف کافی ہو گا۔“

”چلوں کا انظام بھی ہو جائے گا۔“

چاپے کزری تھی اور وہ ایک مناسب سی جگہ رک گئے تھے۔ فریدی کا خیال تھا کہ وہ چھوڑے چکر سے شہر کے راستے پر لگ جائے گا لیکن وہ ان پنانوں کی بھول بھیوں میں کوئے گئے اور اب اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ ڈاکٹر شڈل کے مکان سے لئے فاصلے پر ہیں یا اب شہر کے راستے پر لگ بھی سکیں گے یا نہیں۔

حید کے ذہن پر جلا ہٹ طاری تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر کل دن ہی دن میں فریدی

لیکن وہ قام کی طرف دھیان دیئے بغیر عورت پر بھپٹ پڑا۔ عورت بچھے ہوا جید کے ذہن میں آیا تھا وہ فریدی سے یہی سوال کریں گے تھی۔ اپنے ہی زور میں زمین پر آ رہا۔ قام اس پر سوار ہو جانے کی نیت سے آگے بڑھا،

”میں کیا کرتا۔“ فریدی بولا۔ ”تمہارے ڈینی کی حالت اسی نہیں تھی کہ انہیں تھا چھوڑ

دیجا گتا۔“

”میں اس کا کوئی نہیں ہوں۔“ ڈی آئی تھی غصیلے لہجے میں بولا۔

”اس کا فیصلہ پھر ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ یہ بتائیے کہ آپ یہاں کس سلسلے میں

انے تھے؟“

”میں یہاں ہر سال سیزن گزارنے آتا ہوں۔“

”کبھی ان اطراف میں بھی آنے کا انتقال ہوا ہے؟“

”کیوں نہیں؟“

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شہر پنچھے کے لئے کونسی مست احتیاری کی جائے۔“

”میرا خیال ہے اگر کوشش کروں تو شہر پنچھا آسان ہو گا۔“

”کمال ہے بھی۔“ حید سر ہلا کر بولا۔ ”تو کیا ہم یہاں کدو کی کاشت کے لئے زمین

وونتے ہو گئے تھے۔“

”کیچن حید!“ سعیدہ غصب ناک ہو کر بولی۔ ”تمہیں شرم آنی چاہئے۔ تم اپنے آفیسر

سے اس لہجے میں گفتگو کر رہے ہو۔“

”اگر یہ مجھے اپنا ماحت قبول کر لیں تو میں آپ کو بھی انگلستان کی شہزادی تسلیم کروں گا۔“

”لوکھاؤ۔“ اس نے بڑے پیار سے قاسم سے کہا۔

”کھک..... کھاتا ہوں۔“ قاسم ہانپتا ہوا بولا اور کری پر بیٹھ گیا۔

دیوبکر دیوار سے لگا کھڑا ہانپتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ سے ہلا اور میز کا ز

کھڑی ہوئی عورت کی طرف آہست آہست بڑھنے لگا۔

قام اٹھ کھڑا ہوا اور دہاڑ کر بولا۔ ”ابے کیا ہے تیرے دل میں؟“

لیکن وہ قام کی طرف دھیان دیئے بغیر عورت پر بھپٹ پڑا۔ عورت بچھے ہوا

جید کے ذہن میں آیا تھا وہ فریدی سے یہی سوال کریں گے تھی۔

عورت نے ہاتھ اٹھا کر اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

قام متھر انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

دیوبکر جیسے گرا تھا ویسے ہی پڑا رہا۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”تم بیٹھ جاؤ..... کھاتے کیوں نہیں؟“ عورت نے قام سے کہا۔

”یہ اٹھ کر کہیں تمہیں پریشان نہ کرے۔“

”نہیں تم اس کی فکر نہ کرو..... بیٹھ جاؤ۔“

قام نے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔ لیکن وہ پرتویں نظروں سے دیوبکر ہی کو دیکھے جاتا

اس کی پوزیشن میں ذرہ برا بر بھی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ہاتھ ہیر سک تو ہانپیں ساکھا

عورت اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے قام ہی کو دیکھے جا رہی تھی۔

دفعتاً قام نوا لا ہاتھ سے چھوڑ کر ”پھل رہا ہے۔“ کہتا ہوا کری سے اٹھ گیا۔

نکلنے کے

وہ ایک غار کے دربے نے کے قریب بیٹھے پر پھونے کا منظر دیکھ رہے تھے۔

”ضفول باتیں مت کرو۔“ فریدی نے سخت لمحے میں کہا۔

سعیدہ اور حمید ایک دوسرے کو چھاڑ کھانے والی نظر وہ سے دیکھتے رہے۔

فریدی گہری سوچ میں تھا اور ذہنی آئی تجھی خلاں میں گھورے جا رہا تھا۔

سورج ابھی پہاڑیوں کی اوٹ میں تھا اور مشرقی افق حد نظر تک گہرے سرخ دھرا میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرد ہوا کے جھوٹکے رات بھر کی تھکن کو گویا تھپلیاں ہی دے رہے تھے۔

حید کا دل چاہا کر دہاں اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو جائے۔ سعیدہ کو اس پر غصہ آگیا لیکن خود اس کا ذہن کسی قسم کے بھی جذبے کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے تو جھی سے ان سب کے چروں پر نظریں ڈالیں اور دہاں سے اٹھ گیا۔

کسی نے بھی کچھ پوچھنے کی اس سے ضرورت نہیں بھی اور وہ ڈھلان میں اترتا چاہا۔ ایک چھوٹی سی مسطح چٹان کے قریب رک رک اس نے دو چار گہری گہری سانسیں لیں ادا کیں جن پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند ہوئی جاری تھیں۔ اوگنگتے ہوئے اس نے محشی کیا کا میں کچھ لوگ لڑپڑتے ہیں۔ پھر فائروں کی آوازیں سنتی رہی تھیں۔ بے صورت پڑی رہی۔ کے ساتھیوں میں سے کسی نے اوپر سے اسے دیکھا ہے اور پھر وہ سو گیا۔

سورج اور پڑھا..... دھوپ پھیلی..... لیکن اس کی نیند نہ ٹوٹی۔ رات بھر کی تھکن ایک کچھ یاد نہیں کر کیا ہوا۔

ختم ہونے والے سکون کی طرح اس کے وجود پر مسلط ہو گئی تھی۔ لیکن اس سکون کا خاتمہ ہو گیا۔ کسی نے بُری طرح جنجنھوڑا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر فوراً ہی سچنچ بھی گما کیونکہ سورج نہیک آنکھوں پر چک رہا تھا۔

جنجنھوڑنے والی سعیدہ تھی۔

”کیا اب مجھے خود کشی عی کرنی پڑے گی۔“ حید اٹھتا ہوا بڑا یا۔

دornہیں جانا پڑے گا خود کشی کے لئے..... نہیں سے چھلاگ لگا دو۔“ سعیدہ مکارا بہت کم مسکراتی تھی اور اس کی مسکراہٹ پتہ نہیں کیوں حید کو زہری لگتی تھی۔ اسے ایسا محدود ہے وہ اس کا مفعک اڑا رہی ہو۔ اسے یاد آیا کہ حادثے والی رات کو اس نے ہوٹل نیفلاء ایک فیشن سسل المژا موڈرن لڑکی بننے کی کوشش کی تھی لیکن خود حید کو اتنی مہلت نہیں ملی۔

کہ وہ اس سے اس کی وجہ دریافت کر سکتا۔

”کیا ابھی تمہاری جھلاہٹ دو رہیں ہوئی۔“ وہ پھر مسکرائی۔

”تم ہی اس مصیبت کا سبب نہیں ہو۔“

”میں کیسے بنی ہوں.....؟“ وہ سچ کر بیوی۔

”نہم آئی سیدی نب پ اسٹک لگا تھا اور نہ ہوٹل فیضان اس طرح تباہ ہوتا۔“

”ضفول باتیں نہ کرو.....!“ اس کی مسکراہٹ اس بار شرمدگی سے عاری نہیں تھی۔

”تم نے مجھے جگایا کیوں.....؟“ حید آنکھیں نکال کر بولا۔

”کرٹل نے کہا تھا۔“

”اچھا یہ تو بتاؤ تکھلی رات کیا ہوا تھا.....؟“

”مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب میری آنکھ کھلی تھی تو میں نے محشی کیا تھا کہ انہیں رے

آئی چٹان پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند ہوئی جاری تھیں۔ اوگنگتے ہوئے اس نے محشی کیا کا میں کچھ لوگ لڑپڑتے ہیں۔ پھر فائروں کی آوازیں سنتی رہی تھیں۔ بے صورت پڑی رہی۔

کچھ دیر بعد پھر کوئی کمرے میں داخل ہوا اور میری آنکھیں کھپٹیاں دبائیں۔ میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر

”تم نے کرٹل سے پوچھا نہیں کہ کیا بات تھی۔“ حید پاپ میں تباہ کو بھرتا ہوا بولا۔

”خالی پیٹ پاپ پو گے تو آنسیں طلق میں آ جائیں گی..... اسے رکھ دو۔“ وہ اس کے

انھ سے پاپ چھپتی ہوئی بولی۔ انہوں نے مجھے اتنا ہی بتایا ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ مجھے

انھاں جانا چاہتے تھے۔

”یہ شخص ہمیشہ دوسروں کے معاملات میں ٹاگ اڑا کر بعض لوگوں کی دشواریاں بڑھادیتا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اگر وہ لوگ تمہیں انھاں لے گئے ہوتے تو تم اس وقت میرا دماغ نہ چاٹ رہی ہوتی۔“

”تم یہودہ ہو.....!“ سعیدہ کو پھر غصہ آ گیا۔

”پاپ مجھے دو۔“

وہ چلتے رہے۔ دفتا ایک گلہ حمید رک گیا اور نئنے سکوڑ کر اس طرح سانیس لینے لگا جیسے
پچھے سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ بھی رک گئے۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ پھر وہ بھی اسی کے سے انداز میں کچھ
پچھنے لگا۔ پھر مسلکا کر بولا۔ ”ہاں..... کہیں آس پاس انگاروں پر گوشت بھوتا جا رہا ہے۔“
”اب دیکھنا ہے کہ اس امریکہ کی دریافت کا سہرا اس کلمبیس کے سر رہتا ہے۔“ حمید بولا۔
”تم واقعی بہت بھوکے معلوم ہوتے ہو۔“

”نبیں صاحب۔ افواہ ہو گی۔ قوم کے خادموں کو بھوک پیاس کب لگتی ہے۔ یہ تو عوامی
تم کی بدعتیں ہیں۔“
”نبیں بھوکے ہی معلوم ہوتے ہو۔ جب ادب اور سیاست ایک ساتھ جملہ آور ہوں تو
یہی سمجھنا چاہئے۔ خیر چلو پہلے یہی دیکھ لیں کہ یہ خوبی کہاں سے آ رہی ہے۔“

پھر چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد وہ ایک مست مل پڑا۔ دوسرا بھی اس کا ساتھ
دیتے رہے۔ سعیدہ کے چہرے کی مردنی بھی کسی حد تک کم نظر آنے لگی تھی۔

وہ چلتے رہے اور اشتہا انگیز خوبیوں پر ترقی قریب ہوتی رہی اور پھر جب وہ اس گلہ پچھے
چاہتا تھا دونوں باپ بیٹی کے سر اس وقت تک گلدار اتارہے جب تک کہ دم نہ نکل جائے
چلنے میں سعیدہ کے کلوہوں کی ہدست اُسے اچھی لگتی تھی لیکن اس وقت اُسی سے اسماں
لگ رہی تھی کہ بس بھی چاہتا تھا کر پر اتنی زور دار لات رسید کرے کہ وہ پھروں اور چانلوں
ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔

اس گھری وادی کا قطر کم از کم دوڑھائی فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔ وہ بے بسی سے نیچے دیکھتے
رہے۔ وہاں کئی خیسے نظر آ رہے تھے اور جگہ جگہ سے دھوان اٹھ رہا تھا اور آگ پر بھونے
بانوالے مسلم جانوروں کے گوشت کی سوندھی خوبیوں پر تک آ کر فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔
”کیا آپ اسکے بارے میں کچھ بتائیں گے۔“ فریدی نے ڈی آئی بھی کو مخاطب کیا۔

”میری دانست میں یہ شکاریوں کا کمپ ہے۔“ وہ دوسرا جانب اشارہ کر کے بولا۔
”اہر سیکھوں والے دبموں اور بڑے بالوں والی بکریوں کا شکار ہوتا ہے۔“

”جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا پاپ بھی۔“ وہ پاپ سخن کر دہاں سے چلی گئی۔

حمدی نے پاپ میں دوبارہ تمباکو بھری اور پہلا منی کش لیا تھا کہ اوپر سے فریدی کا آئی۔ ”کیا بھیں پڑے رہنا ہے۔“

”حاضر جتاب۔“ حمید نے کسی طالب علم کے سے انداز میں اُسے اپنی موجودگی
اطلاع دی اور دہاں سے اٹھ کر چڑھائی پر چڑھنے لگا۔

اور پچھنچ کر معلوم ہوا کہ اب وہ لوگ شہر پچھنچنے کے لئے جدوجہد شروع کرنے والے ہیں
”اگر آج ہی پچھنچ جانے کا امکان ہوتا تو ٹھیک ہے ورنہ ابھی میری نیند پوری نہیں ہوئی۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ سعیدہ ہونتوں ہی ہونتوں میں کچھ بربرا کر رہ گئی تھی۔

دن کے دس بجے رہے تھے۔ بھوک سے سعیدہ کا چہرہ اتر گیا تھا۔ لیکن اس نے ابھی بھوک کی خشکات نہیں کی تھی۔

ڈی آئی بھی نے کافی سوچ پیچار کے بعد ایک مست اشارہ کیا اور وہ اسی طرف پل پڑے
کچھ دور پڑے پر حمید کی بھوک بھی چک اٹھی تھی اور اُسے ڈی آئی بھی پر غصہ آنے لگا۔
بھی چاہتا تھا دونوں باپ بیٹی کے سر اس وقت تک گلدار اتارہے جب تک کہ دم نہ نکل جائے
چلنے میں سعیدہ کے کلوہوں کی ہدست اُسے اچھی لگتی تھی لیکن اس وقت اُسی سے اسماں
لگ رہی تھی کہ بس بھی چاہتا تھا کر پر اتنی زور دار لات رسید کرے کہ وہ پھروں اور چانلوں
ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔

لڑھکتی ہوئی ہزاروں فٹ گھری کھٹ میں جا پڑے۔ ہڈیاں چور چور ہو جائیں اور گوشت چھٹا
کی شکل میں دور دور تک بکھر جائے۔ لیکن وہ سینے پر صبر کی سل رکھے جلا رہا۔ بیزاری میں
بڑھ گئی تو اس نے فریدی سے کہا۔ ”آخراً پ ان حضرات کا کچھ انتظام بھی کریں گے یا
گلے میں ڈھول کی طرح لکائے پھرنا ہوگا۔“

”شہر پچھنچ کر ہی کچھ کیا جائے گا۔“ مختصر سا جواب دیا۔

”محبے تو یعنی نہیں کہ اس طرح شہر پچھنچ سکیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

”خدا کے لئے خاموش رہو۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔“

”یہاں تک جگہ ایسی چھوٹی چھوٹی گھایاں ہیں اور شکاری ہی اتنے راستے جانتے ہیں۔“

”!“

”پلیز.....!“ وہ دونوں کان بند کر کے چھپنی۔

”غنا فریدی تیرتی سے چلتا ہوا ان کی طرف پلٹ آیا۔

”یہ کیا بیوڈگی مچا رکھی ہے۔“ اس نے جملائے ہوئے لمحے میں کہا۔

”ارے..... یہ کون مردود گھس آیا۔“ حمید سکرٹا سمتا ہوا عورتوں کے سے انداز میں بولا۔

”میں ماروں گا اب تمہیں۔“

فریدی پلٹ آیا تھا۔ لیکن ڈی آئی جی راستے کی تلاش میں گھٹائی کا چکر لے رہا تھا۔

”شمہیں آئے گی عورتوں پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے۔“

”کیا بک رہے ہو۔“ وہ اس کا لارپکڑ کر چھوڑتا ہوا بولا۔

”لو اور لو..... کیا بک رہے ہو۔ جیسے میں مرد ہوں۔“

”حید.....!“

”آج نہ جانے کس غوڑا مارے کی شکل دیکھی تھی۔ نام بھی رکھ دیا۔ میں کیوں ہوتی حمید۔“

”میرا نام تو عطیہ خاتون ہے۔“

””حید.....!“ اس بار بھبھے بدخت تھا۔

”اے جناب..... آپ براہ کرم یہاں سے چلے جائیے۔ میرے اللہ میں کیا کروں۔“

””حید نے ششی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اس کے ہاتھوں۔“

””تمہیں اس کا بھی احساس نہیں ہے کہ خود کی بکابکا لکھڑی تھی۔“

””حید نے روٹے ہوئے کھانا شروع کیا۔ ”اے اللہ..... یہ کیا ہو گیا۔ میں تو مردوں میں سے“

””میں تو ہزارہا سال سے اسی حال میں ہوں۔ بھوکا پیاسا۔ میری پیاس شائد آب جلانے کیسے پہنچنے ہوئے ہوں۔ ارے غصب..... ہائے..... یہ کونی جادوگری ہے۔“

””اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنا جسم نول کر رکھ دیا۔“

”لیکن نیچے کا راستہ تو نظر نہیں آتا۔“

”یہاں تک جگہ ایسی چھوٹی چھوٹی گھایاں ہیں اور شکاری ہی اتنے راستے جانتے ہیں۔“

”میں تو لگاتا ہوں چھلانگ۔ اللہ مالک ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”کہیں واقعی ان کے ذہن پر کوئی براثرنہ ہو۔“ سعیدہ نے فریدی سے کہا۔

””دس منٹ بعد پاگل ہو جاؤں گا..... بالکل.....!“ حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔ گھورتا ہوا اور پھر نہایت سخیگی سے کہنے لگا۔ ”اب قلزم کی اونٹی کی قسم تم وہی ہو..... بالکل وہی.....“

””تمہیں یاد ہے کہ تم تین ہزار سال پہلے بعلک میں جرجی یوس کی بکریاں چایا کرتی تھیں۔“

””مقدس طلاقی بیانیل نے تمہارے گرد چکر لگانا چھوڑ دیا تھا اور تم کا ہن اعظم کے پیروں کی دعا“

””اپنے سر پر ڈال کر میں کرتی تھیں۔ لیکن انہوں نے تمہیں معاف نہ کیا۔ وہ میں عقاب“

””نے تمہیں زیتون کی ہری ٹہنی دی تھی اور تمہیں یقین دلا کر مژدہ سنایا تھا کہ میں اس بھرے ٹہنے میں تمہاری پا کیزگی پر یقین رکھتا تھا۔ میں نے تمہارے لئے کیا نہیں کیا۔ لیکن تم اپنی دوڑا“

””میں تمہاری عادت نہ چھوڑ سکی تھیں۔ بکریوں کے تھنوں میں منہ لگا کر ان کا سارا دودھ چوں لیتی تھیں۔“

””اے منع سمجھے ورنہ سرچاڑا دوں گی۔“ سعیدہ فریدی سے کہہ کر پھر اٹھانے کیلئے چکل۔

””اب سے تین ہزار سال پہلے بھی تم تھیں۔“

””وہ پھر ہاتھ میں لئے اسے گھورتی رہی۔“

””فریدی اور ڈی آئی جی انہیں وہیں چھوڑ کر نیچے جانے کا راستہ تلاش کرنے کے۔“

”آگے بڑھ گئے تھے۔“

””حمد نے ششی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اس کے ہاتھوں۔“

””تمہیں اس کا بھی احساس نہیں ہے کہ خود کی بکابکا لکھڑی تھی۔“

””حال میں ہو۔“

””میں تو ہزارہا سال سے اسی حال میں ہوں۔ بھوکا پیاسا۔ میری پیاس شائد آب جلانے کی پی کر امر ہو گئی ہے۔“

فریدی کی آنکھوں میں ابھن کے آثار نظر آئے اور اس نے سعیدہ سے کہا کہم نے راتے کی شاندی کی تھی۔ سعیدہ اور ڈی آئی جی پہلے ہی دہان پہنچ چکے تھے۔
خہبرے اور خود اس گہری وادی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”چلا گیا۔“ حمید بسورتا ہوا بولا۔ ”اللہ تیر اشکر ہے۔“

”پکھ دیر پہلے تو تم مردوں کی سی باتیں کر رہے تھے۔“ سعیدہ بولی۔

”مجھ سے اکل کھرے پن کی بات نہ کرنا..... پتے نہیں تم لوگ کون ہو۔ ہائے اللہ! ہوئے کہا۔“ آپ لوگ یہیں خہبریں۔

کہاں ہوں۔ ابھی تو میں باور پچی خانے میں بیٹھنی پینگن چھیل ریتی تھی۔“

”خدا کی پناہ۔“ سعیدہ بڑھ رہی۔ ”شاکر اسے بھی وہی مرض لگ گیا ہے۔“

فریدی اور ڈی آئی جی دوالگ الگ جگہوں پر راستے کی علاش میں سرگردان تھے۔ میں کہا۔

فریدی ہاتھ اٹھا کر اوپنی آواز میں بولا۔ ”یرہا۔“ اور پھر اس نے سعیدہ اور ڈی آئی جی کا لمرف آنے کا اشارہ کیا۔

سعیدہ نے حمید کو وہیں چھوڑا اور اس طرف چل پڑی۔ حمید اب زمین پر آکر دوں پر

غا اور دونوں ہاتھوں سے سرتحام رکھا تھا۔

فریدی دوسری کھڑا سب کچھ دیکھتا ہا پھر خود ہی حمید کی طرف بڑھا۔

”چلو انھوں.....!“ اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

”میں گھر جاؤں گی؟“

”حمدیہ ہوش میں آؤ۔“

”اے اللہ یہ کیا ہو گیا۔ میرا جنم بھی مرد کا ہو گیا ہے اور نام بھی۔ خدا کے لئے مجھے میرا

لھر بیجواد بھیجئے۔“ حمید گرگڑایا۔

فریدی آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتا ہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”اجبھی بات ہے۔“

”ہمیں گھر بیجوادوں گا۔ یہاں سے تو انھوں۔“

”اے بھائی..... تمہیں اللہ رسول کا واسطہ۔“ حمید امانتا ہوا گھکھیا۔ ”میری حفاظت کہا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید لگنگرا تا ہوا اس کے پیچے پلنے لگا تھا۔ وہ اس جگہ پہنچ جیا۔

”میرا خانہ غلط نہیں تھا۔ یہ راستہ ہمیں نیچے وادی میں لے جائے گا۔“

وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔



قائم بڑی سی آرام کری میں پڑا ہاپ رہا تھا اور قریب ہی میں اور جیکٹ والی گروہ کھڑی اُسے پرتوش نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔
دیوبیکر کے کچھلے سے قائم کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ منہ سے نوالے آنچے پڑر تھے۔ تب وہ اُسے وہاں سے ہٹا لائی تھی اور اب قائم کو سانس لینے میں بھی دشواری ہوئی ہونے لگی تھی۔

کچھ دریتک وہ اسی حالت میں پڑا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
”مجھے متاؤ..... یہ کیا چکر ہے؟“

”کچھ نہیں..... کوئی خاص بات نہیں۔ اب تم آرام کرو۔“
”ایسے میں..... میرا بابا بھی آرام نہیں قریلکتا۔“

”میں نے ہوٹل فیضان میں بھی ایسے ہی آدمی کو کچھلئے دیکھا تھا۔“
”ضرور دیکھا ہو گا۔“

”اس کے بھی ایک ہاتھ جہاڑا دیا تھا اور وہ کچھلئے لقا تھا۔“
”وہ تمہارے ہاتھ جہاڑے نے کی وجہ سے نہیں پکھلا تھا۔“

”پھر.....؟“
”بس کچھ ایسی ہی بات ہے۔ تم اس فکر میں نہ پڑو۔“

”تو پھر میں یہاں قیوں لا یا غیا ہوں؟“
”اس کے بارے میں بھی نہ سوچو۔ تھیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جو چاہو۔“

ملے گا۔“

”بھوچا ہوں گا.....؟“ قائم نے خوش ہو کر پوچھا۔
”ہاں..... ہاں.....!“
”میں، ہی، ہی، ہی.....!“
”بل اب اپنی سہری پر لیٹ کر سو جاؤ۔“
”اتیے تو یہاں مجھے بہت دو گلے گا۔“
”تو پھر.....؟“ عورت اس کی انکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔
”پچھنہیں۔“ قائم تھوک نگل کر پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔
وہ کھڑی بنتی رہی اور قائم نزوں ہوتا رہا۔
”عکتاو..... کیا چاہتے ہو؟“
”مجھ تو..... نیندا آ رہی ہے۔“ قائم غیر معمولی طور پر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”اچھا میں ابھی آئی۔“ عورت نے کہا اور کمرے سے باہر چل گئی۔
قائم آرام کری سے اٹھ کر سہری پر بجدے میں گر گیا اور گزگزانے لگا۔ ”پاک پور دغار..... میں پھر سبق رہا ہوں۔ سنبھالیو۔ یہ پتے نہیں قیا چکر ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ تیرے دربار میں حاجری ہو گئی ہے۔ مفری قوئی بہت بڑا گھپلا معلوم ہوتا ہے۔ پاک پور دغار اب اگر میرے ساتھ توئی گھپلا ہوتا ہے تو مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں۔ پہلے سے بتائے دیتا ہوں۔ اب یہ سالی جن اور جیکٹ..... واد بھتی..... یہ بھی کوئی پہندا ہے۔۔۔۔۔ بن خانجہ۔“
پھر وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن بجدے سے نہیں اٹھا۔
تھوڑی دیر بعد بجدے ہی مکر دہڑا۔ ”ان..... سالوں کے چکر میں جب پڑو ایسی قیچھتی ہوئی ہے۔ ہاں..... ہاں..... گلتی میری ہی ہے۔ میں سالا قیوں دوڑا آیا تھا۔“
پھر آہستہ آہستہ اس کی بڑیاں نہیں غیر واضح ہوتی گئیں اور وہ بجدے ہی میں گھبری نیند ہو گیا تھا۔
لیکن سوچانے کے بعد بجدہ برقرار کیسے رہ سکتا تھا ویسے یہ اور بات ہے کہ آنکھ کھلتے ہی

ڈپٹی کمشنر

غار کا دہانہ وادی تک پہنچنے کا راستہ ہی ثابت ہوا تھا۔ وادی میں تو پہنچنے کے تھے۔ لیکن

بھسیں ہوا کہ خیموں تک پہنچنا بھی آسان کام نہیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک چنان راہ میں

”اے جاؤ..... بڑے آئے..... آنکھیں دکھانے والے۔“ قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ ”مال ہو گئی تھی اور اس پر چڑھنا بھی اتنا ہی مشکل معلوم ہو رہا تھا جتنا پہلے پہل وادی میں اتنا

”سرماںک.....!“ اس کی پیشہ پر چڑھے کا پا بک پڑا اور وہ تملکا کر دوسرا آفر محسوں کیا گیا تھا۔

”یہاں بھی فریدی ہی کی ذہانت کام آئی اور یہ مشکل بھی کسی طرح آسان ہوئی۔ بہر حال طرف پلتا۔

”خبردار..... گولی مار دوں گا..... میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔“

چار آدمی الاؤ کے قریب بیٹھے ہوئے دو مسلم دنبوں کو الٹ پلٹ کر سینک رہے تھے۔

پہلے آدمی نے دھمکی دی۔ قاسم جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ دونوں اسے کسی طرف لے چاہتے تھے اور ریوالور کے زور پر انہوں نے اسے چلنے پر مجبور کر دیا۔

”ہم بھوکے ہیں۔“ ڈی آئی جی بول پڑا۔

”آئے..... آئے..... یہاں بھی تیار ہوئے جاتے ہیں۔“ ان میں سے ایک آدمی اٹھتا اسی طرف سے ہوئی تھی جہاں قاسم نے خود کو پڑا پایا تھا۔ بیہوش آدمی کو ایک کمرے میں ڈالا۔

”اوپر لوگ بہت زیادہ تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔“ وہ لوگ قاسم کو پھر اسی راہداری میں لے آئے تھے۔

”تم کو یہاں کی حکومت نے ڈپٹی کمشنر بنا دیا ہے۔“ ریوالور والے نے کہا۔

”ابے میں باز آیا ایسی ڈپٹی کمشنری سے..... سالے مردے ڈھلواتے ہیں۔“

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ پھر ریوالور والے نے کہا۔ ”بس تم اسی جگہ رہو گے اور جیسے ہو گئے کا سبب دریافت کرنا چاہتے تھے۔ فریدی نے انہیں بتایا کہ وہ ہوٹل فیضان میں مقیم تھے۔

چانکہ انہوں نے لاڈا ڈائیکٹر پر خطرے کا اعلان سنایا اور ہوٹل سے نکل بھاگے۔ ہوٹل کی عمارت دو سامنے والی گھنٹی بیجے وہیں دوڑ جانا اور دوسرا کو بھی اٹھا کر سینیں لانا۔“

”ٹھیغیلا نا.....!“ قاسم گروں جیکٹ کر بولا اور ہوتوں ہی ہوتوں میں کچھ بدبلنا نہ دست دھا کوں کے ساتھ تباہ ہو گئی۔ تب سے وہ اس دیرانے میں بھکتے پھر رہے ہیں۔

ڈاکٹر نڈل کے یہاں قیام کے بارے میں فریدی نے انہیں کچھ سہ باتیا۔

”اور ہمارا یہ ساتھی۔“ اس نے حید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ان دھا کوں کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا پھر ہوش آنے پر اس نے ہوش کی باتیں

نہیں کیے۔ یادداشت کو بیٹھا ہے۔ ہمیں بھی نہیں پہچانتا اور عورتوں کے سے انداز میں گنگو

بجدے سے زیادہ اُسے مسہری کی فکر پڑ گئی تھی۔ کیونکہ مسہری کے بجائے ننگے فرش پر ہے اور شائد کسی نے اُسے جگایا تھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک بڑی طویل راہداری تھی جہاں تھا۔ دو آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرا کے ہاتھ میں چجزے کا ہے ”میں قہاں ہوں.....؟“ قاسم انہیں آنکھیں چھاڑ کر دیکھتا ہوا بولا۔

”چلو اٹھو..... ہمارے ساتھ چلو۔“ ریوالور والا گرج کر بولا۔

”اے جاؤ..... بڑے آئے..... آنکھیں دکھانے والے۔“ قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

”سرماںک.....!“ اس کی پیشہ پر چڑھے کا پا بک پڑا اور وہ تملکا کر دوسرا آفر محسوں کیا گیا تھا۔

کمانے کے بعد انہیں تھا چھوڑ دیا گیا۔ اب ان کی آنکھیں نیند میں ذوبی ہوئی تھیں۔

لیکن حید کے چہرے سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی سو جانا چاہتا ہو۔ فریدی سعیدہ اور ڈی آئی نی غصہ بستروں پر لیٹ گئے۔ لیکن حید جہاں پہلے بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔

فریدی نے اس سے کہا تھا کہ وہ بھی کچھ دیر آرام کر لے لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

سعیدہ اور ڈی آئی جی جلد ہی سو گئے۔ فریدی لیٹا تو ہوا تھا لیکن اس کی آنکھیں بند نہیں دوسرا نے پہلے سے کہا۔ ”کیا جوہ ہو سکتی ہے تم تو نفیات میں بھی خاصاً غل رکھئے ہیں؟“

پہلا پر ٹھکر انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے فریدی سے پوچھا۔

”کیا یہ شادی شدہ ہیں؟“

”جی نہیں.....!“ فریدی نے جواب دیا۔

”صنف مختلف سے متعلق کیا روایہ رہا ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ یہ ہر وقت صرف عورتوں ہی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔“

”تب تو ٹھیک ہے۔ محرومی نے خود اسے ہی عورت بنادیا۔“

”بھی یہ باقی اب ختم کرو۔“ ڈی آئی جی بولا۔

”اوہ..... معاف کیجئے گا۔“ دوسرا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں ابھی لا لیا..... بھول ہیا ہا۔

کہا اپ لوگ بھوکے ہیں۔“

وہ خیسے سے باہر چلا گیا اور وہ شکاری جو اپنے ساتھی کے خیال کے مطابق نفیات دخل رکھتا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ وہ حید کو بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور حید کا یہ عالم قہا شرم سے زمین میں گزار جا رہا ہو۔ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کبھی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالتا۔

گھری گھری سانسیں لینے لگتا۔

جس جگہ خیسے لگائے گئے تھے زمین سطح تھی اور زمین ہی پر کئی بستروں پر ہوئے تھے شکاری نے بتایا کہ وہاں اس وقت تیرہ آدمی تھے۔ چار خیسے کی حفاظت کے لئے ہی میں رہ گئے تھے اور نو آدمی شکاری کی تلاش میں آس پاس کے جنگلوں میں گھوم پھر رہے تھے۔ ان میں زیادہ تر پیشہ ور شکاری تھے اور جانوروں کی کھالیں حاصل کرنا شکار کا مقصد تھا۔

کرنے لگا ہے۔“

”عورتوں کے سے انداز میں گفتگو کرنے لگا ہے۔“ ایک نے بہت زیادہ پہکنا

کرتے ہوئے سوالیہ لمحے میں دھرا دیا۔

”جی ہاں.....!“

کئی گھنٹوں سے اس نے تمباکو نہیں پیا تھا۔ ڈاکٹر ٹھڈل کی قیام گاہ سے فرار ہوتے وقت

اس کی جیب میں صرف ایک سگار تھا۔ جو ٹھیک ہوتے ہوئے ختم ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر

دنی بے رونق نہیں تھی۔ جیسی عام طور پر تمباکو کے مفارقت زدگان کے چہروں پر پائی جاتی ہے۔

”میں کہتا ہوں تم بھی کچھ دیر آرام کرو۔“ فریدی نے پھر حید سے کہا۔

”بس ٹھیک ہے۔“ حید آہستہ سے بولا۔ ”اللہ عزت آبرو سے اخھائے۔ کیا پڑھ آنکھ لگ

ئی جائے۔ آدمی کے ساتھ شیطان بھی تو لگا ہوا ہے اور آپ ایسے فرشتے بھی نہیں معلوم ہوتے۔“

فریدی کوئی آگئی اور وہ اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ”اب ٹھیک ہو جاؤ۔ ورنہ کچھ مجھ ماروں گا۔“

”جان چلی جائے۔ لیکن وہ نہیں ہو سکتا جو آپ چاہتے ہیں۔“

”جہنم میں جاؤ۔“

”میں جانتی ہوں اگر سوگئی تو جہنم ہی میں جانا پڑے گا۔“

”مت بکواس کرو۔“ فریدی نے اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

”اللہ عزت تیرے ہاتھ ہے۔“

”تم خاموش نہیں رہو گے۔“ فریدی پھر اس کی طرف مڑا۔

”کبھی فرصت ملے تو بہتی زیور بھی پڑھ لیجئے گا۔“

”آڑخان حماقوں سے کیا فائدہ۔ تم مجھے باور نہیں کر سکتے کہ تمہاری شخصیت بھی بد لگی

بلد نمبر 34

”بھی..... مت دماغ چاؤ میرا۔“ فریدی اکتائے ہوئے بجھ میں بولا۔

”اے لکھ بجھے..... عطیہ جان دے دے گی..... لیکن.....!“
”ٹھ اپ.....!“

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ رات کا کھانا بھی بھنے ہوئے گوشت پر مشتمل تھا۔
کھانے کے بعد شکاریوں نے تاش اور شترخ کی بازیاں شروع کر دیں۔ فریدی وغیرہ کو
ہمیں بوت دی لیکن حمید نے کسی کو بھی خیسے سے باہر نہیں نکلنے دیا۔

شکاری بھی اسے سمجھا کر تھک ہار گئے تھے۔

حمد نے اس وقت بھی لیٹئے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ اپنے بستر دل پر لیٹئے دوسرے خیموں سے بلند ہونے والا شور سنتے رہے۔

فریدی نے ایک بار پھر حمید سے کہا تھا کہ وہ بھی سوجائے۔ لیکن وہی مرنے کی ایک
”نیبا.....!“ حمید کا نوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”میں تو ہرگز یہاں نہ رہوں گی رات کر۔“
شکاری خیس پر اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔ حمید نچلا دانت ہونٹوں میں دبائے تھے۔
فریدی پر دور اتوں کی تھکن مسلط تھی اس لئے جلد ہی سو گیا۔

خیس میں کیروسمین لیپ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ دوسرے خیموں کا شور کم ہوتا گیا اور کچھ دیر بعد فضا میں پہاڑی جھیگروں کی

”ہمروں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا نہ لگا۔“

حمد کبھی اکڑوں میں بیٹھتا اور کبھی ناٹکیں پھیلایتا۔

فریدی نے اس شکاری کو اشارہ کیا کہ وہ اسے نہ چھیڑے۔
شام تک سارے شکاری واپس آگئے تھے۔ فریدی ہمیں کر رہا تھا کہ ان سے کوئی نہیں اور اس وقت وہ بڑی معصوم نظر آ رہی تھی۔ بالکل ایک نرمی سی بچی کی طرح معصوم۔ جو تمک

نظریں سعیدہ پڑھیں۔

رات بر کرنے کے لئے یہ طے پایا کہ ایک خیسے میں وہ لوگ رہیں گے اور شکاری بیٹھے

کچھ اور بعد کسی نے باہر سے آواز دی۔ ”کہو بھائی کیا سو گئے؟“

حمد چپ چاپ لیٹ گیا۔ لیکن آنکھیں کھلی رہنے دیں۔

پاکرنے والے نے پھر پکارا۔ لیکن حمید م سادھے لیثارہ۔ ویسے اس نے اپنا سائلنر کا

160

”پہنچنیں آپ کسی باتیں کر رہے ہیں۔ میری بھجھ میں نہیں آتیں۔“

اسنے میں ان چاروں میں سے ایک شکاری خیسے میں داخل ہوا اور فریدی اٹھ کر بیٹھا۔
”اور کسی چیز کی تو ضرورت نہیں۔“ اس نے سعیدہ کو گھورتے ہوئے فریدی سے پوچھا
”نہیں شکریہ..... اب آپ ہمیں شہر کا راستہ بتا دیتے تو اچھا تھا۔“

”اس طرح آپ لاکھ برس بھی نہ پہنچ سکیں گے۔“

”تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”کل صبح ہم میں سے دو آدمی شہر واپس جائیں گے۔ آپ انہیں کے ساتھ جائیں تو بہتر ہا۔“

”اوہ ہو..... تو کیارات سینیل بر کرنی پڑے گی۔“

”کیا حرج ہے۔“

”نیبا.....!“ حمید کا نوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”میں تو ہرگز یہاں نہ رہوں گی رات کر۔“

شکاری خیس پر اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔ حمید نچلا دانت ہونٹوں میں دبائے تھے۔

فریدی پر دور اتوں کی تھکن مسلط تھی اس لئے جلد ہی سو گیا۔

رہا تھا۔

”وقتی ان کی حالت قابل رحم ہے۔“ شکاری بھی روک کر بولا۔

”ہمروں ہی کی باتیں کر کے لوگ لوٹ لیتے ہیں۔“ حمید سر جھکائے ہوئے بولتا۔

ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا نہ لگا۔

فریدی نے اس شکاری کو اشارہ کیا کہ وہ اسے نہ چھیڑے۔

لیپ کی روشنی سعیدہ کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ خدوخال کی بناوٹی کرختی عالیہ ہو چکی

کرماں کی گود میں سو گئی ہو۔

رہا تھا۔

”یہ بہت اچھا ہوا۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔ ”میں تو ہرگز ان کے ساتھ نہ رہتا۔“

آپ کا بھی کیا..... سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔“

ہوار یو اور ہولٹر سے نکال کر گرفت میں لے لیا تھا۔ تیسری آواز پر بھی وہ پچھنہ بولا۔ پٹانوں میں پہنچ کر فریدی نے سعیدہ کو کاندھے سے انداز دیا اور ایک مناسب مقام سے اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے میں زلزلہ آ گیا۔ حمید بڑھتھری سے اخوا اور نبیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مطلع صاف تھا اس لئے شکاریوں کے تحرک ہیوں لے دور سے بھی دیکھے جاسکتے تھے۔ وہ جھینھوڑنے لگا۔

فریدی اٹھ بیٹھا اور حمید نے ایک انگلی ہونٹوں پر رکھ کر خاموش رہنے کا اٹھا۔ نبیوں کے آس پاس ہی نظر آتے رہے۔ ہوئے اسے خیسے کی حالت دکھائی پھر آہستہ سے بولا۔ ”وہ خیر مگر ادیس گے۔ اور پھر“ ”وہ جیخ کیسی تھی؟“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔ ”یہ مواچل گیا تھا۔“ وہ اسے ریو اور دکھا کر بولا۔ سعیدہ کو اخھا لے جائیں گے۔“ ”یہ اچھا نہیں ہوا۔“ فریدی بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا۔

خیسے کا ایک گوشہ ڈھیلا پڑھ کا تھا۔ اس نے سعیدہ اور ڈی آئی جی کو جھکایا۔ ”لوا صاحب..... میں نے انہیں اپنے پیچھے آنے سے روک دیا اور آپ کہتے ہیں یہ اچھا میں سراپرده کی ڈوریاں کھوٹا ہوں۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”نکل چلے کے لئے نہیں ہوا۔“ کبھی ہوں سارے ہی مرد ناقص اعقل ہوتے ہیں۔“ رہو۔ اگر ہم الاؤ کے پیچھے والی چٹان تک پہنچ گئے تو پھر وہ ہمارا پچھنہ بگاڑ سکیں گے۔ ”اچھا کومت.....!“ ”اب کیا ہو رہا ہے؟“ سعیدہ بول کر بولی۔ ”ایے بی بی..... وہ مجھے اور تمہیں..... ناس جائے ہرامیوں کا۔“ فریدی نے سراپرده کی ڈوریاں کھوٹ دی تھیں۔ پھر اس نے سعیدہ کو کاندھے پر لٹالا۔ ”تو چلے..... دہانے کی طرف نکل چلے۔“ ”سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ان میں کچھ لوگ یقینی طور پر ادھر ہی گئے لیکن وہ نہیں کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔“ ”کومت۔“ فریدی نے سخت لمحے میں کہا اور اس کو زبردستی باہمیں کاندھے پر ڈالا ہو گئے۔ اور داہنے ہاتھ میں ریو اور تھا۔ پھر وہ باہر نکلے چلے گئے۔

”ارے ارے۔“ کی بہت سی آوازیں گوئیں اور حمید نے پلٹ کر ایک فائر کر دیا۔ جیخ نضامیں گوئی لیکن فائر کی آواز نہ ہونے کی بنا پر شکاری جیخ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لڑکھڑا کر گرا۔ ”یہ کیا ہوا..... یہ کیا ہوا۔“ کئی آوازیں سنائے میں اُبھریں۔ ”آخر کیوں؟ ہمیں کہیں چین کیوں نہیں ملتا۔ وہ ڈاکٹر پہلے تو بہت اچھی طرح پیش آیا۔“ ”آخر کیوں؟ ہمیں کہیں چین کیوں نہیں ملتا۔“ فریدی بولا۔ ”پھر اس کو گولیاں چلے لگیں اور اب یہ لوگ۔“

لیکن وہ ان کی طرف توجہ دیے بغیر پٹانوں کی طرف بھاگتے رہے۔

وہ دھب سے زمین پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ آہستہ آہستہ
ان کا ذہن تارکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔
اسے یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ اس کے ساتھیوں پر کیا گزری۔



قائم نے جب بہت غل غپاڑہ چایا تو اسے ایک اور آدمی کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ وہ

تحوڑی دیر بعد کئی تارچوں کی روشنیاں لکھج سے اندر ہرے میں ادھر ادھر پکرانے لگیں۔ ایک عجیب جسم کا مضبوط غیر ملکی تھا۔ رنگت کی بناء پر قاسم اسے انگریز سمجھا۔ وہ ہر سفید چڑی اے آئی شامت۔ ”حمد بڑا بڑا۔“ رنخ سے باہر ہیں ورنہ پھر ایک رسید کر دیتا۔

”تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔“ سعیدہ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔

”اس جسم کے ساتھ یہ موابی ہاتھ آیا تھا..... اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ال-

استعمال کی تدبیر بھی سمجھا دی۔“

”تم بن رہے ہو..... تمہارا دماغ نہیں الٹا۔“

”دماغ نہیں الٹا کا لپٹ ہو گئی ہے۔ اب اطمینان ہے..... ارے..... یہ کوئی موالا۔“

”تم فکر نہ کرو..... کچھ دنوں کے بعد تمہیں گورنر بنادیں گے۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”اور سالا گورنر کیا کرتا ہے..... یہ بھی بتاؤ یہ کیسی ڈپٹی کمشنزی ہے۔ میں نے تو آج تک کوئی ایسا طرف آ رہا ہے..... رنخ میں آجائے تو پھر.....!“

”ذکر ہے..... اگر رسید ہی طرح کام نہیں کرو گے تو مار پڑے گی۔ ویسے اگر پھیٹ بھر کر کھانا پھر بیک وقت انہوں نے ایسا محسوس کیا جیسے زمین مل رہی ہو۔

”ارے یہ کیا.....!“ حید نے لڑکھا کر ایک پتھر کا سہارا لیا۔ سعیدہ اور ذی آلام نے تھا تو مجھے بتاو۔“

”خانا تو اچھا ملتا ہے۔“ قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”بلیغین.....!“

”ہاں..... ہاں..... کہو..... کہو.....!“

”تم لوگ تو نہ ہو..... پہلے مجھے ایک جنگلی عورت سے بھڑا دیا گیا۔ پھر ایک دیو سے

”ایا اور اب مردے ڈھلوار ہے ہو۔“

”ارے یہ مرد.....!“ حید دانت پیس کر بولا۔

”تم چپ رہو۔“

حید ہونتوں ہی ہونتوں میں کچھ بڑا کر رہ گیا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ”میں ادھر کی خبر لینے جا رہا ہوں۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو۔“

”اور اگر انہوں نے آ کر ہماری خبر لے لی تو کیا ہو گا۔“ حید بولا۔

لیکن فریدی مزید کچھ کہے بغیر نچے نظر گیا۔ وہ تیوں تھوڑا تھوڑا سر انجام رے نیوں طرف دیکھتے رہے۔ بیہاں سے نیوں تک راستہ صاف تھا اور ادھر کا ایک آدمی بھی اس از کارخ کرتا تو وہ اُسے بآسانی دیکھ سکتے تھے۔

تحوڑی دیر بعد کئی تارچوں کی روشنیاں لکھج سے اندر ہرے میں ادھر ادھر پکرانے لگیں۔ ایک عجیب جسم کا مضبوط غیر ملکی تھا۔ رنگت کی بناء پر قاسم اسے انگریز سمجھا۔ وہ ہر سفید چڑی

”اب آئی شامت۔“ حید بڑا بڑا۔“ رنخ سے باہر ہیں ورنہ پھر ایک رسید کر دیتا۔

”تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔“ سعیدہ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔

”اس جسم کے ساتھ یہ موابی ہاتھ آیا تھا..... اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ال-

استعمال کی تدبیر بھی سمجھا دی۔“

”تم بن رہے ہو..... تمہارا دماغ نہیں الٹا۔“

”دماغ نہیں الٹا کا لپٹ ہو گئی ہے۔ اب اطمینان ہے..... ارے..... یہ کوئی موالا۔“

”اوہ سالا گورنر کیا کرتا ہے..... یہ بھی بتاؤ یہ کیسی ڈپٹی کمشنزی ہے۔ میں نے تو آج تک کوئی ایسا طرف آ رہا ہے..... رنخ میں آجائے تو پھر.....!“

”ذکر ہے..... اگر رسید ہی طرح کام نہیں کرو گے تو مار پڑے گی۔ ویسے اگر پھیٹ بھر کر کھانا

کوشش کر رہا تھا لیکن ہر لمحہ سہی محسوس ہوتا جیسے اب ذہن جسم کا ساتھ چھوڑ دے گا۔“

”کچھ عجیب سی بو تھی جو حید کے تھنوں میں گھس کر ذہن کو ماوف کئے دے رہی تھی۔“

”یہ لگ..... کیا مصیبت ہے۔“ وہ ہٹکایا اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ خود کو سنبھالنے کا

کوشش کر رہا تھا لیکن ہر لمحہ سہی محسوس ہوتا جیسے اب ذہن جسم کا ساتھ چھوڑ دے گا۔“

”بیخو..... اتنی جان نہ جلاو کے مجھے واٹی غصہ آجائے۔“

”اچھا جی..... تو تم کیا کرو گے؟“

”قاسِم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گھنٹی بجی اور دونوں گمراں اٹھ کھڑے ہوئے۔

”پڑھو ٹھو.....!“ انہوں نے قاسِم سے کہا۔

”میں تو نہیں اٹھ رکھا۔“

”دوسرے آدمی نے فائر کیا۔“

”اے باپ رے۔“ قاسِم ایک طرف لڑکتا ہوا دھڑا۔

”مرے نہیں تم..... اٹھ جاؤ..... ورنہ مر بھی سکتے ہو۔“

”قاسِم کا پتہ ہوا اٹھ گیا۔ وہ اس طرح پلکیں بھپکارہ تھا جیسے انہیں میں آنکھیں پھڑا ہوتا ہوں۔ وہاں بھی تو سالے سونے نہیں دیتے۔ جگا جگا کمر دے ڈھلواتے ہیں۔“

”اوہر کہاں..... اس طرف چلو..... داہنی طرف۔“

”وہ داہنی طرف مڑ گیا اور چلتا رہا۔“

”اچھا اب جاؤ..... اور سیدھی طرح کام کرو۔“ ورنہ گولی مار دی جائے گی۔ مگر میں نہیں تھا کہ اُس کے پیچے ”اوہس“ نے ہاتھ ہلا کر کھا۔

”ای طرح پلتے پلتے اس مقام تک آپنچا جہاں سے بے ہوش آدمیوں کو اٹھایا کرتا تھا۔

”لیکن یہاں ایک بیویش عورت کو دکھ کر ساری بے حسی رخصت ہو گئی۔“

”میں نہیں اٹھاوں گا۔“ ”دفتار وہ بھرا تی آواز میں بولا۔

”تو چو.....؟“ ان دونوں نے بیک وقت اسی کے لجھ کی نقل اٹاری۔

”یہ آدمی نہیں..... عورت ہے۔“

”تو پھر.....؟“

”میں کسی عورت کو اپنی پیٹھ پر نہیں لاد سکتا۔“

”جلاؤں گولی۔“

”ہم لوگ دنیا کی بھلائی کے لئے ایک بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ تم بھی اُسی میں لو۔“

”لو۔ میں معلوم ہوا ہے کہ تم بہت دولت مند آدمی ہو۔“

”اچھا تو پھر.....؟“

”پھر کچھ بھی نہیں..... اسی لئے ہم نے تمہیں ڈپٹی کمشنز بنا لیا ہے۔ ورنہ جپر اسی بوسا۔“

”اے بس جان نہ جلاو میری۔ اور وہ کہاں غصی..... وہ جو تھی..... جسکن اور جیکس۔“

”کیوں.....؟ کیا وہ تمہیں پسند ہے۔“

”اڑے..... ہی ہی ہی..... بس جین وجیکٹ پسند ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ وہ تمہارے پاس بھیج دی جائے گی۔“

”تھاں بھیج دی جائے گی۔“ ”دفتار قاسِم کو غصہ آگیا۔“ ”وہاں اُس گلی میں جہاں میں ہوتا ہوں۔ وہاں بھی تو سالے سونے نہیں دیتے۔ جگا جگا کمر دے ڈھلواتے ہیں۔“

”یہ تو ٹریننگ مل رہی ہے تمہیں۔“

”اور اس کے بعد غور زبردیا جاؤں گا۔“ قاسِم نے جھلا کر طنزیہ لجھ میں کہا۔

”اچھا اب جاؤ..... اور سیدھی طرح کام کرو۔“ ورنہ گولی مار دی جائے گی۔

”اوہس کے پیچے ہلا کر کھا۔“

”اچھی زبردستی ہے۔“

”لے جاؤ اسے.....!“ غیرملی نے قاسِم کے دونوں گمرانوں سے کہا۔

”چاک وala مل کھونے لگا اور دوسرے نے روپالو کی ٹال سیدھی کی۔“ ”قاسِم چپ؟“

”دروازے کی طرف مڑ گیا۔“

اب وہی طویل راہداری تھی اور قاسِم تھا۔ دیوار سے ٹیک لگا کر فرش ہی پر بیٹھ گیا۔

کے دونوں گمراں اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قاسِم نہیں دیکھتا اور جھلتا رہا۔ پھر بولا۔

”ڈپٹی کمشز ہوں..... اور تم سالو بادشاہ سلامت معلوم ہوتے ہو۔“

”ہم جپر اسی ہیں۔“ ان میں سے ایک نے مسکرا کر کہا۔

”اے اللہ تو دن خ رہا ہے۔“ قاسم نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔
پھر حورت کو اٹھانے کے لئے جھکا اور جھکا ہی رہ گیا۔
چھوڑ کچھ جانا پہچانا سالگا تھا۔

دفعتا اسے یاد آ گیا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ یہ لڑکی حمید کے ساتھ تھی۔
”کیا کرنے لگے؟“ مگر ان غریبا۔
”حق..... کچھ نہیں.....!“

قاسم نے اسے ہاتھوں پر اٹھایا۔
”یہ کیسے اٹھایا ہے..... پیٹھ پر لادو۔“

”دیکھو..... مجھے پریشان نہ کرو..... میں ایسے بھی لے جاسکتا ہوں۔“
”اور وہ کوہی اس طرح کیوں نہیں لے گئے تھے۔“
”میری مرضی۔“

وہ اسے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلتا رہا اور اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ”ہلا
میں پہنچا تو وہاں عجیب سی بومحسوس ہوئی اور ان لوگوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ انہیں آوازیں دیتا ہوا
پہنچاتا رہا تھا۔

اس کے بعد راہداری میں واپس آیا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔ لیکن اس بارہ خود عالم
سمت چل پڑا تھا۔ مگر انوں کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

اس بارا ایک اجنبی اس کی پشت کی زینت بنا اور قاسم بے حد مضطہل نظر آئے لگا۔
اس نے سوچا تھا کہ شائد حمید وغیرہ بھی پکڑ لئے گئے ہیں اور یہاں لائے جائے گا۔

اس نے اسے بھی اٹھا کر اُسی کمرے میں پہنچا دیا۔ لیکن اب وہ لڑکی وہاں نہیں تھی۔
راہداری میں واپس آتے ہی پھر گھنٹی بجی اور قاسم خود بخود نظر وہ سے ان دونوں
طرف دیکھنے لگا۔ لیکن جیسے ہی ریوالو والے کا ہاتھ داہنی سمت اٹھاوا، بھی اسی طرف مڑا۔

چلتا رہا..... اور وہاں پھر ایک آدمی کو اونڈھا پڑا دیکھا۔
”جلوسا لے تم بھی چلو..... آج رات بھر ڈھونے پڑیں گے۔“ قاسم اسے سیدھا کر
کئے اور سینے کے بل خیبوں کی طرف رینگنے لگا۔ زمین تاہموار تھی اور کہیں کہیں پر دیکھ لئے جانے

بڑیا۔
لیکن پھر یا کیا اس کی باخچیں کھل گئیں۔ بڑے ضبط سے اس نے خود کو کچھ کہنے سے
روکا تھا۔ یہے دل میں کہہ رہا تھا۔

”ہے! پیارے حمید بھائی۔ تم بھی آگئے۔ اب مجا آئے گا۔“

ہتھی چٹا نیں

فریدی دہانے تک پہنچ گیا اور اسکی تدایر اختیار کیں جن سے چھپے ہوئے لوگ بہ آسانی
ظاہر ہو سکتے تھے لیکن اسکی کوئی بات نہ ہوئی۔ وہاں بدستور ستائیا چھیلایا۔

کچھ دیر اور انتظار کر کے وہ ان چٹانوں کی طرف واپس ہوا جہاں اپنے ساتھیوں کو چھوڑا تھا۔

اوچے نیچے بچتوں کی اوٹ لیتا ہوا تیزی سے اس طرف بڑھتا رہا اور جب ان چٹانوں
میں پہنچا تو وہاں عجیب سی بومحسوس ہوئی اور ان لوگوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ انہیں آوازیں دیتا ہوا
پیچھے ہٹا چلا گیا۔ عجیب قسم کی بواس کے لئے پریشان کن تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تیزی سے چھپے نہ ہٹ آیا تو یہ بو تینی طور پر اسے بے دست و پا
کر دے گی۔ اپنے پورے جسم میں کچھ اس قسم کی سمناہٹ بومحسوس کر رہا تھا کہ ایک جگہ اسے بیٹھ
ہی جانا پڑا۔

وہ بوکی زد سے نکل آیا تھا لیکن ایسا بومحسوس کر رہا تھا جیسے اس کے ذہن پر نیند کا غلبہ ہو رہا
ہو۔ آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ ایک پھر سے نک گیا اور گہری گہری سانس لینے لگا۔ نیند
بلکی غنوڈی سے آگے نہ بڑھ سکی اور وہ کچھ دیر بعد پھر معمول پر آ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کیا وہ لوگ ان کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے اپنے ریوالو کے چیبر چیک
کئے اور سینے کے بل خیبوں کی طرف رینگنے لگا۔ زمین تاہموار تھی اور کہیں کہیں پر دیکھ لئے جانے

اس نے ان پر گرتے ہوئے دیکھا کہ خیسے کے سراپا درجے کے قریب جا پہنچا۔ وہ سب غالباً اسی خیسے میں اکٹھا تھے اور کسی کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔
پینے کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں نامی گن تھی اور دوسرا کے ہاتھ میں ایک ایسی مشین جس سے اسی خیسے میں منتشر کی جاتی ہے۔ گیس سلنڈر اس کے شانے پر لکھا ہوا تھا۔ گیس کی خاصی اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ اسکا کوئی آدمی خیسوں کے باہر تو موجود نہیں ہے۔

مقدار اس کے پھیپھیوں میں بھر گئی اور ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔
بآہتگی اس خیسے میں داخل ہو گیا۔ ایک آدمی فرش پر پا تھا اور بارہ آدمی اسے گھیرے بیٹھے تو صرف اس کا نہیں۔ سخنوں کی بھی کیفیت نظر آتی تھی۔ جو جہاں بیٹھا تھا بیٹھا ہی رہ گیا۔
آہستہ آہستہ فریدی کا ذہن تاریکی کی دلدل میں پھنستا چلا گیا اور تمہوڑی دیر بعد اسے نہ اپنی بحریتی اور نہ گردیوں کی۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اور پر اخدا دیے اور ایک بولا۔ ”احسان کا بھی بدلتے ہے؟“
”ہاں..... احسان کے بدلتے میں ہم کوئی بڑا نقصان اٹھاتے..... کیوں!“ فریدی اُر۔ دوبارہ آنکھ کھلنے پر اس نے خود کو ایک چھوٹے سے کرے میں پایا تھا۔ کرہ کیا قبر ہی کہنا چاہئے۔ نہ کوئی کھڑکی تھی اور نہ کوئی دروازہ۔ لیکن گھنٹن کا احسان نہیں تھا۔ وہ تمہوڑی دیر تک بے سی حرکت پڑا رہا پھر اٹھ بیٹھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پوری نیت لینے کے بعد تروتازہ اٹھا ہو۔
”صرف ایک منٹ دیتا ہوں۔ اگر ان کا پتہ معلوم نہ ہو تو تم میں سے ایک کو بھی زندہ تھی جیسی خیسے میں پھیلائی گئی تھی اور وہ سب بے سی حرکت ہو گئے تھے۔ تو کیا وہ اسی اندر چھوڑوں گا۔“

کراوٹ تغیرات میں آپنچا ہے جن کا تذکرہ ریٹا اور حمید نے کیا تھا۔

”وہ سہری سے اٹھ کر اس قبر نما کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتا کمرے میں ایک آواز گونجی۔“

”ہم نہیں جانتے..... یقین کرو۔“ وہ شکاری بولا جسے نفیات میں دخل تھا۔ وہ کہتا ہے۔ ”خوش آمدید کرئیں فریدی۔ اگر تم جس سے گفتگو کرنا پسند کرو تو تمہاری آواز مجھ سک پہنچے۔“

”یہ سب کچھ چند ایسے لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے جو شراب پی کر ہوش کھو بیٹھے تھے۔“ لیکن

”بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔“ فریدی بولا۔

”تم بڑے مشہور آدمی ہو۔ عرصہ سے سوچ رہا تھا کہ تمہیں شرف باریابی محسوس ہے۔ لہذا

”ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ تمہیں یقین دلانی۔“ میں تمہارے ساتھیوں پر لیکھا تھا کہ ذی آئی جی کا جسم ایک دوسرا آدمی کے جسم سے بدل

ٹالا۔ میں جانتا تھا کہ وہ سیدھا تمہارے پاس ہی جائے گا۔“

”فریدی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسی قسم کی بوچھڑائے محسوس ہوئی۔ اس نے بولکا کہ۔“

”کرئیں فریدی! تم کسی خوش فہمی میں بتلانہ ہوئا۔“

کا خدش بھی پیدا ہوتا تھا۔ وہ اسی طرح ریگنا ہوا خیسوں کے قریب جا پہنچا۔ وہ سب غالباً

پینے کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں نامی گن تھی اور دوسرا کے ہاتھ میں ایک ایسی مشین جس سے اسی خیسے میں منتشر کی جاتی ہے۔

بآہتگی اس خیسے میں داخل ہو گیا۔ ایک آدمی فرش پر پا تھا اور بارہ آدمی اسے گھیرے بیٹھے تو ”تم سب اپنے ہاتھ اور اٹھاو۔“ وہ فریدی کی آواز پر چونک پڑے۔

”ہاتھ اور اٹھاو..... میں نے کہا ہے۔“ فریدی پھر غایا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اور پر اخدا دیے اور ایک بولا۔ ”احسان کا بھی بدلتے ہے؟“

”ہاں..... احسان کے بدلتے میں ہم کوئی بڑا نقصان اٹھاتے..... کیوں!“ فریدی اُر۔

”کوئی کھڑکی تھی اور نہ کوئی دروازہ۔ لیکن گھنٹن کا احسان نہیں تھا۔ وہ تمہوڑی دیر تک بے سی حرکت پڑا رہا پھر اٹھ بیٹھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پوری نیت لینے کے بعد تروتازہ اٹھا ہو۔“

”صرف ایک منٹ دیتا ہوں۔ اگر ان کا پتہ معلوم نہ ہو تو تم میں سے ایک کو بھی زندہ تھی جیسی خیسے میں پھیلائی گئی تھی اور وہ سب بے سی حرکت ہو گئے تھے۔ تو کیا وہ اسی اندر چھوڑوں گا۔“

”ہم کچھ نہیں جانتے۔“

”ایک منٹ۔“

”ہم نہیں جانتے..... یقین کرو۔“ وہ شکاری بولا جسے نفیات میں دخل تھا۔ وہ کہتا ہے۔ ”خوش آمدید کرئیں فریدی۔ اگر تم جس سے گفتگو کرنا پسند کرو تو تمہاری آواز مجھ سک پہنچے۔“

”میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔“

”ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ تمہیں یقین دلانی۔“ میں تمہارے ساتھیوں پر لیکھا تھا کہ ذی آئی جی کا جسم ایک دوسرا آدمی کے جسم سے بدل

ٹالا۔ میں کہنے لیکن وہ میں نہیں ملے۔“

”فریدی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسی قسم کی بوچھڑائے محسوس ہوئی۔ اس نے بولکا کہ۔“

”کرئیں فریدی! تم کسی خوش فہمی میں بتلانہ ہوئا۔“

نونے میں ہی نہ آتی تھی۔

”یہاں سے نکل جانا ناممکن ہوگا۔۔۔ اگر تم مجھے فکست دینے کی سوچ رہے ہو تو اہر“ ”غاؤں۔۔۔ غاؤں۔۔۔!“ کر کے کروٹ بدلتا اور پھر خانے لینے لگتا۔ آخ فریدی نے

اس کے تھنے دبائے اور جب دم گھنٹے لگا تو وہ گردن جھک کر اٹھ بیٹھا۔

”سالوں میں نہیں لینے دے گے۔۔۔ وہ حلق کے مل دہڑا۔۔۔“

”ہوشی میں ہو یا نہیں۔۔۔“

قام چوک کر اپنی آنکھیں ملنے لگا اور پھر اسے اس طرح گھورا جیسے آنکھوں پر یقین نہ

ارہا ہو۔

”آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ یعنی۔۔۔ نقل پڑے آپ۔۔۔؟“ وہ ہکلایا۔

”کیا بک رہے ہو۔۔۔“

”واقعی دلیر ہو۔۔۔ اچھی بات ہے۔۔۔ تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔۔۔ خود کو کہا کہا۔۔۔ آپ یہاں۔۔۔ قیسے آگئے۔۔۔ میں نے جس کو پہنچایا ہے پھر اس کی صورت نہیں

دیکھ کر پسند کرلو۔۔۔ جس مسہری پر بیٹھے ہواں کے سرہانے کے باسیں جانب والے پائے نکھلائی دی۔۔۔“

”بکھر میں نہیں آیا کہ تم کیا کہر رہے ہو۔۔۔؟“

”گھاؤ۔۔۔ باہر نکلنے کا راستہ مل جائے گا۔۔۔“

”اچھا قایمیں آپ کو ڈپٹی کمشنز معلوم ہوتا ہوں۔۔۔“

”کیا تم ذہنی فنر میں جتنا ہو گئے ہو۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ ان سالوں نے مجھے ڈپٹی کمشنز بنا دیا ہے اور گذوں کی طرح مردے ڈھویا کی پوری چوڑائی خلاء میں تبدیل ہو گئی۔۔۔ پھر جیسے عیادہ اس خلاء سے گزر کر باہر آیا۔۔۔“

”مجھے پوری بات بتاؤ۔۔۔“

”برابر ہو گئی۔۔۔ اب وہ ایک طویل رابہداری میں کھڑا تھا۔۔۔“

قام کچھ دیر خاموش رہ کر منہ چلانا رہا پھر شروع سے اپنی کہانی دہرانے لگا۔۔۔ فریدی کے

یہاں بھی کوئی کھڑکی یا دروازہ نہ دکھائی دیا لیکن گھنٹن کا احساس یہاں بھی نہیں تھا۔۔۔

ہتھی لمبی راہ داری میں جس کی آخری حدیں نکا ہوں سے او جھل تھیں صرف ایک آنے پر نتوحیت کے آثار تھے اور نہ ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہانی اس کے لئے دلچسپ ثابت

ہے۔۔۔ قام کے خاموش ہو جانے پر وہ ٹھوڑی دیریک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔۔۔“ تو تم مجھے بھی

لے جکر سے اٹھا کر لے گئے تھے؟“

”دکھائی دیا وہ بھی فرش پر چلت پڑا ہوا تھا۔۔۔“

”قسام۔۔۔!“ وہ اس کے قریب بیٹھ گر بڑا بڑا۔۔۔

قسام بے خبر سورہا تھا۔۔۔ فریدی نے جھک کر اسے جھنجورا۔۔۔ جھنجورا تھا لیکن قام کا ”تم آں۔۔۔ اور پھر تو لائں لگ غئی تھی۔۔۔“

”اور آپ جناب عالی..... ایڈیشن ڈپٹی کمشنر مقرر کئے گئے ہیں۔“ اسی آدمی نے فریدی

”بن جائیے..... بن جائیے۔“ قاسم فریدی کو آنکھ مارنے کی کوشش کرتا ہوا مسکرا یا۔

وہ دونوں خاموش بیٹھے انہیں حرمت سے دیکھ رہے تھے۔

فریدی بے تعلقانہ انداز میں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

انت میں گھنٹی بجی اور قاسم بڑی گندی گندی گالیاں بکتا ہوا فرش سے اٹھ گیا۔

”یہ کیا بکواس شروع کر دی تم نے.....!“ فریدی نے اسے ڈانٹا۔

”ایڈیشن کو بھی ڈھونے پڑیں گے..... بہت کھش نہ ہوئے۔“

”کیا مطلب....؟“

”جب ڈپٹی کمشنر دے ڈھوتا ہے تو ایڈیشن ڈپٹی کمشنر قیسے نہ ڈھوئے گا۔“

”یہ کیا کہہ رہا ہے؟“ فریدی نے ان دونوں سے پوچھا۔

”صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں..... آپ بھی چلے۔“

”چلو کہاں چلتا ہے۔“

قاسم کا منزہ حرمت سے کھل گیا اور اس نے بلا خر کہا۔ ”ارے آپ! یعنی کہ آپ بھی

”پس ہو گئے۔“

”چلو..... بکواس نہ کرو۔“ فریدی نے اسے ڈھکلتے ہوئے کہا۔

”جب آپ ہی....!“

”میں کہتا ہوں چپ چاپ چلو۔“ فریدی نے تحکمانہ لجھ میں کہا۔

اب ان میں سے ایک فریدی کے ساتھ چلنے لگا اور دوسرا قاسم کے ساتھ۔ اس نے قاسم

سے کہا۔ ”یہ بڑی بات ہے کہ ایک ایڈیشن ڈپٹی سے ایسے لجھ میں بات کرے۔“

”تم امغز نہ خاؤ.....!“ قاسم جھلا کر بولا۔

”مجھے کیا..... آپ کا ماتحت ہے..... آپ جائیں۔“

”کیا مطلب....؟“

”اس کھیپ میں آپ سمیت چودہ آدمی تھے اور ایک آدمی کے کھون بھی بہر رہا تھا۔“ کہا۔

”آن لوگوں کے بسا کیسے تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”خاکی..... خاکی کمپیس اور خاکی پتلونیس.....!“

فریدی اس کے علاوہ اور کیا سوچتا کہ وہ شکاری ہی ہوں گے۔ اُن کی تعداد تیرتھی اُن میں ایک رخی بھی تھا۔

”آس سے پہلے....!“ قاسم مسکرا کر بولا۔ ”غمید بھائی کی یلا میلی..... اور ررم.....“

طلب..... یہ کوہ جولو کی حمید بھائی کے ساتھ تھی..... وہ آئی تھی۔ پھر ایک آدمی اور.....!“

”وہ آدمی کیسا تھا..... حلیہ بتاؤ۔“

قاسم نے ڈی آئی جی ہی کا حلیہ بتاتے ہوئے کہا۔ ”اور پھر اس کے بعد حمید بھائی

لیکن آپ نقل قیسے آئے۔ کیا ان سالوں کا کباز اور دیا۔“

”ابھی تو نہیں۔“

”مجھے ڈپٹی کمشنر بنا دیا ہے..... اور تو اور..... چڑاہی سالے اشلوں پر بیٹھیں اور.....“

زمین پر بیٹھوں..... وہ دیکھنے..... وہ آرہے ہیں۔“

فریدی باسیں جانب مڑا۔ وہ آدمی اُسی طرف چلے آرہے تھے۔ انہوں نے فربلا پس ہو گئے۔

طرف توجہ نہ دی اور قاسم کو بڑے ادب سے سلام کر کے سامنے واںے اشلوں پر بیٹھ گئے۔

”اب دیکھنے..... دیکھا آپ نے۔“ قاسم جل کر بولا۔ ”یہ سالے چڑاہی ہیں اور ملما۔“

کمشنر..... یہ سالے کہاں ہیں اور میں کہاں ہوں۔ لاکی کدرت۔“

”آپ خواہ خواہ غفا ہو رہے ہیں جناب..... ڈپٹی کمشنر عوام کا خادم ہوتا ہے یہ نہ بھوئے۔“

”اوہ آپ جناب۔“ قاسم نے نسوائی انداز میں چک کر کہا۔

”ہم ملازم نہیں رکھتے بلکہ ہمارا لیکش ہوتا ہے۔“ دونوں میں سے ایک بولا۔

”لو اور سنو..... لیڈر ہیں سالے۔“



”بیٹا..... ایک دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی..... دھری رہ جائے گی ساری بُری واقعیتی..... مرغی کی بولی بولو نئے..... سالوب کے سب۔“

وہ چلتے رہے..... ایک گلہ فرش پر ایک آدمی دکھائی دیا۔

”آپ اٹھا کر لے چلیں گے یا بڑے صاحب۔“ فریدی کے ساتھ والے آدمی نے اپنے پر بیٹا لیتے اور پا گلوں کی طرح چیختے کہ ایک نے دوسرا کے جسم چھین لیا ہے۔ سے پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔

”اوہ.....!“ اس کے قریب پہنچ کر فریدی کے منہ سے بے اختیار لکلا۔

یہ وہی شخص تھا جس نے چور دروازے سے اس کی کوشش میں داخل ہو کر اسے باور کرنا۔ اندر کر کل فریدی کے کہنے پر کہا یا تھا۔

کی کوشش کی تھی کہ وہ اس کا ذمی آئی جی ہے اور وہ شہر سے چلتے وقت اسے اپنے گھے خبرات چیخ رہے تھے۔ ”کرکل فریدی کہاں ہے؟“

حوالات میں دے آیا تھا۔ پھر وہ اس حال میں یہاں کیوں کچھ پہنچا۔

”کرکل فریدی۔“ اچانک وہی آواز رہداری میں گوئی۔ جسے وہ کچھ دیر پہلے اپنے قمرے میں سن چکا تھا۔

فریدی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ آواز پھر آئی۔

”تمہیں اس پر حیرت ہو گی۔ اس آدمی کو تم اپنے محلے کی تحویل میں دے آئی اور دھماکہ ہوا تھا۔ ورنہ پھر وہ کچھ لکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس جگہ کی زمین ایسی تھے۔ کرکل فریدی میں چاہتا تو تمہیں بھی اسی طرح انہوں مگواتا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

آواز پھرنہ آئی۔ مگر ان نے فریدی سے کہا۔ ”اخھائیے صاحب۔“

”میرے سامنے تو یہ ناممکن ہے۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں اخھاؤں گا۔“

”تم رہنے دو۔“ فریدی نے کہا۔

”معاف فوجئے گا..... میں آپ کا یہ کہنا نہیں مانوں گا.....!“ قاسم نے کہا اور جک جک برسے اسے صرف اسی قدر معلوم ہو۔ کہا تھا کہ وہ یہاں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اپنے محلے کے بے ہوش آدمی کو اٹھالیا۔

اسکی چھوٹیں سے دوچار ہونے کا پہلا موقعہ تھا۔

ادی سرخاب کی شہری آبادی اس وباء سے بے حد خاوف تھی۔ لوگ ایک دوسرے کے زبان پکڑ لیتے اور پا گلوں کی طرح چیختے کہ ایک نے دوسرا کے جسم چھین لیا ہے۔ پویں ابھی تک ہوئی فیضان والے دھاکے کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں کر سکی تھی۔

اٹل پی کر انہر جس کے اعلان کے مطابق ہوئی کے مسافر عمارت چھوڑ کر بھاگے تھے

یہ وہی شخص تھا جس نے چور دروازے سے اس کی کوشش میں داخل ہو کر اسے باور کرنا۔ اندر کر کل فریدی کے کہنے پر کہا یا تھا۔

خبرات چیخ رہے تھے۔ ”کرکل فریدی کہاں ہے؟“

ہوئی فیضان کی عمارت کی جگہ اب بلے کے ڈھروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

ملباہیا جا رہا تھا۔ خیال تھا کہ کچھ لوگ یقیناً دب گئے ہوں گے۔

جہاں جہاں سے لمبا اس حد تک ہٹا دیا گیا تھا کہ زمین کی سطح نظر آنے لگے کچھ عجیب

الت پائے گئے تھے۔ ماہرین کا خیال تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی قدرتی صورت حال تھی جس کی

”تمہیں اس پر حیرت ہو گی۔ اس آدمی کو تم اپنے محلے کی تحویل میں دے آئی اور دھماکہ ہوا تھا۔ ورنہ پھر وہ کچھ لکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس جگہ کی زمین ایسی

لمری تھی جیسے آتش نشان کالا اور اٹھنڈا ہو کر دوبارہ جنم گیا ہو۔

سوال یہ ہے کہ آخر کرکل فریدی کو اس قسم کے کسی حادثے کا علم قبل از وقت کیسے ہو گیا

نا۔ بھروسہ خود کہاں غائب ہو گیا؟

”میرے سامنے تو یہ ناممکن ہے۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں اخھاؤں گا۔“

اٹل پی کر انہر نے پر لیں کو اپنا بیان دیتے وقت خیال ظاہر کیا تھا کہ کرکل فریدی شائد

”تم رہنے دو۔“ فریدی نے کہا۔

”معاف فوجئے گا..... میں آپ کا یہ کہنا نہیں مانوں گا.....!“ قاسم نے کہا اور جک جک برسے اسے صرف اسی قدر معلوم ہو۔ کہا تھا کہ وہ یہاں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اپنے محلے کے

بے ہوش آدمی کو اٹھالیا۔

اٹل پی کر انہر نے پر لیں روپر ٹروں کو بتایا کہ مرکزی حکمہ سراغ رسانی کا ذمی آئی جی بھی

اٹل پی کر انہر نے پر لیں روپر ٹروں کو بتایا کہ مرکزی حکمہ سراغ رسانی کا ذمی آئی جی بھی

اسی تبدیلی جسم والی و باء کا شکار ہو گیا تھا اور کیپن حسید اس کی ٹکرائی کر رہا تھا۔ پچھلے ہوئے دیوبیکروں کی کہانی بھی شہری آبادی میں گشت کر رہی تھی۔ خصوصیہ ہوئی فیضان والا واقعہ کچھ اس طور پر بیان کیا جاتا۔ جیسے اس دیوبیکر کے پچھلے عین پوری عمارت دھماکوں کے ساتھ ڈھیر ہو گئی۔ تبدیلی جسم کے متعدد و اعقات پولیس کے علم میں آئے۔ پولیس متعلقہ نوکری کرتی رہی۔ پھر وہ اس طرح غائب ہو گئے کہ ان کے متعلقین بھی ان کی نشاندہی نہ کر رہے پوری وادی عجیب بیجان میں بدل آتی۔

تبدیلی جسم کا ایک واقعہ تو پولیس کے لئے دردسر ہی بن کر رہ گیا تھا۔ شہر کے سرمایہ دار جو ایک دوسرے کے جانی دلخیل بھی تھے اس وباء کا شکار ہو گئے اور ان کا بھروسہ نکل بڑھا کر صدر مملکت تک بات جا بیٹھی۔ آہستہ آہستہ پورے ملک میں سمنی پھیل گئی۔ اگر وہ کوئی وباء تھی تو پورے ملک میں پھیل سکتی تھی۔

خصوصیت سے وادی میں ہنگامی حالات کا اعلان کرتے ہوئے حکومت نے مارٹل نفاذ کر دیا۔ شہر کا نظم و نت سنبھالنے والوں کی طرف سے منادی کر دی گئی کہ اس قسم کا لا کیس کسی کی بھی نظر سے گزرے تو وہ اس کی اطلاع فوراً ملٹری جکام کو دے۔ خلاف کرنے والے کے لئے بہت بڑی سزا مقرر کی گئی تھی۔

ملک بھر کے ڈھنی امراض کے ماہر وادی میں اکٹھا ہو گئے تھے اور ہنگامی طور پر ایک گاہ قائم کر دی گئی تھی۔ اس وباء کے شکار وہاں لائے جاتے اور ماہرین ان کا معاون کر لیں ابھی تک کسی خاص نتیجے پر پہنچنا ممکن نہ ہوا تھا۔

اگر کوئی ایک شخص یہ دعویٰ کرتا کہ کسی نے اس کا جسم چھین لیا تو اسے کسی قسم کا ذلتا باور کر لیا جاتا۔ لیکن وہاں تو ایسے لوگوں کے جوڑے پہنچ رہے تھے جو ایک دوسرے پر جمع

ڈاکزنی کا الزمام رکھتے۔ پھر دفتار پورے ملک میں کرٹل فریدی اور کیپن حسید کی ٹلاش شروع ہو گئی۔ ڈی آئی جی کا طبلہ بھی جاری کیا گیا۔ لیکن فریدی کے محلے کے دوسرے حکام اپنے سر پیٹ رہے تھے کیونکہ اس بار فریدی نے اپنے آئی جی کو اپنی مصروفیات سے لاعلم نہیں رکھا تھا۔ اس نے باقاعدہ طور پر اپنی رپورٹ ڈیش کی تھی اور بتایا تھا کہ وہ وادی سرخاب کا سفر کیوں کر رہا ہے اور اس آدمی کو باضابطہ طور پر اپنے محلے کی حوالات میں دیا تھا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ڈی آئی جی ہے اور کسی دوسرے شخص نے اس کا جسم چھین لیا ہے۔

لہذا جب وہ شخص حوالات سے پہنچا اسرا رطوب پر غائب ہو گیا تو محلے کے حکام کو سر پیٹنے ہی پڑے۔ فریدی اور حسید کہاں ہیں؟ ملک بھر کے اخبارات اسی ایک سوال پر زور دے رہے تھے۔ محلہ محکم تھا کوتاڑا جا رہا تھا کہ اس نے اس وباء کی طرف دھیان کیوں نہیں دیا۔ مختلف انداز فکر رکھنے والے طرح طرح کی باتیں کرتے۔

کچھ لوگ قرب قیامت کی بھی پاتیں کر رہے تھے۔ عجیب سے شب و روز گزر رہے تھے۔ وادی کا ہر شخص سہا ہوا تھا۔ پتے نہیں کب اسے بھی اس دیوالگی کا شکار ہونا پڑا۔



فریدی کی ریسٹ و اچ کے مطابق یہ پانچواں دن تھا اور وہ قاسم کے ساتھ اسی راہداری میں پڑا رہتا۔ بیہوش عورتوں اور مردوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ان دونوں کا کام تھا۔ اب وہ دونوں آدمی بھی نہ ہوتے جنہیں قاسم چپراہی کہتا تھا۔ جیسے ہی گھنٹی بجتی وہ دونوں اس طرف روانہ ہو جاتے جہاں سے بے ہوش آدمیوں کو لانا ہوتا تھا۔ کھانے کے اوقات میں اک راہداری میں دروازہ نسودار ہوتا اور وہ اس سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہوتے جہاں

”اپ مجھے تو تجوہ بتاتے ہیں۔“
”جیہیں کیا بتاؤ؟“

”بھی کر جید بھائی عورتوں کی طرح کیوں باتیں کرنے لگے ہیں۔“
”تمہارا بھی بھی خشن ہونے والا ہے۔“

”میرے اقوؤں؟“
”بیس دیکھ لیتا!“

تاقم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جید بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دونوں کرسیوں سے اٹھ گئے۔ فریدی اور جید خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے جا رہے تھے اور تاقم اس طرح کامنہ بنائے ہوئے تھا جیسے جلد ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے جید سے کہا۔

اس میز کے گرد کئی کریاں تھیں۔ جید خاموشی سے بیٹھ گیا۔

”کوئی نئی کہانی۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

جید نے نقشی میں سرہلا دیا۔

”تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟“

”بہت سی لوڈیاں دیکھ لی ہوں گی۔“ تاقم بول پڑا اور پھر اسکے دانت بھی نکل پڑے۔

جید نے اسے گھوکر دیکھا۔

”سنو.....!“ فریدی نے اسے مخاطب کر کے بخیج دی گئی سے کہا۔ ”مجھے حملکی ملی ہے کہ اگر

تمہارے استنشت نے نسوانی طرز گفتگو نہ چھوڑا تو اسے بچ جع عورت بنا دیا جائے گا۔“

”اب میں خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہوں۔“ جید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

وختاڑی آئی جی اور سعیدہ بھی کمرے میں داخل ہوئے۔

”فریدی.....!“ ذی آئی جی اس کی طرف جھپٹنا اور دونوں بغل گیر ہو گئے۔

”میرے بیٹے۔“ ذی آئی جی نے گلو گیر آواز میں کہر رہا۔

میز پر کھانا چنا ہوا ملتا۔ قاسم کی پوری پوری خواراں موجود ہوتی اور وہ شکم سے ہو کر کھاتا۔ فریدی اس کے براغ کے سگار بھی ملتے تھے۔

آج بب وہ اسی کمرے میں ناشتر کر رہے تھے آواز آئی۔ ”کرنل فریدی تمہارا استش نیرے لئے مسئلہ بن گیا ہے۔“

”میرے لئے ہمیشہ سے رہا ہے۔“ فریدی لاپرواٹی سے بولا۔

”وہ خواہ خواہ عورتوں کے سے انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔ حالانکہ اس پر وہ عمل نہیں جس کی بناء پر جسم بدل جاتے ہیں۔“

”اس کا یہ مرض نفیاتی بھی ہو سکتا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”عورتوں کی تمنا اور ان سے محروم اکثر مردوں کو عورت بنا دیتی ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی کوئی بات ہوگی۔ جب کہ یہاں آنے سے قبل بھی ایک عورت ان کے ساتھ تھی۔“

”اس نے خود ہی حرام کر کر گئی ہیں اپنے اوپر۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“

”اُسے دراصل روح کائنات سے پیار ہے۔ اگر وہ بھی عورت کے روپ میں ڈھل کے تو میر گئے استنشت کی پیاس بھی بجھ جائے گی۔“

”میرا خیال ہے کہ موجودہ صدمے نے تم دونوں ہی کے ذہنوں پر برا اثر ڈالا ہے۔“ فریدی کچھ کہنے کی بجائے سگار سکانے لگا۔

”کیا تم اس سے ملتا چاہتے ہو.....!“ کچھ در بعد آواز آئی۔

”یقیناً..... میں اُس کے لئے فکر مند ہوں۔“

”تمہارے تینوں ساتھی کچھ در بعد تم تک پہنچ جائیں گے۔“

”شکریہ۔“

قاسم حرمت سے منہ چڑے یہ ساری گفتگوں رہا۔ کچھ در بعد وہ بولا۔

تم تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر ابل پڑا۔ شروع سے آخر تک کی پتاد ہرادی۔
جید بھی ہستا اور کبھی سنجیدہ نظر آئے لگتا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔
”تو وہ چین اور جیکٹ والی کہاں گئی؟“
”پہنیں..... اس کے بعد سے سالی نظر عنی نہیں آئی۔“
”اوہ وہ حشی عورت؟“

”ارے باپ رے۔ مت یاد دلاو حمید بھائی۔ قیچہ منہ کو آتا ہے۔“
”ابے تو تم ذرگئے تھے اس سے۔“
”وزرہ جاتا تو کیا نچوا کھستوا ذالت اپنے کو۔“
”اوہ وہ ایم اے ان اردو والی بات۔“
”یکین نہیں آتا۔“ قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”پروفیسر ون اور طالب علموں کو بھی جوڑ کر رکھ
لے ہوگی۔“

حمد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ راہداری میں ایک قیچہ گونجا پھر آواز آئی۔
”تم غلط سمجھے ہو..... آج سے پانچ سال پہلے وہ ایک چھوٹی سی دلی پتلی لڑکی تھی۔“
”جھوٹ..... بالکل جھوٹ۔“ قاسم دونوں ہاتھ اٹھا کر شور چانے لگا۔
”یہ میرا کمال ہے کہ اب وہ ایک وحشت زدہ دیوانی معلوم ہوتی ہے۔“
آواز سن کر فریدی ڈی آئی بھی اور سعیدہ بھی راہداری میں نکل آئے تھے۔
”اب وہ ایک وحشت زدہ دیوانی ہے۔ اپنے جوڑے کی تلاش میں۔“

”جوڑے کی تلاش.....!“ قاسم نے بوکھلا کر دہرایا۔ ایک پل کے لئے چہرے پر فکر
منڈ کے آثار نظر آئے اور پھر ”ارے باپ رے۔“ کہہ کر دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹھے لگا۔
”لیکن تمہارے دیوبیکروں میں ایک بڑی خامی رہ گئی ہے۔“ فریدی نے اوپر آواز میں کہا۔
”وہ کیا کریں فریدی؟“
”جنہیں جذبے کو نہیں سہار پاتا۔“

”بلا۔ ختمہاری کوششوں سے مجھے میرا جسم واپس مل گیا۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ اس سے علیحدہ ہو کر اسے بغور دیکھنے لگا۔ ڈی آئی بھی کے چہرے
سے خوشی پڑ رہی تھی۔
سعیدہ کے چہرے پر پھر پہلی بھی کرنگی طاری ہو گئی تھی۔

تباه کن منصوبہ

وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد ڈی آئی بھی بولا۔ ”سبھی میں نہیں آتا یہ سب کیا ہے؟“
اس نے جملہ فریدی بھی کو مخاطب کر کے ادا کیا تھا۔ لیکن فریدی کچھ نہ بولا۔
تحوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ ملکے کی حوالات سے کس طرح
یہاں پہنچے تھے۔“
”قطعی کچھ نہیں معلوم کہ یہ کیونکر ہوا۔ ایک رات سویا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو خود کو میں پا پا
اور میرا جسم مجھے واپس مل چکا تھا۔“

”اچھا آپ لوغ بیٹھے۔ میں جا رہا ہوں۔“ قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ ”کہیں کھنٹی نہ نک جائے۔
بڑی مشکل سے ان حرامزادوں سے پیچھا چھوٹا ہے۔“
ڈی آئی بھی نے قاسم کی طرف سوالیے نظروں سے دیکھا۔
فریدی نے سر کو جنبش دی۔ قاسم کے باہر نکلتے ہی حمید بھی اٹھ گیا اور راہداری میں دونوں
کی یادگار ملاقات ہوئی۔

”ابے یہ منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟“ حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔
”تمہاری جبت میں بردے..... ڈھور رہا ہوں۔“
”کیا بات ہوئی۔“

”تم کیا جانو.....؟“

” مختلف شہادتوں کی بناء پر میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ وہ قاسم جیسے لوگوں سے ہیں لیکن وہ اسی وقت تک کارآمد ہیں جب تک کسی عورت پر ان کی نظر نہ پڑے۔“
کچھ دیر سنا تارہا پھر لکھا رنے کی آواز کے ساتھ کہا گیا۔ ”تم واقعی بہت ذہین،
ٹھیک نتیجے پر پہنچے۔ اچھی بات ہے کہل فریدی۔ میں تمہیں اپنے عبا سبارت ضرور دکھانی
فریدی کچھ نہ بولا۔ قاسم احمقانہ انداز میں منہ چلا رہا تھا۔ اس کے بعد پھر کچھ نہ
فریدی وغیرہ پھر اسی کمرے میں چلے گئے۔“

”اب بتاؤ بیٹا۔ اگر جوڑا لگا دیا اس نے تو کیا ہوگا۔“ حمید نے قاسم سے کہا۔

”اے بس۔۔۔ ایسی خرافات مت نفالوز بان سے۔ کبھی کبھی کا قہا ہوا ہو بھی جاتا۔“
”تم تو مر رہے تھے اس آرزو میں۔“

”تو بہ قبرو۔۔۔ تو بہ۔۔۔ تم نے دینا کہاں ہے اُسے۔ چوکڑی بھول جاتے۔۔۔“
”نہیں بلکہ۔۔۔ بلکہ غورت ہے۔“

”غورت۔۔۔ کیا بات ہوئی؟“

”نہیں بڑی ہوتی ہے میں سے۔۔۔ ڈھل ایک دم ڈھل۔ ارے باپ رے۔“
”تم بہت خائف ہو اس سے۔“

”اب قیا بتاؤ تم سے۔“

”بتاؤ۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ کوئی حرج نہیں۔“

استئنے میں گھٹنی بھی اور قاسم بوكھلا کر دوسرا طرف دوڑ پڑا۔ حمید اس کے پیچے تھا۔
دونوں اس گلک پہنچے جہاں بیہوش آدمی ملا کرتے تھے۔

لیکن اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں تھا لیتے دیوار میں ایک گلک دروازہ نظر آ رہا تھا۔
وہ دونوں دروازے کے سامنے رک گئے۔ دفعتاً قاسم کی باچپیں کھل گئیں۔

کمرے میں ایک بھی شیخیم عورت دکھائی دی۔ وہ جیکٹ اور جین میں مبوتن تھی۔

”بھی ہے۔“ قاسم نے آہستہ سے کہا۔

”کون۔۔۔ وہ دخنی عورت۔“

”اے نہیں۔۔۔ وہی جین اور جیکٹ والی جس نے کھانا کھلایا تھا۔“

”اسی لئے یاد بھی رہ گئی کہ کھانا کھلایا تھا۔“

”تی مطلب۔۔۔؟“ قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

”بھگڑا نہیں پیارے بھائی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”وہ تمہیں دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔“

استئنے میں عورت دروازے کے قریب آ کر بولی۔ ”تشریف لا یے۔“

”دونوں۔۔۔؟“ قاسم نے بوكھلا کر پوچھا۔

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔!“

”بجور درور کی قولی بات نہیں۔۔۔ سب چلتا ہے۔ یعنی کہ اگر ان کو نہ بلانا چاہو تو کوئی

”بات نہیں۔“

”نہیں صاحب۔۔۔ آپ دونوں آئیے۔“

”چلو سالے۔“ قاسم حمید کو گھوڑتا ہوا غصیلے لمحے میں بولا۔ حمید نے اس کا یہ جملہ کچھ ایسے

”نہیں بڑی ہوتی ہے میں سے۔۔۔ ڈھل ایک دم ڈھل۔ ارے باپ رے۔“

”دونوں کمرے میں داخل ہوئے اور دیوار خود بخود پر ابر ہو گئی۔“

حمید نے پلٹ کر دیکھا اور پھر عورت کی طرف دیکھنے لگا۔

”آپ کیا بیٹیں گے؟“ عورت نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

”ابھی تو چائے پی پتھے ہیں۔“ قاسم مسکرا کر بولا۔ ”نکلف نہ تجھے۔“

حمد خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ پر سکون رہے۔ قلمی نہیں چاہتا

تمکا قاسم کی بات پر بے لگام ہو جائے۔

”درد جا۔۔۔ پھر بند۔“ قاسم بڑا بڑا۔ ”اس کھل بند سے تو میں تھگ آ غیا ہوں۔“

”کوئی پریشانی کی بات نہیں۔“ عورت مسکرائی۔ ”تم جب چاہو گے پھر کھل جائے گا۔ کیا

تم نے مجھے اپنے لئے مانگا تھا؟“

”وہ..... بب..... بات یہ ہے کہ.....!“ قاسم کی سانس پھولنے لگی۔ اور میرے ہنس کر بولی۔ ”لہذا مجھے تمہاری خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔“

”اب دیخو.....!“ قاسم حمید سے بولا۔ ”ہم تو مردے ڈھوتے ڈھوتے مارے جائیں۔“ چکھ دیر بعد حمید عورت سے

”بچھنے کے لئے مرا اور پھر اچھل پڑا۔“ تصرف یہ کہ عورت وہاں موجود نہیں تھی بلکہ دیوار کا
اغلبہ بھی غائب ہو گیا تھا۔ قاسم کی عقل بھی ٹھکانے آگئی اور وہ خوفزدہ نظرؤں سے سوئے
ہیں اور یہ بیچاری ہماری کھدمت قریں غی۔“

”حمید کچھ نہ بولا۔“

”آپ نہیں سمجھ سکتے۔“ عورت کچھ دیر بعد بولی۔ ”یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔“
”مردے ڈھونا۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

”میں بھی سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس انسانیت کو۔“ حمید بولا۔

”تمہیں کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔“ قاسم جھنجھلا گیا۔

”کیوں نہیں۔ سب کو سمجھنا چاہئے۔“ عورت نے کہا۔

”ارے واہ..... سب کو کیسے سمجھنا چاہئے..... میں نے مانگا تھا تمہیں بادشاہ سلامت

سے۔ اور پھر میں تو ڈپی کشز ہوں..... اور یہ سالا۔“ قاسم جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی اکارٹھ بیٹھا۔

”بوزیر ہو جاؤ۔“ قاسم حمید کا بازو پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

”دھتنا عورت کو مخاطب کر کے پر شور انداز میں بولا۔“ یہ میرا بہت بیارا دوست ہے۔
”بھجاواؤ..... اسے بھی سمجھاؤ..... اور قیا۔“

”آپ دونوں میرے ساتھ آئیے۔“ وہ ایک جانب بڑھتی ہوئی بولی۔

”حمد نے سامنے کی دیوار میں خلاء پیدا ہوتے دیکھا لیکن یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ اس عورت
کے کسی فعل کا نتیجہ تھا یا خود بخود ایسا ہوا تھا۔ وہ خود آگے چل رہی تھی اس کے پیچے قاسم تھا اور
پھر حمید۔ جیسے علی حمید درے کرے میں داخل ہوا اُسے ٹھک جانا پڑا۔ ایک دیوپیکر آدمی
سامنے علی فرش پر چلتا پڑا سورہا تھا۔

”اب اور دیخو.....!“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”قاسم ہمت نہ ہارتا۔“ حمید نے اُس کے شانے پر تھکی دی۔

”اللہ ما لک ہے۔“ قاسم نے کہا اور پھر آگے بڑھ کر بولا۔ ”خبردار۔“

”دیوپیکر اس پر جھپٹ پڑا۔“



سعیدہ نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی نے سر کی جگہ سے اس مشورے پر عمل

کرنے کا اشارہ کیا۔ سعیدہ وہاں سے چلی گئی۔ اب وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے کم از کم اٹھ

فریدی اور ذی آئی بھی وغیرہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے ان کے عقب کا ایسا الوں کو تو نظر آئتی۔ دیوبیکر کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا بند ہو گیا اور سامنے کی دیوار میں آگے گانے کا راستہ بن گیا۔ فریدی بے دھڑک آگے ہوا جیسے وہ قسم کو پیش کر رکھ دے گا۔

گیا تھا اور ان دونوں نے اس کی تصدیق کی تھی۔ قائم نے ایک گھنٹا فرش پر بیک دیا تھا اور دیوبیکر اس پر چھا گیا تھا۔

دوسرے بکرہ بھی پہلے ہی جیسا تھا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی باسیں جانب قائم شاد اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ اس کی پیٹھ فرش سے نہ لگنے پائے۔ دفعتاً غیر ملکی دیوار میں دروازہ نمودار ہوا اور وہ اس سے بھی گزرے چلے گئے۔ اسی طرح چار کروپیں بھی طرف دوڑتا چلا گیا۔ قریب تھی کہ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی تارچ نکالی اور اس کروہ ایک بہت بڑے ہاں میں داخل ہوئے جو صفت دائرے کی شکل کا تھا۔ ایک غیر ملکی ارن دیوبیکر کی طرف کر دیا۔ تارچ سے گہری نیلے رنگ کے غبار کی لکیری نکل کر دیوبیکر کے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ وہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ہاں کی بیوتوں میں پڑی اور وہ قاسم کو چھوڑ کر بلبلاتا ہوا دیوار سے جال گا۔

آڈیونوریم قسم کی تھی۔ دفعتاً اس ایک اٹھ نمودار ہوا جو صفت دائرے کے ایک اُر قسم دونوں نیچے آ جاؤ۔ غیر ملکی نے قاسم اور حمید کو مخاطب کر کے کہا۔

سے دوسرے گوشے تک خط مستقيم بناتی تھی اور اس اٹھ پر تین آدمی نظر آئے۔ جن میں قاسم فرش پر دو زانوں بیٹھا جھوم رہا تھا۔ حمید جلدی سے آگے بڑھا اور اسے چھوڑ کر وہاں جمید اور قاسم تھے اور تیسرا ایک دیوبیکر آدمی تھا۔ حمید ایک گوشے میں دیوار سے لگا کھڑا تھا اسی انہیں کی کوشش کرنے لگا۔ بدقت تمام وہ قاسم کو اٹھ سے ہاں میں لا سکا تھا۔ قاسم کی دونوں آپس میں زور کر رہے تھے۔ دیوبیکر کے چہرے پر بلا کی درندگی خاہر ہو رہی تھی اسی طرح پھول رہی تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ سفید قام ہر چند کر انکے خلاف اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا لیکن اسکے چہرے پر سراسیگی کے آہنے لگلے نے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

”چلو.....اب میں تمہیں گورنر بناؤں۔“

”نہیں جاتا۔“ قاسم نہ صرف رک گیا بلکہ جھکے کے ساتھ اس سے اپنا ہاتھ بھی چھڑا لیا۔

”گورنر بن جانے کے بعد تم اس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دو گے۔“ غیر ملکی بولا۔

”یہ بات ہے تو چلو.....!“ قاسم غرایا۔

”دونوں ایک دروازے میں داخل ہو کر نظر وہ سے اوجھل ہو گئے۔

”اُنکھیں سعیدہ کہاں ہیں؟“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔

”پر نہیں.....سعیدہ کو یہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔“

اس کا لہجہ بے حد ناخنگوار تھا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جتاب۔“ غیر ملکی نے اردو میں جواب دیا۔

آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہو گا۔

فریدی پھر اٹھ کی طرف ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔

دفعتاً غیر ملکی نے سعیدہ سے کہا۔ ”محترمہ آپ اس طرف چلی جائیے۔ میرا خالہ۔

یہ تماشا آپ کو پسند نہیں آ رہا۔“

اجنبی نے باسیں جانب والے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"چلو اسے ڈھونڈیں۔" ذی آئی جی نے مختار بان لجھے میں کہا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کتنے بے دست و پا ہیں۔ اگر وہ خود نہ چاہیں تو ہم بھی سیدہ نک نہ پہنچ سکیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں صبر سے کام لیتا چاہئے۔" ذی آئی جی کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ بہت بے چین نظر آرہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد صرف قام ہال میں داخل ہوا۔ غیر ملکی اس کے ساتھ نہیں عمارت نظریں اٹیچ کی طرف تھیں۔ جہاں دیوبیکار آدمی اب بھی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ قام اٹھا کر اسے لکارا۔ "آرہا ہوں سالے..... ہوشیار۔" اور پھر وہ تو سب ہی تحریرہ کے آہنے پہلے چلکے آدمی کی طرح چوڑکیاں بھرتا ہوا اٹیچ پر جا کودا تھا۔

دیوبیکار آس کی طرف جھپٹا۔ لیکن دیکھنے والوں کو اندازہ نہ ہوا کہ قام نے اس طرح کپڑہ کر اپنے سر سے اوپنچا اٹھا لیا تھا۔ اتنی پھرتی کی توقع اس سے نہیں کی جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اسے فرش پر دے مارا اور پھر بڑی پھرتی سے جھک کر اسے باہر سر سے اوپنچا اٹھا کر ایک اور پٹختی دی۔ اس طرح متواتر پانچ پٹختیاں دینے کے لئے کراں سے دیکھا اور سیدھا کھڑا ہوتا ہوا دہڑا۔ "دنخ لو..... آخر جان نقل غئی سالے کا میں واکنی گورنر ہو گیا ہوں۔"

"موجودہ انسانی نسل بیکار ہو چکی ہے۔ تم مجھے دیکھی ہی رہے ہو۔ میں آدمی سے زیادہ حمید نے اٹیچ کی طرف بڑھنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ کپڑا لیا۔ اتنے میں اٹیچ کا آدمی کی پرچا میں معلوم ہوتا ہوں۔ میرے قوئی مضبوط نہیں۔ میرا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ دادا سرکتے ہوئے سلیب نے ڈھک لیا تھا۔ قام کا اب کہنی پڑتے نہ تھا۔ وہ خاموش کھڑا۔" اس سے کچھ تو انا تھا۔ لیکن پر دادا کے متعلق سنایا ہے کہ وہ بڑے بڑے درختوں کو جڑ سے الکھا رہا دیکھتا۔ اٹیچ والی دیوار کا ایک حصہ سینما کے اسکرین کی طرح روشن ہو گیا اور آزاد آئی۔ کرتا تھا۔

"کرٹل فریدی..... اب تم مجھے دیکھو گے۔"

اسکرین پر ایک کمرہ دکھائی دیا۔ جس میں اعلیٰ درجے کا فرنچ نظر آرہا تھا۔" کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن ان کے رخ دوسرا طرف تھے۔ اس نے صورتیاں بے۔ انہم اور ہائیڈ رو جن بمن رہے ہیں۔ زہر ملی گیس دریافت کی جا رہی ہے۔ کیا یہ سب آرمی تھیں۔ دفعتاً وہ ان کی طرف مڑے اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ یہ ڈاکٹر نشیل۔ ان نے نہیں ہورہا کہ وہ من سے پہنچنے کے لئے اپنی قوت بازو پر اعتاد نہیں رہا۔ ابتداء میں آدمی گراہم تھے۔ کرٹل گراہم باور دی اور سلیخ تھا اور ڈاکٹر نشیل کے پیچے اس طرح کہا۔" لیکن دیوار سے اس طرح گتھ جاتے ہوں گے جیسے کہ لڑپڑتے ہیں پھر جیسے جیسے وحشت اور

اس کا بادی گاڑھ ہو۔

"تم نے دیکھا۔" ڈاکٹر نشیل مسکرا یا۔ اس مسکراہٹ میں پہلے ہی جیسی مخصوصیت تھی اور

آنکھوں میں شفقت کا وہی انداز تھا جسے وہ غریب الوطنی کے عالم میں اس کے گھر میں بھی دیکھے چکے تھے۔ لیکن اس کا یہ روپ کم از کم حمید کو توبہ ایسا ہی انکا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا اگر ان رکات کی ذمہ داری ڈاکٹر نشیل جیسے فرشتہ صورت آدمی پر ہو گی۔

"تم نے دیکھا اپنے ساتھی کو..... اس نے پہاڑ جیسے آدمی کو کچھ بچ مار ڈالا۔ اب تم اسے دیوبیکار سے لکارا۔" آرہا ہوں سالے..... ہوشیار۔" اور پھر وہ تو سب ہی تحریرہ کے آہنے پہلے چلکے آدمی کی طرح چوڑکیاں بھرتا ہوا اٹیچ پر جا کودا تھا۔

کیا اس کے برخلاف اسی قسم کی عورت اس جذبے کی شدت کو برداشت کر سکتی ہے۔" لیکن اس کا مقصد کیا ہے ڈاکٹر نشیل.....!" فریدی نے بے حد زم لجھے میں پوچھا۔

"کسی قسم کا تجربہ بجائے خود ایک مقصد ہوتا ہے۔"

"بھلا اس تجربے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"موجودہ انسانی نسل بیکار ہو چکی ہے۔ تم مجھے دیکھی ہی رہے ہو۔ میں آدمی سے زیادہ

حمدی نے اٹیچ کی طرف بڑھنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ کپڑا لیا۔ اتنے میں اٹیچ کا آدمی کی پرچا میں معلوم ہوتا ہوں۔ میرے قوئی مضبوط نہیں۔ میرا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ دادا

سرکتے ہوئے سلیب نے ڈھک لیا تھا۔ قام کا اب کہنی پڑتے نہ تھا۔ وہ خاموش کھڑا۔" اس سے کچھ تو انا تھا۔ لیکن پر دادا کے متعلق سنایا ہے کہ وہ بڑے بڑے درختوں کو جڑ سے الکھا رہا

دیکھتا۔ اٹیچ والی دیوار کا ایک حصہ سینما کے اسکرین کی طرح روشن ہو گیا اور آزاد آئی۔ کرتا تھا۔

"محض اتنی سی بات کے لئے ڈاکٹر نشیل.....؟"

"تم اسے اتنی سی بات کہہ رہے ہو۔ حالانکہ آج دنیا میں اسی بناء پر تباہی پھیلی ہوئی

کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن ان کے رخ دوسرا طرف تھے۔ اس نے صورتیاں بے۔

آرمی تھیں۔ دفعتاً وہ ان کی طرف مڑے اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ یہ ڈاکٹر نشیل۔

ان نے نہیں ہورہا کہ وہ من سے پہنچنے کے لئے اپنی قوت بازو پر اعتاد نہیں رہا۔ ابتداء میں آدمی

گراہم تھے۔ کرٹل گراہم باور دی اور سلیخ تھا اور ڈاکٹر نشیل کے پیچے اس طرح کہا۔" لیکن دیوار سے اس طرح گتھ جاتے ہوں گے جیسے کہ لڑپڑتے ہیں پھر جیسے جیسے وحشت اور

”آخ رس طرح ڈاکٹر نڈل۔“

”یہ پھر بتاؤں گا۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارا دوست یک بیک اتنا طاقتوں کیے ہو گیا۔“

”تمہارے لئے کیا مشکل ہے جبکہ تم ایک کام دماغ دوسرا کے جسم میں منتقل کر سکتے ہو۔“

”ڈاکٹر نڈل کا تقدیر خاصا جاندار تھا۔ اس نے کہا۔ ”خیر..... دیکھو اپنے ساتھی کو۔“

اسکرین پر ڈاکٹر نڈل وغیرہ غائب ہو گئے اور ایک دوسرا کمرہ دکھائی دیا۔

”اوہ..... یہ تو ریتا ہے۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

ریتا ایک آرام کری پر نیم دراز نظر آئی۔

”اوہ.....!“ فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا اور سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔ اسکرین پر

ایک دروازہ آہستہ کھل رہا تھا۔ قاسم کی مشکل دکھائی دی اس نے کمرے کا دروازہ بند

کر دیا۔ ریتا چونکہ کر کری سے اٹھ گئی تھی۔ قاسم کے دانت نکل پڑے۔ وہ ریتا کی طرف جھپٹا

اور ریتا چینچ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ قاسم بہت زور سے دھاڑا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ شور نہ

چاہئے لیکن وہ چینچ رہی۔ دفعتاً قاسم نے جھلا کر اسے زور سے دھکا دیا اور وہ دیوار سے جا گکرائی۔

”خدا کی قسم یہ قاسم نہیں ہو سکا۔“ حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”اس میں تو شیطان کی

دو طول کر گئی ہے۔“

ریتا دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گری تھی اور اسکی بے دم ہوئی کہ خود سے المحتا محال معلوم

ہوا تھا۔ قاسم نے ایک گردن دیوبچی اور سیدھا کھڑا کر دیا۔ وہ ”نہیں..... نہیں“ چیخ جا رہی تھی۔

”چوب حرامزادی۔“ قاسم اسے سر سے اوچا اٹھاتا ہوا دھاڑا۔ ”ساری زندگی بس.....

نہیں..... نہیں سننا رہوں گا۔“ اور پھر اس نے بڑی بے دردی سے اسے فرش پر پٹخت دیا۔ بڑی

ملوز چیخ تھی۔ پھر وہ نہ اٹھ سکی۔ اس کے ہاتھ چیزوں میں تشنیخ شروع ہو گیا اور منہ سے ڈھیروں

خون نکل کر فرش پر چھیلنے لگا تھا۔

طااقت گھشتی گئی اور ڈمن سے کچھ دور رہ کر دار کرنے کی سوچتا گیا اسی طرح والمحصول اور ڈمن سے بذریعہ ایسی دور تک آپنچا سمجھے دیکھو میں ایسی دور کا آدمی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ایک گھونسہ میری پیشانی پر رسید کر دو تو مجھے گھنٹوں ہوش نہ آئے گا۔

”ایسے گریٹ آدمی کی پیشانی تک میرا ہاتھ پہنچنے ہی کیوں لگا۔ لیکن ڈاکٹر یہ غصہ بد لئے کی وباء تو کوئی معنی نہیں رکھتی۔“

”یہ میری تفریخ بھی ہے اور اس سے ایک ضرورت بھی پوری ہوتی ہے۔ جب ان رجھ بدل جاتے ہیں تو ان پر بدحواسی کا دورہ پڑتا ہے۔ کچھ دنوں تک انہیں ادھر ادھر بھکڑے ہوں پھر نہیں بلوا کر ایک بار پھر انہیں ان کی اصل شخصیتیں واپس کر دیتا ہوں۔ محض یہ تھا کے لئے کہ ایسا کر دیتا میرے امکان میں ہے۔ اس کے بعد پھر ان کے جسم بدل دیتا ہوں۔“ رو تے ہیں۔ گڑگڑاتے ہیں اور میں ان سے ایک معابدہ کرتا ہوں جس کے تحت وہ میرے کام کرنا منظور کر لیتے ہیں۔ اس مدت تک کام کر لینے کے بعد انہیں ان کی اصل شخصیتیں والہ کر دی جائیں گی۔ تمہارے ساتھ میں نے ایسا کوئی برداشت نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہیں ذہین آدمی ہو معاطلے کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے یونہی میرے لئے کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے فریدی مسکرا یا۔ نیلی ویژوں اسکرین پر ڈاکٹر نڈل بھی مسکرا تھا نظر آیا۔ پھر وہ بولا۔ ”اذا فریدی تمہاری مسکرا ہٹ بڑی دلاؤیز ہے۔“

”میرے پر دجو خدمت کی گئی ہے اُسے بخوبی انجام دے رہا ہوں۔“

”لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں اب بھی تمہارا خوف موجود ہے۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”اور اسی غلش سے پیچا چھڑانے کے لئے میں نے تمہیں یہاں دیکھنا پسند کیا ہے۔“

”اپنے دوست جیر الدشاستری کا حشر یاد ہے۔“

”اوہ..... تو تم اس اسکول سے تعلق رکھتے ہو۔“

”ہرگز نہیں۔ میں دنیا کو جنت بنانا چاہتا ہوں۔“

”کیا نہیں تو.....!“ قاسم دونوں ہاتھ جھاڑتا ہوا بڑایا۔

فریدی کا چیرہ غصہ سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں ابی پڑ رہی تھیں۔ اس نے اپنے

ہونٹ اتنی شدت سے دانتوں میں دبایا تھا کہ وہ زخمی ہو گیا تھا اور باخھوں سے خون کی بوئر پکنے لگی تھیں۔

اسکرین پر سے وہ منظر آنا فانا غالب ہو گیا اور پھر ڈاکٹر شڈل وہ کہہ رہا تھا۔ ”پرانے گفتگو کرنے وقت اسکی سانس پھولنے لگتی تھی اور وہ زوس ہو جاتا تھا اور اب دیکھا تم نے۔“

کی غداری کی سزا تھی۔ وہ بھجتی تھی کہ شام کجھے اس معابدے کا علم نہیں جو اس نے کیپن پر ”ہاں دیکھا.....!“ فریدی لاپرواہی سے بولا۔

سے کر لیا تھا۔ وہ مرچی ہے کریل فریدی۔ میرے بازوں میں بھلا اتنی طاقت کہاں کر کی ”اب یہ اس قابل ہو گیا ہے کہ میری ایکم کو عملی جامد نصیب ہو سکے۔ میں اسے اور اس

اپنے ہاتھوں سے سزا دے سکوں۔ تم خاموش کیوں ہو کریل فریدی کچھ بولتے کیوں نہیں۔“ بُشی عورت کو ایک غیر آباد جزیرے میں بھجوادوں گا اور ایک ہزار سال بعد وہ ایک نی نسل کے

”سعیدہ کہاں ہے..... سعیدہ کہاں ہے۔ اے تلاش کرو۔“ دھنکاڑی آئی جی بکلا۔ ام، حوا کہلائیں گے۔ میں اپنے دور کے آدمی سے سخت بیزار ہوں۔“

”ڈاکٹر شڈل میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے ہمکی تھکی سی آواز میں کہا۔ ہوئے انداز میں بولا۔

”ڈی آئی جی صاحب۔“ ڈاکٹر شڈل بولا۔ ”وہ بطورِ غمال یہاں ہے گی۔ آپ والے“

بھجوادیے جائیں گے اور اپنے آفس میں رہ کر میرے مفادات کی گمراہی کریں گے اور با ”اور ڈاکٹر صاحب۔“ میرے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔ ”حمد نے لہک کر پوچھا۔“

آپ دیکھے ہیں کہ آپ کو آپ کے دوسرے جسم سیت میں نے کس طرح آپ کے کلی حوالات سے نکلوالیا تھا۔

”میں دیر تک کھڑا نہیں رہ سکتا۔“ اس نے کہا اور فرش پر اکڑوں پیٹھ گیا۔ انہیں معلوم نہیں

”تت..... تم..... کیا کہنا چاہتے ہو۔“ ڈی آئی جی ہٹکایا۔

”میرے احکامات آپ کو اپنے آفس ہی میں لٹھ رہیں گے اور آپ ہر وقت اسی۔“ الکاب وہ کہاں جائیں گے۔ دھنکاڑی اسکرین کے پیچے سے پھر کھڑا ہٹ کی آواز آئی اور وہ

مانکن طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک کمرہ دکھائی دیا۔ سعیدہ وسط میں کھڑی چھٹی آنکھوں سے کاخیاں رکھیں گے کہ اپنی لڑکی کو میرے پاس چھوڑے جا رہے ہیں۔“

”قف..... فریدی..... میں کیا کروں۔“ ڈی آئی جی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”آپ وہی سمجھ جو ڈاکٹر کہہ رہا ہے۔“ اس کے علاوہ اور کہی کیا سکتے ہیں۔“

”یعنی کہ..... یعنی کر۔“

”آپ خود سمجھدار ہیں۔“

”دل..... لیکن سعیدہ۔“

”محبوبی ہے جناب۔“ فریدی خشک لبھے میں بولا۔

”جناب عالی..... سب کچھ خدا پر چھوڑیے۔ اس کے علاوہ چارہ نہیں۔“

ڈی آئی جی کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھاگنی تھی۔

”کریل فریدی۔“ ڈاکٹر شڈل بولا۔ ”تم نے دیکھا کہ تمہارے امتحن دوست کی نیچر لکتی

مل گئی ہے۔ میری معلومات کے مطابق وہ عورتوں کے قرب کامنی تو ضرور رہتا تھا لیکن کسی عورت

اسکرین پر سے وہ منظر آنا فانا غالب ہو گیا اور پھر ڈاکٹر شڈل وہ کہہ رہا تھا۔ ”پرانے گفتگو کرنے وقت اسکی سانس پھولنے لگتی تھی اور وہ زوس ہو جاتا تھا اور اب دیکھا تم نے۔“

کی غداری کی سزا تھی۔ وہ بھجتی تھی کہ شام کجھے اس معابدے کا علم نہیں جو اس نے کیپن پر ”ہاں دیکھا.....!“ فریدی لاپرواہی سے بولا۔

سے کر لیا تھا۔ وہ مرچی ہے کریل فریدی۔ میرے بازوں میں بھلا اتنی طاقت کہاں کر کی ”اب یہ اس قابل ہو گیا ہے کہ میری ایکم کو عملی جامد نصیب ہو سکے۔ میں اسے اور اس

اپنے ہاتھوں سے سزا دے سکوں۔ تم خاموش کیوں ہو کریل فریدی کچھ بولتے کیوں نہیں۔“ بُشی عورت کو ایک غیر آباد جزیرے میں بھجوادوں گا اور ایک ہزار سال بعد وہ ایک نی نسل کے

”سعیدہ کہاں ہے..... سعیدہ کہاں ہے۔ اے تلاش کرو۔“ دھنکاڑی آئی جی بکلا۔ ام، حوا کہلائیں گے۔ میں اپنے دور کے آدمی سے سخت بیزار ہوں۔“

”ڈاکٹر شڈل میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے ہمکی تھکی سی آواز میں کہا۔

”تو تم ان کی جامہ علاشی کیوں لینا چاہتے ہو۔“

”ہو سکتا ہے انہوں نے علی غالب کر دیا ہو۔ کیونکہ موٹے آدمی کو ساتھ لے کر میں ان

”صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ہی مصیبتوں سے فرست نہیں بلکہ حرب سے گرا تھا۔“

”کیوں کر قتل فریدی؟“

”ڈاکٹر میں چامہ علاشی دینے کو تیار ہوں۔“

”غلبرٹ!“

”یہ بس...!“ غیر ملکی گھنٹی کھٹی سی آواز میں بولا۔

”یہاں غفلت کی سزا موت ہے۔ کہیں تمہارا پھر قاسم ہی کے ہاتھ نہ لگا ہو۔ یہی ہو سکتا

ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ کسی تباہی لا سکتا ہے۔“

”مم... میں لک... کیا بتاؤں...؟“

”کر قتل فریدی۔“

”میں ڈاکٹر۔“

”اسے مارڈا لو... غفلت کی سزا موت ہے۔“

فریدی نے گلبرٹ پر چھلانگ لگائی اور وہ چیختا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن فریدی نے

کا دروازہ کھلا اور وہی غیر ملکی ہاں میں داخل ہوا اس کے پھرے پر ہوایاں اڑ رہی تھیں۔

”میں تم دونوں کی جامہ علاشی لینا چاہتا ہوں۔“ اس نے قریب پہنچ کر سخت لمحہ میں

لماں میں کھتارا ہا۔ ”قہوزی سی جدوجہد کے بعد میں تمہیں گرا کر تمہارا گلا گھونتوں گا۔ تم اسی

ازیں طلق سے نکالنا چیزے تم کچھ مر رہے ہو۔ پھر ڈھیلے پڑ جانا۔“

جید زرافا صلی پر تھا اس نے سن دی۔ ویسے وہ اس کے ہوت ہلتے تو دیکھی ہی رہا تھا۔

”گلبرٹ فرش پر نظر آیا۔ فریدی اس کا گلا گھونٹ رہا تھا اور اس کے طلق سے خراہٹ کی

انہیں فریدی تھیں۔ پھر سنا تا چھا گیا۔ گلبرٹ بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

”بہت اچھے کر قتل فریدی۔“ ٹسٹول کی آواز آئی۔ ”اب اسے مردہ خانے میں لے

اں جنم کو دوسرا کار آمدہ، بن عطا کروں گا۔“

”مم... میرا پھر (Pincher) کھو گیا ہے۔“ وہ خوفزدہ سی آواز میں بولا۔

اُسکرین پھر سادہ رہ گیا اور کوئی آواز بھی نہ آئی۔

”سچھ کرو فریدی۔“

”صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ہی مصیبتوں سے فرست نہیں بلکہ حرب سے گرا تھا۔“

”نہیں کس کام پر لگایا جاؤ۔ کبھی وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زندگی کے کسی حصے میں اتنا

ہو جانا پڑے گا۔ مناسب یہی ہے کہ آپ دروازہ نمبر پانچ میں داخل ہو جائیں۔ ڈاکٹر

بد عہد نہیں معلوم ہوتا اگر آپ وفادار ہے تو سعیدہ بھی محفوظ رہے گی۔“

”یہ تم کہہ رہے ہو فریدی۔“

”جناب عالیٰ میں بہت پریشان ہوں۔ آپ اپنا معاملہ خود دیکھئے۔“

”تو پھر میں جاؤ؟“

”دانشمندی کا تھا ضایبی ہونا چاہئے۔“ فریدی نے سرد لمحے میں کہا۔

ڈی آئی جی سر جھکائے ہوئے پانچ نمبر کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ حیدر

کے داخلے کے بعد دروازہ بند ہوتے دیکھا۔ اب وہاں کا ایک بھی دروازہ کھلا ہوا نہیں اے۔

”دیتا تھا۔ فریدی سگار لٹانے لگا۔ خود حیدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا۔“

”دیتا تھا۔ فریدی سگار لٹانے لگا۔ خود حیدر کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا۔“

”کیوں...؟“ فریدی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”بس یونہی...!“

”بھلا کیا بات ہوئی؟“

”دونوں اپنے ہاتھ اور اٹھا لو۔“

”کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر شڈل کی آواز گوئی۔

”جمید نے محض کیا کہ غیر ملکی اور زیادہ سر ایسے ہو گیا ہے۔“

”میرا پھر (Pincher) کھو گیا ہے۔“ وہ خوفزدہ سی آواز میں بولا۔

"میں نہیں جانتا کہ مردہ خانہ کہاں ہے۔"

اے اخا کر دروازہ نمبر چار میں داخل ہو جاؤ۔ تم وہیں جا پہنچو گے اور اسے المان گیا رہ میں رکھ دینا۔

"تم یہیں تھہرو۔" فریدی نے حمید سے کہا اور گلبرٹ کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے پڑا۔ دروازہ نمبر چار گزر کر مردہ خانے میں داخل ہوا۔ یہاں ریفریجیریٹر قسم کی متعد، الیکٹریکی ہوئی تھیں۔

گلبرٹ اس کے کاندھے سے پھسل کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔

"اب ہم خطرے سے باہر ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہاں نہ ٹیلی ویژن کہیں اور نہ آواز کے ٹرانسیویشن کا کوئی سسٹم۔!"

"لیکن بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"بس تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"اے پڑھ چل گیا تو دونوں مارے جائیں گے۔"

"اب تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ جلدی کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ کن گوشوں میں محفوظاً رہ سکوں گا۔ جلد ہی تم سے لمون گا۔"

فریدی مردہ خانے سے نکل کر پھر ہال میں پہنچا۔ لیکن اب حمید یہاں تھا نہیں تھا۔ عورت اس کے قریب کھڑی تھی۔ پشت اسی کی طرف تھی اس لئے نکل نہ دیکھ سکا۔

"یہ..... یہ..... مل گیں۔" حمید اس کی طرف ہاتھ اخما کر ہکایا اور وہ بھی فریداً طرف مڑی۔ یہ معصوم صورت ریکا تھی۔

"اوہ..... ہلو بے بی۔" فریدی لہک کر بولا۔

دونوں کے درمیان کچھ دیر ری گفتگو ہوتی رہی۔ پھر ربکا نے ان سے کہا کہ وہ انہیں لا نہ ماریں رہو۔ یہ دیکھو کہ حالات سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ وہ تم سے بہت خائف ہے اور اب بھی ہے۔ محض اپنا خوف دور کرنے کے لئے تمہیں بے بی سے اپنے حکم کی تحریکیں نظر آ رہی تھیں۔

"تم بہت چپ چاپ کی ہو۔" حمید نے اس سے کہا۔

"جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے کہی دن تک حواس درست نہیں رہتے۔"

"کیسا واقعہ.....؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے ایک غدار لڑکی کو سزا ملی تھی۔ ہم سب کو ایسے لوگوں کا انجام ضرور دکھایا

"وہی تو نہیں جسے ایک دیوبیکر درندہ.....!"

"ہاں..... ہاں..... وہی..... میں اب اس کا تذکرہ نہ کرو۔"

"تمہیں کیوں خوف معلوم ہوتا ہے جبکہ تم ڈاکٹر شڈل کی بیٹی ہو۔"

"میں اس کی پرنسپل سیکریٹری ہوں..... بیٹی نہیں۔"

"اوہ.....!"

ایک جگہ وہ رکی اور انہیں بھی رکنے کا اشارہ کیا اور آہستہ سے بولی۔ "یہاں کچھ جگہیں

انکی میں جہاں مائیکروفون اور کیمرے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ جگہ بھی ایسی ہی ہے۔ میں تم سے

کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ یہاں کے رازوں سے صرف گلبرٹ اور میں واقف تھی۔ گلبرٹ

تمہارے ہاتھوں مارا گیا اور اب صرف میں رہ گئی ہوں۔ تم بھی کیا کرتے اگر تم اسے نہ مارتے

تو تمہیں بھی موت کی گود میں سوتا پڑتا۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔"

"آزادی چاہتی ہوں میں۔ میں آج تمہیں دکھاؤں گی کہ ڈاکٹر حقیقتاً کیا ہے۔ اگر تم

اس کے حالات کو سمجھ لینے کے بعد کوئی تدبیر کر سکو تو ہم سب پر احسان کرو گے۔"

"تم صرف یہاں سے نکلنے کا راستہ بتا دو۔ پھر میں سب کچھ کر لوں گا۔" فریدی بولا۔

"تم کچھ نہ کر سکو گے۔ کیونکہ اس پر کرنل گراہم کا پھر رہتا ہے۔ تم آج رات اور

تمام شب رہو۔ یہ دیکھو کہ حالات سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ وہ تم سے بہت خائف

ہے اور اب بھی ہے۔ محض اپنا خوف دور کرنے کے لئے تمہیں بے بی سے اپنے حکم کی تحریکیں

کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔“

”ایسا ہی ہے تو مجھے مارڈا لے ظاہر ہے کہ ان دیکھے جملوں سے کس طرح بچاؤ کر سکوں گو۔“

”وہ خبیثی ہے۔ جگلی ہے۔ کچھ سوچ رکھا ہو گا تمہارے بارے میں بھی۔ اچھا بچہ۔“

بس کرے میں تم دونوں کو قیام کرنا ہے۔ وہاں بھی ٹیکی ویژن اسکرین اور باسکردو فون موجود زیادی کچھ نہ بولا۔ آواز پھر نہ آئی۔ حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

”امتحان جرکش نہ کرو۔ یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر ٹڈل نے مجھے متاثر کیا ہے۔“

وہ اسے اس کرے میں پہنچا کر چل گئی۔ پھر حمید ایسی گفتگو کرتا رہا جس سے ظاہر ہوتا رہا۔

”کل بھائے کی فکر بخجئے ورنہ اگر کہیں اس نے آپ کا بھی جوزا لگا دیا تو کسی کو منہ فریدی کو نکل چلے کی تدبیر سوچنے کی ترغیب دے رہا ہے لیکن فریدی مسلسل اسے جھوٹ کرتا رہا تاکہ لانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔“

گھریوں کے مطابق رات آئی۔ دن اور رات کا اندازہ یہاں گھریوں ہی سے ہو سکتا تھا۔ رات۔

”حید بکواس بند کرو۔ میرا دماغ خراب نہ کرو۔ ورنہ میں ڈاکٹر ٹڈل سے کہہ کر تمہیں کا کھانا ان کے لئے ایک بوڑھی سی مقامی عورت لائی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی اور بہری ہو۔ لیکن پچھا دوں گا۔“

اس نے ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ ربیکا کے خفڑا۔ ”الشرم کرے آپ کے حال پر۔“ حمید محمدی سانس لے کر بولا۔

فریدی پھر کچھ نہ بولا۔ دفعتاً اسکرین روشن ہو گیا اور پھر ایک کرے کا منظر پیش نظر تھا۔

ایک خواب گاہ تھی ڈاکٹر ٹڈل کری پر بیٹھا ہوا تھا اور ربیکا اس کے قریب کھڑی تھی۔ ڈاکٹر

مل رہا تھا اسے لگاؤٹ کی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ ربیکا اس کا سر سہلانے لگی۔ وہ

”وہی آئے جس کے ذریعہ میرے بنتا ہے ہوئے دیوکی گرفت سے قائم کو آزادی دلائی گئی تھی۔“ ناکا طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد ڈال دیا اور پھر پہت سے

لٹپ آگرا۔ فریدی مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اسکرین کے پیچے سے آواز

لے۔ ”تم نے دیکھا کریں۔ یہ خود بھی اس جذبے کو نہیں سہا سکتا۔ اس کے اعصاب اسے

ہاں..... ہاں..... اسے ٹلاش کرنے کے سلسلے میں میری مدد کرو۔“

”یہ اسی صورت میں ممکن ہے ڈاکٹر جب تمہارے سب آدمی میرے سامنے ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔ اسے کل پر رکھو۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے ہی اسے غائب کرو دیا۔“

”ڈاکٹر میں گلبرٹ کو بھی جامہ تلاشی دینے پر تیار تھا اور اب بھی تم جسے چاہو بھیج دو۔“

”نہیں..... میں تم پر اعتماد کرنے لگا ہوں۔“

”بھلا کیوں ڈاکٹر.....؟“

”تم مجھ سے متاثر معلوم ہوتے ہو۔ تم سوچ رہے ہو کہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے نسل ایسی بات ہے۔ میں آرہی ہوں۔“

اسکرین تاریک ہو گیا اور پھر وہ تمیں منٹ کے اندر اندر ہاں پہنچ گئی۔ فریڈی نے پھر بول پڑھیں۔ بھی یہ عمل کیا گیا ہے جو بڑی پوزیشنوں کے مالک ہیں۔ اس طرح یہ بات پورے ملک میں پھیل گئی ہے۔ یعنی سب ہی اس وباء سے سبھے ہوئے ہیں۔ غالباً گراہم نے یہاں اپنی پسند کی انتساب لانے کی پوری تیاری کر لی ہے۔ اسی لئے عوام میں بھی بیجان پیدا کرنے کی لئے جا سکوں گی۔“

”پھر بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں۔“

”جس کہتی ہوں۔ شدُل بے قصور ہے۔ کریل گراہم اپنے ملک کے لئے اس سے بدلی چلی گی اور پھر فوج میں تو گراہم کے دماغ موجود ہیں۔“

”خدا کی پناہ..... جب تو گراہم اور شدُل دونوں ہی کو زندہ رہنا چاہئے۔ ورنہ میرے کام لے رہا ہے۔“

”کیا کام لے رہا ہے؟“

”دماغوں کی تبدیلی۔ ایک کا دماغ دوسرے کی کھوپڑی میں رکھ دیتا ہے۔ تمہارا ملک کے بہترین آفسر اس تبدیلی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان کی کھوپڑیوں میں گراہم کے آدمیوں نے زدہ رہنے والے اور مستقبل میں تمہاری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائے۔ اس نے یہ بات گراہم کو دماغ رکھ دیئے گے ہیں۔ ایسے آدمی جو تمہاری زبان اہل زبان کی طرح بذل سکتے ہیں۔ اگر سمجھائی ہے۔ شدُل کو تم گراہم کا ماسکروfon ہی سمجھو۔ وہ تو صرف ایک بڑا سائنسٹ ہے۔ اپنے ملک کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ وہ جب چاہے یہاں اپنے ملک کی موافق؛ اس کو اس سے دچکی نہیں کر اس کی یہ ایجاد کے کیا فائدہ یا نقصان پہنچا رہی ہے۔“

”انقلاب لاسکتا ہے۔“

”اچھا ان دیوبیکروں کی تخلیق کا کیا مقصد ہے۔“

”لیکن بچارے شہری کیوں پریشان کئے جا رہے ہیں۔ انکی شخصیتیں کیوں بدل جارکا ہیں۔“ اس نے تمہیں اس کا مقصد غلط بتایا تھا۔ یہ اس کی تفریغ ہے۔ جب وہ دماغوں کی ایک مجبوری کی بناء پر۔ گراہم کا ایک آدمی جو تمہاری فوج کا ایک بڑا آفسر ہے۔ تبدیلی کے متعلق تجربات کر رہا تھا یہ چیز اتفاقاً دریافت ہو گئی تھی کہ وہ آدمیوں کی جسمت بھی دنوں بعد اس تبدیلی سے نگ آ گیا اور اس نے گراہم سے خواہش ظاہر کی کہ اس کا جسم جیسے انگریز طور پر بڑھا سکتا ہے۔ اس نے یہ تجربہ بھی مکمل کرنا چاہا۔ گراہم کو کیا اعتراض ہو سکتا وابس کر دیا جائے۔ گراہم اس پر آمادہ نہ ہوا۔ اس پر اس کا دماغ ہی الٹ گیا۔ فوجیوں میں قابکل خود اس کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر شدُل کی اعصابی کمزوری سے تو تم واقعہ ہی پھرا کہ وہ جو کچھ نظر آتا ہے حقیقت نہیں ہے۔ اس کا جسم اس سے چھین لیا گیا ہے۔ الٹ ہو چکے ہو۔ اس نے جو دیوبیکر آدمی بنائے اس کی بدقتی سے ان میں یہ خاہی دوسری طرح میں اس نے گراہم کا بھی نام لیا تھا اور گراہم نے اسے پاگل خانے بھجوادیا پھر اس نے ظاہر ہوئی۔ وہ لپھل جاتے ہیں۔ دراصل جو بات خود اس میں نہیں ہے وہی دوسروں میں وہ کیوں نہ ظاہر کیا جائے کہ یہ دماغی خرابی وباء کی شکل میں پھوٹ پڑی ہے۔ لہذا شہر بول، اب تک شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لاشعوری خواہش نے اسے دیوبیکر مردا و عورتیں بنانے پر یہ عمل آزمایا جانے لگا۔ اس سے پہلے کچھ شہریوں پر یہی تجربہ کیا گیا تھا لیکن اس کا مقصد ما نہ کر دیا۔ اتفاقاً تمہارا دیوبیکر دوست اس کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے اسے ایک خاص قسم کا ٹھکانہ دے کر وحشی اور درمنہ بنا دیا۔ خدا نے قسم میں ریٹا کی موت کبھی نہ بھولوں گی۔ شدُل سے

شدید ترین نفرت محسوس کی تھی میں نے لیکن اس وقت جب وہ بے ہوش ہو گیا تو میری ماہماں جاگ آئی۔ شادم اس کے ساتھ رہتے رہتے میں بھی اسی کی طرح کسی ذہنی مرض کا شکار ہو گئی ہوں اور وہ دیکھو۔ تم نے ابھی تک کچھ نہیں سوچا۔ اب مجھے جانا چاہئے۔“

”میں بھی نہیں کبھی سکا کرم چاہتی کیا ہو؟“

”انسانیت کی سر بلندی۔“

”میں سیاسی آدمی نہیں ہوں ربیکا۔ اس لئے سیاسی اصطلاحات نہ استعمال کرو۔ ہزارم کیا چاہتی ہو۔“

”میں صرف نہذل کو پچالینا چاہتی ہوں۔ ایک نہنے منے بچ کی طرح اس کی نگہداشت کرنا چاہتی ہوں۔“

”تو پھر جلدی کرو۔ مجھے وہاں لے چلو۔ اس کی بے ہوشی کا وقفہ بڑھنا ہی چاہئے۔ تاکہ مجھے کچھ کرنے کے لئے وقت مل سکے۔“

”وہ کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ اچھا چلو۔“ وہ انہیں اس کمرے میں لا لی جہاں ڈاکٹر نہذل بیہوش پڑا تھا۔ فریدی نے اس کی بپس دیکھی اور پھر دونوں کپٹیاں ٹوٹنے لے آگئے۔ حمید جانتا تھا کہ ”کپٹی کی کوئی مخصوص رُگ دبا کر آدمی کو کم از کم تین چار گھنٹے تک بیہوش رکھ سکتا ہے۔ میں ہم کبھی ہوں کہ نہذل سے زیادہ گراہم کی اہمیت ہے۔ لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا۔ کاش! گلبرٹ زندہ ہوتا۔ وہ یہاں اس کا نائب تھا اور دن رات رہتا تھا۔“

”مجھے ان مقامات کے بارے میں بتاؤ جہاں تھا رام اموالاتی نظام موجود نہیں ہے۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”گلبرٹ انہیں میں سے کہیں ہو گا۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

فریدی نے اسے گلبرٹ کی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ ”حالات سے تقدیر موافق ہی معلوم ہوتی ہے۔ چلو جلدی کرو۔“

ربیکا کے چہرے پر سرفہری دوڑ گئی تھی۔ وہ تینوں اسے تلاش کرتے پھرے اور بلا خدا کی گلہ دہل گیا۔ فریدی نے اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہاں سے نکل بھاگنے کے علاوہ اور کیا چاہتا۔ لیکن اس نے بتایا کہ گراہم ہی اپنے ساتھ کسی کو لے جاسکتا ہے۔ راستے کے گمراں کسی اور کو باہر نہیں نکلنے دیتے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ گراہم اس وقت وادی کے سلوار مون قلب میں برج تھیں رہا ہو گا۔ فریدی کو فتحاً کچھ یاد آ گیا۔ اس نے ربیکا سے پوچھا کہ پچھے دیکھ آدمی ان تہہ خانوں سے باہر کیوں نکالے گئے تھے۔

”نہذل نے سوچا تھا ممکن ہے کھلی فضا میں ان کا وہ انجام نہ ہو جو عام طور پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا۔“

پھر انہوں نے تہہ خانوں کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ گلبرٹ نے بتایا کہ وہاں جگہ جگہ زانیاں مہیت لگے ہوئے ہیں تاکہ جب بھی ضرورت ہو سب کچھ تباہ کر دیا جائے۔ فریدی گلبرٹ کو اس جگہ لایا جہاں سے وہ ڈاکھنا مہیت کشڑوں ہوتے تھے۔ فریدی نے نہ صرف سوچ بورڈ ہی دہاں سے ہٹا دیا بلکہ داروں کو بھی اس قابل نہیں رہنے دیا کہ انہیں دوبارہ جوڑا جاسکتا۔ اس سے پہل کر اس نے سعیدہ اور قاسم کے بارے میں پوچھا۔ پھر ان کی تلاش جاری ہی تھی کہ فریدی کا گزر ایک ایسے کمرے سے ہوا جہاں میک اپ کا سامان بھی موجود تھا۔ اس نے گلبرٹ کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ اسے بہ آسانی گراہم کا ہم شکل بنانے کے گا اور بیس منٹ کے اندر اندر اس نے اپنایہ ہوئی پورا کر دکھایا۔ گلبرٹ نے اسے بتایا کہ گراہم بھی میک اپ کا ماحر ہے لیکن اپنی شکل کا دوسرا آدمی وہ بھی نہیں بنا سکتا۔ ربیکا بھی تحریرہ گئی تھی اور حمید غنڈی آئیں بھر رہا تھا۔ اب اسکیم یہ تھی کہ گلبرٹ بخشیت گراہم انہیں باہر لے جائے گا۔ گراہم نے بتایا کہ نکلنے کے کئی راستے ہیں۔ اس لئے بعض پھرے داروں کو علم نہیں ہو سکتا کہ وہ کس راستے سے آیا اور کس راستے سے واپس چلا گیا۔ فتحاً فریدی اس سے پھر کے متعلق پوچھ بیٹھا۔ ”یہ ہمارے ملک کی مشریعی اثیلی حصی کی ایجاد ہے۔ اس سے نکلنے والی غبار آمیز شاعاع انسل جنم پر الکٹرک شاک کی طرح لگتی ہے اور پورے جسمانی نظام کو کچھ دری کے لئے درہم

برہم کر دیتی ہے۔ ہم لوگوں کے پاس صرف دوچھرے ہیں۔ ایک مستقل طور پر گراہم کے پار بیا جاگا۔ میرے بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر آگ را تھا۔ جسے فریدی نے چھپت کر اٹھالیا۔ ہے اور دوسرا میرے پاس رہتا تھا جسے میں وقتاً فوت قتاً دوسرے ماتھوں کو بھی دے دیتا تھا۔ بعد، ایک گوشے سے دوڑتی ہوئی آئی اور فریدی کے بازو سے جھوول گئی۔ حید نے آگے بڑھ نہیں کہہ سکتا کہ اس پر کس نے ہاتھ صاف کر دیا۔ وہ چلتے رہے اور گلبرٹ فریدی کو بھرپور رہنے پڑا۔ لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ حید اسے ایک طرف ہٹالے گیا۔ گراہم دیوار سے متعلق اور بہت سی باتیں بتاتا رہا۔ پھر اس نے کہا کہ وہ انہیں اس راستے سے لے چلا گیا کہ اب رہا تھا۔ دفتاً اس کی نظر گلبرٹ پر پڑی اور وہ بوکھلا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس ڈاکٹر نشل کے پہاڑی کائنج میں نکلا تھا کیونکہ وہیں قریب ہی ایک جگہ ہر وقت ایک نیک لہذاں گلبرٹ فریدی کو تھر آؤ نظر وہیں سے گھور رہا تھا۔

موجود درہتا ہے۔ جیسے ہی وہ نکاہی کے راستے کے قریب پہنچ پہرہ داروں نے گلبرٹ کو ملیں۔ ”تو یہم ہی تھے۔“ گلبرٹ دانت پیس کر غرایا۔

کیا اور ان کے سر برہا نے ایک سوچ بورڈ کے کسی سوچ پر انگلی رکھ دی۔ چھپت کے قریب ایک ”ہاں دوست میں نے ہی تمہارا بخیر اس وقت تمہاری جیب سے غائب کر دیا تھا۔ جب سلیپ سرکتا دکھائی دیا۔ پھر چند بھوکوں کے بعد وہ اسی عمارت میں کھڑے تھے جہاں ڈاکٹر نشل گراہم کے ساتھ میرے قریب سے گزرے تھے۔“

نے ذی آئی جی کی تمہارا داری کی تھی۔ دو کمروں میں روشنی نظر آئی۔ گلبرٹ ٹھنک گیا اور اس نے ”تم کون ہو؟“ گراہم نے گلبرٹ سے پوچھا۔

فریدی وغیرہ کو پھر رکنے کا اشارہ کیا۔ اتنے میں انہوں نے کسی عورت کی جھینیں جو بارہو ”میں گلبرٹ ہوں کریں..... جسے تمہارے حکم سے مارڈا لگا گیا تھا۔ اس شخص نے مجھے والے کمرے سے ابھری تھیں۔ پھر انہوں نے گراہم کی غراہت سنی جو کہہ رہا تھا ”اگر تم لا بور دیا۔ اس نے میرا گانجیں گھوٹا تھا۔ اس طرح مجھے اپنا احسان مند بنا لیا اور تمہاری طرف میری بات نہ مانی تو تمہارا حشر ریٹا ہی کا سا ہو گا۔ تم نے دیکھا تھا میل و دین اسکریں پر کام بیرے دل میں کینہ بیٹھ گیا تھا۔ کیونکہ تم نے محض بچر گم کر دینے کی سزا موت نہ ہرائی تھی۔“ طرح اس نے اسے مارڈا لاتھا۔“

فریدی ”سعیدہ“ کہتا ہوا دروازے کی طرف چھپتا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے چیچھے ہٹا ”اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ اب میں پھر تمہارے ساتھ ہوں۔ غداری رہیا نے کی ہے۔“ دروازے پر ٹکر ماری۔ دروازہ چیچھا ہٹ کے ساتھ ہلا تھا۔

”کون ہے.....؟“ وہ اندر سے دھاڑا۔ لیکن اتنی دیر میں دوسری ٹکر دروازے پر پڑی ”ہاں..... میں پوری انسانیت کے ساتھ غداری نہیں کر سکتی۔ میرے ملک میں کتنے آدمی تھی۔ فریدی دروازے سمیت کمرے کے اندر جا پڑا تھا۔“

”اوہ.....!“ اس نے اس کی غراہت سنی اور بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا۔ ویسے اٹھنے لگا۔ ہٹا گلبرٹ نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ اس نے اسے ہاتھوں ہی پر روک کر سر سے اس نے دیکھ لیا تھا کہ گراہم نے کوئی چیز جیب سے نکالی ہے اور پھر اس کی پھرتی ہی نے اٹھا لیا۔ اس نے گردن پکڑنے کی کوشش کی ہی تھی کہ فریدی نے اسے فرش پر پٹھ دیا۔ وہ بچالیا۔ گراہم کے مٹھی سے نکلنے والی غبار آلو دشاع اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر دیکھا۔ اس اٹھنے کی کوشش کرنے لگا اور اس بار فریدی کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی۔ یہ ٹھوکر اسکی تھی پڑی تھی۔ پھر ویسی ہی ایک شعاع فریدی کی مٹھی سے بھی نکل کر گراہم کے اس ہاتھ پر دیکھا۔

جس سے شعاع نکلی تھی۔ گراہم کے ہاتھ سے ایک بے ساختہ قسم کی چیز نکلی اور وہ اچھل کری۔ ”اب تم بتاؤ گراہم کیسی موت مرتا چاہتے ہو۔“ فریدی نے گراہم کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”مگر نہیں پہلے یہ بتا کر میرا دوسرا ساتھی کہاں ہے۔“

”تم میرا کچھ نہیں بھاڑ سکتے۔ میں سب کچھ تباہ کر دوں گا۔“ گراہم نے پوچھا سے لگے ہوئے سوچ بورڈ کی طرف دوسرا ہاتھ انھیاں تھا کہ غبار آلو دشعاں اس پر پڑے ساختہ بلبلاتا ہوا دوسرا طرف ہٹ گیا۔

”حمد اسے باندھ لو۔“ فریدی نے حمید سے کہا جو بے ہوش سعیدہ کو دیوار پر بٹھا پکھا تھا۔

”خُردار... میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ بچپتاو گے۔“ گراہم چینا۔ اس وقت کوہ فریدی کو اس جگہ پہنچائے جہاں ہیلی کو پڑ موجود ہے۔ اس سے پہلے اس نے اچھی طرح ایک فٹ کے فاصلے سے جے چاہوں ختم کر دوں۔

”احقا نہ دھکی ہے گراہم..... اگر تم ایسا کر سکتے تو ہمیں اپنے قریب آنے وال کا جامہ تلاشی لے لی تھی کہ کہیں اس نے بھی زہرنہ چھپا رکھا ہو۔ ہیلی کو پڑھتا ہاتھ آجائے فریدی مسکرا کر بولا۔ وقتاً دوسرے کمرے سے آواز آئی۔ ”ارے تم قہاں گئیں۔“ تم کے بعد اس نے حمید کو ہیں چھوڑا تھا اور گلبرٹ کو باندھ کر ہیلی کو پڑھ میں ڈال دیا تھا اور خود ہیلی فریدی اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ گھری نیند سے بیدار ہو کر کسی کو آوازیں دے رہا ہو۔ کوپٹر کو پایٹ کرتا ہوا شہر پہنچا تھا۔ پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر ہی اندر پہاڑیوں میں درجن سے زائد ہیلی کو پڑوں کا لرزہ خیز شور گونجنے لگا تھا۔ نئیل زندہ ہی ہاتھ لگا۔ وہ ابھی تک بے ہوش پکارے ہی جارہا تھا اور پکارتا ہوا بلا خراس کمرے میں گھس آیا۔

”ہا میں.....!“ وہ آنکھیں بھاڑ کر رہ گیا۔

”میرے دوست ماروان سکھوں کو۔“ گراہم نے لہک کر کہا۔ ”ولٹکیاں تمہاری نظریں۔“ نہ رہنا چاہتی ہوں میں دنیا کو بتاؤں گی کہ وہ بے قصور تھا۔ اور تمہاری حکومت سے اس کے قیسی باتیں کر رہے ہو چیٹا۔ میں اپنے بھائیوں کو ماروں گا۔“

رہیکا کھل کھلا کر پس پڑی اور یوں۔ ”نیکشن کا اثر عارضی تھا گراہم۔ اب وہ پولا جید کچھ نہ بولا۔ اس کا ذہن سن ہو کر رہ گیا تھا۔

ہوش میں ہے۔ یہ تو ڈاکٹر کا کھیل تھا۔“

”تم کتنا بہت چاچا کر کتابیں نہ کرو۔ تمہیں بھی دیکھوں گا۔“

حمد آہستہ آہستہ گراہم کی طرف بڑھ رہا تھا کہ قاسم مجرمی ہوئی آواز میں بولا۔

حمد بھائی۔ میں سالے کو اٹھا کر پٹھے دیتا ہوں۔“

”تم مجھے نہیں پاسکتے۔“ گراہم اپنی قمیش کا کالر چباتا ہوا بولا۔ پھر کالر کو دانتوں کر فاتحانہ انداز میں بولا۔ ”تم جو میری طرف بڑھ رہے ہو۔ بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکو۔“

34
بلجنبر
بڑاں کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ایسا لگا جیسے اس کا سر چکرا گیا ہو۔ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

”خُدم ہو گیا۔“ فریدی بڑو بڑا۔

”کیا مطلب.....؟“ حمید احقا نہ انداز میں اس کی طرف مڑکر بولا۔

”کار میں کوئی بہت ہی سریع الاثر زہر تھا۔“ پھر فریدی نے آگے بڑھ کر دیکھا اس کا

ہارسا ہوا نہیں تھا بلکہ دو پرتوں کے درمیان بیچ بن گئے ہوئے تھے۔ فریدی نے کالر کی نوک

کے تریب سے شیٹے کے پیسول کی کرجیں نکالیں۔ زہر اسی پیسول میں تھا۔

اس کے بعد گلبرٹ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کی گئیں اور ہوش آجائے پر مجبور کیا گیا

”خُردار.... میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ بچپتاو گے۔“ گراہم چینا۔ اس وقت

کوہ فریدی کو اس جگہ پہنچائے جہاں ہیلی کو پڑھ موجود ہے۔ اس سے پہلے اس نے اچھی طرح

ایک فٹ کے فاصلے سے جے چاہوں ختم کر دوں۔

”احقا نہ دھکی ہے گراہم..... اگر تم ایسا کر سکتے تو ہمیں اپنے قریب آنے وال کا جامہ تلاشی لے لی تھی کہ کہیں اس نے بھی زہرنہ چھپا رکھا ہو۔ ہیلی کو پڑھتا ہاتھ آجائے

فریدی مسکرا کر بولا۔ وقتاً دوسرے کمرے سے آواز آئی۔ ”ارے تم قہاں گئیں۔“ تم کے بعد اس نے حمید کو ہیں چھوڑا تھا اور گلبرٹ کو باندھ کر ہیلی کو پڑھ میں ڈال دیا تھا اور خود ہیلی

فریدی کو پاٹھ کرتا ہوا شہر پہنچا تھا۔ پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر پہاڑیوں میں درجن سے

زائد ہیلی کو پڑوں کا لرزہ خیز شور گونجنے لگا تھا۔ نئیل زندہ ہی ہاتھ لگا۔ وہ ابھی تک بے ہوش

پکارے ہی جارہا تھا اور پکارتا ہوا بلا خراس کمرے میں گھس آیا۔

”خاب رہیکا کی حالت بھی غیر ہونے لگی تھی۔ اس نے حمید سے کہا۔ ”اب جن حالات سے

”میرے دوست ماروان سکھوں کو۔“ گراہم نے لہک کر کہا۔ ”ولٹکیاں تمہاری نظریں۔“

نہ رہنا چاہتی ہوں میں دنیا کو بتاؤں گی کہ وہ بے قصور تھا۔ اور تمہاری حکومت سے اس کے

”قیسی باتیں کر رہے ہو چیٹا۔ میں اپنے بھائیوں کو ماروں گا۔“

رہیکا کھل کھلا کر پس پڑی اور یوں۔ ”نیکشن کا اثر عارضی تھا گراہم۔ اب وہ پولا جید کچھ نہ بولا۔ اس کا ذہن سن ہو کر رہ گیا تھا۔

تمام شد

پیش رس

”ٹسڈل کی بیداری“ ایک ایسی عورت کی کہانی ہے، جسے
ٹسڈل کی بے چارگی سے پیار تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ٹسڈل اس
اعصابی مرض سے نجات پا سکے، وہ اسے جان سے زیادہ عزیز
رکھتی تھی لیکن اسے صحت پا ب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ ہے نا عجیب
بات۔

انسانی ذہن ایک ایسا معمر ہے جس کا حل بسا اوقات
ماہرین نفیات کے بس کاروگ بھی نہیں رہتا۔ ہو سکتا ہے کہ ریبا
کی یہ ذہنی کیفیت کسی قسم کے فوپیا سے تعبیر کی جائے لیکن یہ فوپیا
ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ آدمی کو خودکشی کی طرف لے جائے۔ صفحی
زندگی سے متعلق فوپیا زانتے بھیاں ک نہیں ہو سکتے۔
اس کہانی میں ایک سرد مراج ٹائل سے ملنے جسے ہر قتل
کے بعد ایک عورت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

فریدی کا قتل اس کے مشن کا خاص جزو تھا۔ اپنے ہیڈ کوارٹر
سے بڑی لاٹ گزار کے ساتھ فریدی کے قتل کا تہیہ کر کے چلا
ہے۔ لیکن فریدی بھی کسی بہت بڑے معنے سے کم نہیں۔ وہ اسے
ایک بڑی بھیاںک سزا دیتا ہے۔ لیکن ٹسڈل کا علاج کر کے وہ

ٹسڈل کی بیداری

(دوسری حصہ)

پیمان ہوا ہے۔

آپ فریدی کی نیچر سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ لاف و گراف کرنے والے مجرموں کو ہمیشہ بڑی خاموشی سے زک دیتا ہے۔ وہ انہیں اس طرح بے بس کرتا ہے کہ اپنی ہی بوئیاں نوچتے رہ جاتے ہیں۔

کیپٹن حمید (خدا ان کی مغفرت کرے) پتہ نہیں کیوں اتنے "شریف" ہو گئے ہیں کہ بعض چہرے انہیں بزرگانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ گہٹ کچھ اسی قسم کی شخصیت ہے۔

لیکن اس کہانی میں تو انہیں صرف ڈاکٹر علوی کے گھریلو بھگڑوں سے دیپسی رہی ہے۔ لہذا اس بار تو انہیں معاف ہی کر دیجئے۔ فی الحال ان کے سلسلے میں مجھ سے استفسار نہ فرمائیے گا کہ وہ اتنے بھکیوں کے ہیں۔
جاوسی دنیا کے آئندہ نادل میں وہ آپ کو ایک بالکل ہی نئے روپ میں نظر آئیں گے۔

کچلی ہوئی لاش

گھری تار کی میں گاڑی کی ہیئت لائٹ نیزے کی طرح پیوست ہوتی چلی جا رہی تھی۔ رات کے بارہ بجے تھے۔ لیکن ابھی تک انہیں شب ببری کے لئے جگنہ مل سکی تھی۔ وہ تین تھے اور غیر قانونی طور پر پڑوی ملک کی سرحد پار کر کے وادی سرخاب میں داخل ہوئے تھے۔

"دمردار ایک عورت.....!"

عورت بڑی دیر سے بولے جا رہی تھی۔ موضوع تھا "چاندنی.....!" وہ کہہ رہی تھی کہ شناختی سر بر ز پہاڑیوں میں جب چاندنی ہو لے ہو لے ڈھلانوں سے اتری ہے تو وہیں عشق کدو یتا کے حضور سر بر بخود ہو جاتی ہیں۔

"تم باقاعدہ طور پر شاعری کیوں نہیں شروع کر دیتیں۔" اس کے برابر بیٹھے ہوئے مرد سن کر لامبا۔

"جس دن میں نے یہ محبوں کر لیا کہ ڈی ایس ایلیٹ کے انداز میں لکھ سکوں گی ضرور

ابن مصطفیٰ

۱۶ نومبر ۱۹۶۷ء

شاعری شروع کر دوں گی۔“

پیش منکور کر لی گئی۔ ابھی کے ساتھ اس کی گاڑی بھی تھی۔ اُس نے ان سے کہا تھا

اگلی سیٹ سے ڈرائیور غرایا۔ ”تم لوگ بے ٹکنی کر کے میرا دماغ کیوں چاٹ رہے ہیں؟“ وادی سرخاب پہنچ کر اپنی گاڑی بھی انہیں بخش دے گا۔

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہیں اس کا طرز تھا طب ناگوار گزار ہو۔ ہوریں نے سرحد پار ہو جانے تک خود گاڑی چلائی تھی اور اُس کے بعد اسٹرینگ ویبل یہ تینوں مغربی ممالک سے تعلق رکھتے تھے اور انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس کے سامنے کر کے خود پچھلی سیٹ پر پیکی کے پاس جا بیٹھا تھا۔

عورت نے جھک کر آہستہ سے مرد کے کان میں کہا۔ ”مجھے اس سے خوف معلوم ہوا ہے۔“ بین ہمیں سڑک ہمیں وادی سرخاب تک پہنچائے گی۔“ اس نے ابھی سے کہا۔

اور اس کے بعد وہ دونوں ہی اس سے بدول ہو گئے تھے۔ سرحد پار کرتے ہی جیسے وہ

یہ دونوں اسکلر تھے اور گاڑی ڈرائیور کرنے والا دو دن پہلے ان کے لئے قلمی اپنی بیل آیا ہے۔ ان سے اس طرح گفتگو کرنے لگا تھا جیسے وہ اس کے زرخیز دلalam ہوں۔

پیکی اینڈ ہوریں کے نام سے یہ دونوں سرحد پار کے ملک میں برس کرتے تھے۔ یہاں ”تم سمجھتے کیوں نہیں۔“ پیکی آہستہ سے اُن کے کان میں بولی۔

غیر قانونی نہیں تھا اور وہ دونوں وہاں معزز ہی سمجھے جاتے تھے لیکن وہ ان کا اصل برس ”وہ بدل گیا ہے۔“

”تو ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔“ ہوریں نے جواب دیا۔ ”کسی نہیں تھا۔ وارے نیارے تو اسکلر میں ہو رہے تھے۔

پیکی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے اندر ہیرے میں گھورتی رہی۔

پیکی بڑی دلکش عورت تھی۔ سوسائٹی میں مقبول بھی تھی۔ اب کتنی دور ہے سرخاب دیلی۔“ ابھی اگلی سیٹ سے غریبا۔

”پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ صبح ہوتے ہی پہنچپیں گے۔“ ہوریں بولا۔ ”اس کے خواہش مند بھی تھے۔

”تم نے یہ بھی تو کہا تھا کہ راستے میں کہیں رک کر آرام کر سکیں گے۔“ کسی میں اتنی بہت نہیں تھی کہ ان دونوں کی طرف انکلی بھی اٹھا سکتا۔

دو دن پہلے وہ اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے کسی ملکے پر گفتگو کر رہے تھے کہ یہ ابھی ما

آیا۔۔۔ ان دونوں کے ایک شناسا کا تعارفی خط لایا تھا اور پھر دو ہزار پوٹ کے دونوں کی لٹا نکال کر ان کے سامنے رکھ دی تھی۔

دوست نے انہیں لکھا تھا کہ وہ اُسے سرحد پار کرادیں اس کے لئے دو ہزار پوٹ پیش کش تھی۔

ہوریں ایسے راستوں سے واقف تھا کہ کسی کو کانوں کا نخبر بھی نہ ہو۔۔۔ وہ تو اکثر قدر ہل رہے ہو۔

وادی سرخاب تک چلا جاتا تھا۔ اس بار ارادہ تھا کہ پیکی کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ ابھی ”مشت اپ۔۔۔!“

”میرا بیوی اور ہر وقت بھرا رہتا ہے۔“ یہ پیش کش سامنے آئی اور پھر تعارفی خط لکھنے والا اس کے گھرے دوستوں میں سے تھا۔

"میں کہتا ہوں خاموش بیٹھو۔"

ہوریں سختی سے ہونت بھینچ ہوئے سیٹ کی پشت گاہ سے ملک گیا۔
پیکی کی مٹھیاں بھی بھینچ گئی تھیں۔

کار پیارڈی مڑک پر چکراتی ہوئی تیز رفتادی کے ریکارڈ توڑ رعنی تھی۔

"دماغ ٹھنڈا رکھو۔" دفتاً پیکی ہوریں کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔
ہوریں پکھنہ بولا۔ اس کا دماغ تپنے لگا تھا۔

دختا پیکی نے محوس کیا کہ گاڑی کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ اس نے ہوریں کا ٹھان
لیکن ہوریں نے اپنے شانے کو تیر قسم کی جبنت دے کر اس کا ہاتھ ہٹا دیا پھر پکھنہ دور ہلا
گاڑی رک گئی اور اجنبی ہوریں کی طرف مڑکر بولا۔ "دوسٹ..... کیا تم خفا ہو گئے۔"
ہوریں پکھنہ بولا۔

اجنبی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "غصہ ٹھوک دو۔ ہم بہت اچھے
ثابت ہو سکتے ہیں۔"

ہوریں نے غیر ارادی طور پر مصالغہ کے لئے ہاتھ بڑھادیا۔
اس کے مصالغہ میں خاصی گرم جوش تھی۔

"نہیں کوئی ایسی بات نہ تھی۔" ہوریں مصالغہ کے بعد باسیں ہاتھ سے اپنی ہتھیں
ہوا بولا۔ "کبھی کبھی ہم غیر شوری طور پر بہت زیادہ خود پند ہو جاتے ہیں۔"

"ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔" اجنبی نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
تم پند ہے۔ ویم پندو۔....!"

"میں ڈریک ہوریں ہوں۔ تم پہلے ہی سے جانتے ہو۔" ہوریں بولا۔
وہ اب بھی اپنی ہتھیں سہلائے جا رہا تھا۔

اجنبی نے دوبارہ انجمن اسٹارٹ کیا اور گاڑی چل پڑی۔
پیکی اس دوران میں بالکل خاموش بیٹھی رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اجنبی کی ہے۔

اے اور زیادہ نفرت انگیز معلوم ہوئی۔

وہ ہوریں سے بھی کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ نہ
نہ، زہن مسلسل بھی دھرائے جا رہا تھا کہ اُسے ان لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ خود
بھی نے چلنا عیا بار سرحد پار کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اوپنگھنے لگی۔

پھر پہنچنیں کب گاڑی رکی تھی اور اس کے جھکٹے سے نیند اچٹ گئی تھی۔

"کیا پوری رات ختم ہو جائے گی اس سفر میں۔" ویم پندو نے مڑکر پیکی سے پوچھا۔
"میں کچھ نہیں جانتی۔" پیکی کے لمحے میں ہجھنگلا ہٹھ تھی۔

"مسٹر ہوریں.....!"

"وہ شام دسو رہا ہے۔" پیکی بولی۔

"جاؤ..... اور پوچھو۔" پندو کا ہجھہ سر دھما۔

پیکی نے ہوریں کا شانہ ہلایا۔ پھر آوازیں بھی دیں لیکن وہ نہ جا گا۔
"اتی گہری نیند.....!" پندو نے ہٹھری لمحے میں کہا۔

اب وہ اُسے زور زور سے چھوڑ کر آوازیں دے رہی تھی۔
"عنی جلاو۔" دفعتاً وہ نہیں ایمان اداز میں پندو سے بولی۔

پندو نے گاڑی کے اندر روشنی کر دی۔

اور پھر پیکی کی چیخ سنانے میں دور تک لہر اتی چلی گئی تھی۔
"کیا بات ہے..... کیا ہوا۔" پندو کے انداز میں بوکلا ہٹھ تھی۔

"یہ..... یہ..... کیا ہو گیا اسے..... کیا ہو گیا۔"

پندو ہجھلی سیٹ پر جھک کر ہوریں کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

"اوہ.....!" وہ چند لمحوں بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ تو..... یہ تو..... شام دسو۔....."

"اوہ..... یہ تو.....!"

"مر گیا.....!" وہ دیوانہ وار چینی۔ "تم نے اسے مار ڈالا۔"

”میں نے.....؟ تم پاگل ہو گئی ہو۔“

”ہاں تم نے اسے مار ڈالا۔“ وہ روتی ہوئی ہوریس پر گرگئی۔

پنڈو خاموش بیٹھا چلکش جھپکاتا رہا۔

”میں واپس جاؤں گی۔ میں واپس جاؤں گی۔“ دھنٹا وہ چینخنے لگی۔ چینخ جاری تھی، پہنچی آنکھوں سے اپنے مردہ ساتھی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ جواب بھی ایسا لگا کہ جیسے بیٹھے بیٹھے سو گیا ہو۔

”بھلامیں نے اسے کس طرح مار ڈالا۔“ پنڈو بھراں ہوئی آواز میں بولا۔

وہ پچھنہ بولی۔ بس ہدیانی انداز میں چکیاں لتی رہی۔ پنڈو پھر بولا۔

”میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تم دونوں ہی سو گئے ہو۔۔۔ اس لئے خاموشی سے ڈرائیور کا“ ہاں..... یہ لاش..... اس کے ساتھ سرخاب ولی میں داخل ہونا مزید اجھنوں کو دعوت تھا۔ یہ میری بد قسمتی ہے کہ کچھ دیر پہلے ہمارے درمیان تیز کلامی ہو چکی تھی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی..... واپس چلو۔“

پنڈو نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے پھر جنتی سے بھینچ لئے۔

پیکسی کی چکیاں سکیوں میں تبدیل ہوئی جا رہی تھیں۔

”تم یہ تو دیکھو.....!“ پنڈو تھوڑی دیر بعد زرم لبھ میں بولا۔ ”آخر میں نے اس کے طرح مار ڈالا۔ اگر گلا بھی گھونٹتا تو وہ محلا ضرور اور تمہیں معلوم ہو جاتا۔“

پیکسی خاموش رہی۔ پنڈو بھی کچھ نہ بولا۔ گاڑی کے باہر گھرے نائے اور انہیں کا حکمرانی تھی اور گاڑی کی دھنڈی روشنی میں ہوریس کا چہرہ بڑاڑا دنا لگنے لگا تھا۔

”مجھے واپس لے چلو۔“ پیکسی کچھ دیر بعد کہا۔

”کیا تم اس جگہ کی نشاندہی کر سکو گی جہاں سے ہوریس نے گاڑی اس سڑک پر نکالی تھی۔“

”مجھے یاد نہیں۔“

”بد قسمتی سے میں بھی گاڑی کو اس راستے پر نہ لگا سکوں گا۔“

”کیا مطلب.....?“

”بھین کرو..... میں پہلی بار ان اطراف میں آیا ہوں۔“

”تو کیا..... تو کیا میری واپسی!“

”تمہاری واپسی حالات پر منحصر ہو گی۔ میں کوشش کروں گا کہ تم کسی طرح واپس چلی جاؤ۔“

”میرے خدا..... یہ کیا ہو گیا۔“ پیکسی نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔

”میں کیا کہوں۔“ پنڈو بھراں ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ ایک بہت بڑی اجھن ہے۔ اب

چیز بیٹھے بیٹھے سو گیا ہو۔“

”لاش کا کیا ہو گا۔“

”لاش.....!“ پیکسی نے چہرے سے ہاتھ ہٹانے اور ایسے انداز میں اسے دیکھنے لگی

بپے وہ اس کے لئے قطعی اجنبی ہو۔

”میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تم دونوں ہی سو گئے ہو۔۔۔ اس لئے خاموشی سے ڈرائیور کا“ ہاں..... یہ لاش..... اس کے ساتھ سرخاب ولی میں داخل ہونا مزید اجھنوں کو دعوت

تھا۔

”تو پھر.....؟“

”اسے بیٹھ کہیں؟“

”نہیں..... نہیں..... نہیں ہو سکتا۔“

”ہم پکڑ لئے جائیں گے۔“

”کچھ بھی ہو۔“

پنڈو نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ایک بوٹی اور گلاس نکالا۔

”یلو.....!“ اس نے گلاس میں شراب اٹھیں کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کیا ہے؟“

”براغذی..... ورنہ تمہارے اعصاب بالکل ہی جواب دے جائیں گے۔“

پیکسی نے ہاتھ بڑھا کر گلاس لے لیا اور دو تین گھونٹوں میں خالی کر کے اسے واپس کرتی

ہلکی بولی۔ ”میرے جسم میں جان نہیں رہی۔“

”تم جلد ہی تقویت محسوس کرو گی۔“

ہو ریس تھا جسے اس نے اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز رکھا تھا۔ دونوں گردن تک بول میں غرق تھے۔ لیکن ایک دوسرے کے قابل تھے۔ ہو ریس جو تباہ دس پر بھاری تھا۔ اتنی بھجھ میں نہیں آتا۔ میں کیسے باور کروں۔“

بھی سے مر گیا اور کسی مردہ جانور کی طرح چینک دیا گیا۔
بیکی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکے سر کے اندر برف کا ایک بڑا ساکلکار کھدیا گیا ہو۔
کار پھر پہلے ہی کسی تیز رفتاری سے راستے طے کرنے لگی تھی۔
بیکی کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بے کران اندھیرا خود میں سما جا رہا ہو۔

کچھ دیر بعد پنڈو نے اوپری آواز میں پوچھا۔ ”کیا تم سورتی ہو.....؟“
”نہیں.....!“ پیکی کو اپنی آواز بخوبی اخوبی سی لگ رہی تھی۔
”میرا خیال ہے کہ ہم کسی بستی کے قریب ہیں۔“
پیکی کچھ نہ بولی۔

”کیا تم وہاں رک کر رات گزارنا پسند کرو گی۔“ پنڈو نے پوچھا۔
”میں کچھ نہیں جانتی..... میرے ذہن پر سوالات کا بارہہ ڈالو۔“
کچھ دور بلندی پر روشنی نظر آرہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے جا بہ جا چانگ روشن ہوں۔
لیکن پیکی نے محسوس کیا کہ وہ روشنیاں متحرک ہیں اور پھر دفتا اسے یاد آیا کہ ہو ریس ناطراف کے رہنزوں کا مذکورہ کیا کرتا تھا۔

”ٹھہر و..... ٹھہر جاؤ۔“ وہ پنڈو کا شانہ چھبھوڑ کر بولی۔
گاڑی ڈگ گھائی..... پھر بریک چچائے۔
”نظر ہے۔“ پیکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
”کیا مطلب.....؟“

”دیکھو..... وہ روشنیاں حرکت کر رہی ہیں؟“
”ہاں تو پھر.....؟“

”ہو ریس دل کا بُر انہیں تھا..... وہ تمہاری دوستی کی قدر کرتا۔ لیکن کیسے مر گیا..... بول میں غرق تھے۔“

”وہ جہاں بھی ہوتا اس وقت زندہ نہ رہتا۔ میں قضا و قدر کا قائل ہوں۔“

”یقین نہیں آتا..... یقین نہیں آتا..... میں کیا کروں۔“

”دماغ ٹھنڈا رکھو اور عقل سے کام لو.....!“

پیکی دنوں ہاتھوں سے کپٹیاں دباتی رہی۔

پنڈو تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اب ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔“

”ہم کیا کریں؟“

”لاش کو ٹھکانے لگانے کا۔“

”اس ویرانے میں اس کی قبر بنائیں گے۔“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

”قبو کھونے کا سامان نہیں ہے میرے پاس۔“ پنڈو نے کسی قدر ترشی سے کہا۔
پھر.....؟“

”ظاہر ہے کہ ہم اسے نشیب میں لڑھا کر آگے بڑھ جائیں گے۔“

”نہیں..... نہیں۔“

”ضھول باشیں نہ کرو..... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔“

”لیکن یہ انسانیت سے بعید ہے۔“

”نہ میں خود انسان ہوں اور نہ تمہیں سمجھتا ہوں۔“ پنڈو نے کہا اور دروازہ کھول کر یہ آیا۔ پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر لاش باہر نکال ہی رہا تھا کہ پیکی نے اس کا بازو و پکڑا۔
”نہیں..... نہیں۔“

”خاموش رہو۔“ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر غرایا۔ لاش باہر نکلی اور نامعلوم گھر انہوں

طرف لڑھکی چل گئی۔ پھر گاڑی اسٹارٹ ہونے میں بھی دیر نہیں لگی تھی۔

پیکی پچھلی سیٹ پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔

آنے والوں کے چہرے خوفناک تھے اور ان کے کاندھوں سے راٹھلیں لگی ہوئی تھیں۔ پسکی ہم کراس کے بازو سے لگ گئی۔ کچھ ایسی سراستہ میگی کا شکار ہوئی کہ موجودہ چوہین کے طالہ، اور کوئی ناٹڑہن میں باقی نہ رہا۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ کچھ دیر پہلے اسی آدمی کو ہوریں پنڈو ان روشنیوں کو گھوڑے لگا۔ وہ جسیج تحرک تھیں اور آہستہ آہستہ ان کی، آٹاں نہیں اچکی تھی۔ پنڈو کا ہاتھ اس کی کمر کے گرد حلقة کر چکا تھا۔

آنے والے مشعلین اونچی کر کر کے چاروں طرف نظریں دوزار ہے تھے۔ پھر وہ انہیں کی بڑھتی آرعنی تھیں۔

از شب میں اترنے لگے۔ انہوں نے اپنے شانوں سے راٹھلیں اٹارنی تھیں۔

پنڈو کا بایاں ہاتھ پیکی کی کمر سے ہٹ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں اس نے اپنے قریب

”میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں اخالے جائیں گے“ پنڈو ہنس کر بولا۔ ”اور مجھے لہای گن کی تڑتڑ اہستہ سنی۔“ مار دیں گے۔

”اسے مذاق نہ سمجھو،“ پیکی جھنجلا گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑ کنے لگا تھا۔ اس مر ہو گئے تھے۔ مشعلین زمین پر پڑی جل رہی تھیں اور دس مرد آدمی ان کی روشنی میں ہزار ہا ہوریں کی زبانی ان پہاڑی رہنیوں کی سفا کیوں کے قصے سنے تھے۔

”انہوں نے آگے کہیں سڑک روک دی ہوگی۔“

”غدا پیکی کو اپنے خون میں گری محسوس ہوئی۔ ایک عجیب سی حریکتی جس کے تحت وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

”بڑے بڑے پتھر کھدیے ہوں گے۔“

”ایجھی بات ہے..... تو یخے اتر چلوو!“ پنڈو نے انہن بند کرتے ہوئے کہا۔ ”آؤ.....!“ پنڈو پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

پھر وہ اسی طرح اس کے ساتھ گاڑی تک گئی تھی جیسے وہ سالہا سال سے ایک دوسرے کو لٹک طرح جانتے رہے ہوں۔ پنڈو نے اس کے لئے اگلی ہی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ چپ ”میں نے تم سے کہا تھا کہ یخے اتر جاؤ۔“ پنڈو غریا۔

اس نے دروازہ کھولا اور کانپتے ہوئے پیروں سے یخے اتر گئی۔ حالانکہ سر دی اتنی تھا اب پیٹھے گئی۔ پنڈو دوسری طرف نہیں بیٹھا تھا۔

کہکھ دیر بعد اس نے انہیں سے میں دیکھا جیسے وہ نشیب سے کوئی وزنی چیز گھستتا ہوا نشیب میں اترنے لگا۔ ڈھلان معمولی سی تھی۔ وہ ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں چلے گئے پر لارہا ہو۔ لیکن اس نے زبان نہیں کھولی۔ خاموش بیٹھی رہی۔ اس وقت اس کا ذہن تھے۔ پیکی روشنیوں کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ جلد ہی اس کا اندریشہ درست ثابت ہوا۔

اُسے یہ بھی نہ محسوس ہوا کہ پنڈو کتنی دیر بعد واپس آ کر گاڑی میں بیٹھا تھا۔ البتہ جب گاڑی کے گرد آئٹھوں مشعلین نظر آئیں۔

”وہ رہن معلوم ہوتے ہیں۔ مشعلین لئے ہوئے۔“

”تم نے تو کہا تھا ادھر کبھی نہیں آئیں۔“

”تذکرہ سننا ہے..... وہ بے رحم اور بے باک ہوتے ہیں۔“

پنڈو ان روشنیوں کو گھوڑے لگا۔ وہ جسیج تحرک تھیں اور آہستہ آہستہ ان کی، آٹاں نہیں اچکی تھی۔

”ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔“ اس نے پیکی کو چھا طلب کیا۔

”وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں اخالے جائیں گے“ پنڈو ہنس کر بولا۔ ”اور مجھے لہای گن کی تڑتڑ اہستہ سنی۔“

”ساری مشعلین بیک وقت نشیب میں لاٹھکتی چلی آئیں۔“ وہ سب آوازیں نکالے بغیر

”اسے مذاق نہ سمجھو،“ پیکی جھنجلا گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑ کنے لگا تھا۔ اس مر ہو گئے تھے۔ مشعلین زمین پر پڑی جل رہی تھیں اور دس مرد آدمی ان کی روشنی میں ہزار ہا

ہوریں کی زبانی ان پہاڑی رہنیوں کی سفا کیوں کے قصے سنے تھے۔

”انہوں نے آگے کہیں سڑک روک دی ہوگی۔“

”وہ کس طرح؟“

”بڑے بڑے پتھر کھدیے ہوں گے۔“

”کیا کرو گے تم.....؟“ پیکی نے پوچھا۔

”میں نے تم سے کہا تھا کہ یخے اتر جاؤ۔“ پنڈو غریا۔

اس نے دروازہ کھولا اور کانپتے ہوئے پیروں سے یخے اتر گئی۔ حالانکہ سر دی اتنی تھا اب پیٹھے گئی۔ پنڈو دوسری طرف نہیں بیٹھا تھا۔

کہکھ دیر بعد اس نے انہیں سے میں دیکھا جیسے وہ نشیب سے کوئی وزنی چیز گھستتا ہوا

نشیب میں اترنے لگا۔ ڈھلان معمولی سی تھی۔ وہ ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں چلے گئے پر لارہا ہو۔ لیکن اس نے زبان نہیں کھولی۔ خاموش بیٹھی رہی۔ اس وقت اس کا ذہن تھے۔

پیکی روشنیوں کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ جلد ہی اس کا اندریشہ درست ثابت ہوا۔

البتہ جب گاڑی کے گرد آئٹھوں مشعلین نظر آئیں۔

لہنر 34 اس نے مجھے دھکی دی تھی کہ وہ ہر وقت بھرا ہوا ریو الور رکھتا ہے۔

”اتی ذرا سی بات پر تم نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔“

”یہ غلط ہے..... میں نے اس کا گلا نہیں گھونٹا۔“

”تم نے اسے مارڈا لا۔“

”یہ درست ہے۔“

”تم نے.....!“ وہ بندیاں انداز میں چینی۔

پنڈو نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ لیکن کا جسم پھر کا پینے لگا تھا۔

”بچھلی سیٹ پر چلو۔“ پنڈو غریباً۔

”نن..... نہیں۔“

”بچھلی سیٹ پر چلو۔“ اس پار لہجہ بے حد خنخوار تھا۔

لیکن نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور نیچے اتر گئی۔ پھر بالکل

ٹھنڈی طور پر اُس نے بچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور اندر بیٹھ گئی تھی۔

پنڈو نے بھی اگلی سیٹ چھوڑ دی۔

لومڑی کی تلاش

پھر وہ دیوچ لی گئی۔ خونخوار شکاری کتے نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔ کیپشن حمید نے قہبہ

لیا۔ لگن سے اس پہاڑی لومڑی کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ دو تمن فائر بھی کئے تھے۔ سب حالی

ٹکڑے کی بالآخر تربیت یافتہ بلڈہ ہاؤٹ نے اس پر قابو پا گئی لیا۔

فریڈی کی ہدایت تھی کہ لومڑی زندہ ہی ہاتھ آئی چاہئے۔

بچھل تمام وہ اسے کتے سے چھڑا کر کیوناں کے تھیں میں فتح کر سکا۔ لومڑی بُری طرح

اُس نے گاڑی کے ہینڈ لیپ روشن کئے تو سامنے سڑک پر دس لاشیں بر امہ سے پڑی تھیں اور پھر گاڑی انہیں کلکتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ ایک بار پھر اس کے ذہن کو جھوٹا لکھ سوچنے لگی آخراں کی کیا ضرورت تھی۔ لاشیں جہاں تھیں وہیں پڑی رہنے دی جاتی ہیں۔ سڑک پر ڈال کر کلکتے کی کیا ضرورت تھی۔

اس کے جسم پر پھر لرزہ طاری ہو گیا۔ پنڈو خاموشی سے ڈرائیور کر رہا تھا۔ پھر اسے یاد آیا۔ اس کی موت یاد آئی۔ کتنی بے بیسی سے مر گیا تھا۔ پتہ نہیں پنڈو نے اسے مارڈا لے کے کون ساطریقہ اختیار کیا ہو۔

وہ آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت گاہ سے نلک گئی۔ گاڑی تیز رفتاری سے راز کر رہی تھی۔

و فعتاً پنڈو بولا۔ ”کیا تم سوری ہو۔“

”نہیں.....!“

”میرا خیال ہے کہ تم اتنی خاموش طبع بھی نہیں ہو۔“

”میں کچھ بھی نہیں ہوں۔“ وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

”بولتی رہو..... بہت دنوں بعد میں اتنے اچھے موڑ میں آیا ہوں۔“

”ہوں.....!“

”تین سال سے میری زندگی بڑی بے بیسی کے ساتھ گزرتی رہی ہے۔ اس وقت ای رہا ہے جیسے ابھی ابھی جا گا ہوں۔ تین سال کی طویل نیند سے نجات ملی ہے۔“

”لیکن تم نے ہوریں کو کیوں مارڈا لا۔..... اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔“

پنڈو نے قہقہہ لگایا۔

”اوہ..... تو..... میرا شہر درست ہے۔“

”حقیقتاً اسی نے مجھے جگایا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

غراے جاہی تھی۔ تھیلا اٹھا کر چلتا شروع کیا تو بیلڈ ہاؤٹ پر بیان کرنے لگا۔ جس سمت پر ہیں فٹ نیچے ایک آدمی چاروں خالنے چت پڑا نظر آیا۔ وہ یقیناً مردہ تھا اور کوئی سفید تھا اُدھر جانے کی بجائے دوسری طرف غرا غرا کر دوڑنا شروع کر دیا۔

آدمی معلوم ہوا تھا۔ حمید نے طویل سانس لی اور کتنے کو اس طرح گھونے لگا جیسے دوسرے

حمد نے جھلاہٹ میں اس کے پیٹ پر ہاتھ ڈال دیا۔ اب ایک طرف تو وہ ہمیں میں اسے بھی گولی مار دے گا۔

اچھل کو دہرا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پائے جانے والے تھیں میں لوہری چل رہی تھی۔ اس نے پھر اس کے پیٹ پر ہاتھ ڈالا اور گھینٹا ہوا اس طرف چلنے لگا جہاں لوہری کا تھیلا وہ آسان کی طرف منہ اٹھا کر بولا۔ ”پروردگار..... اگر وہ شخص پاگل ہو گیا ہے تو یہاں ڈالنا۔ کتنے کا جوش و خروش کم ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنا فرض ادا کرنے کے بعد کچھ دنوں کے لئے کم از کم ملیریا ہی میں جلتا کر دے۔“

پھر تھیلا اس نے زمین پر ڈالتے ہوئے کتنے کو گھونسہ دکھا کر کہا۔ ”تو تربیت یافتہ لوہری کا تھیلا اٹھا کر حمید سڑک تک پہنچنے کے لئے راستہ تلاش کرنے لگا۔ بھاگ دوڑ میں میں کو راہوں اسے ہمیشہ یاد رکھتا۔“

کتنے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور ایک طرف بھاگ نکلنے کے لئے زور لگائے جا رہا تھا۔

حمد کا جانا پہچانا کتا تھا۔ جسے خود فریدی نے تربیت دی تھی اور وہ اس سے پہلے ہمیں بھاگ دیا۔ بھاگ کا جانا پہچانا کتا تھا۔ پہلے نہیں کہاں اور کس نسبت میں گاڑی ہو! آخر کس طرف رخ کیا جائے۔ بار اسے شکار میں استعمال کر چکا تھا۔ یہ اچھل کو دے مقنی نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے آس پاس کوئی دھنعتا دا گاڑیاں باہمیں جانب سے آتی دکھائی دیں۔ حمید نے انہیں پہچان لیا۔ وہ پولیس لوہریاں بھی پائی جاتی ہوں۔ تو پھر ایک ہی پر کیوں اکتفا کیا جائے۔ جتنی بھی مل سکیں پکڑ کر کاراں میں حصیں رکھنے کا اشارہ کیا۔ اُنہلی والے واقعے کے بعد سے گاڑی میں بھری جائیں۔ کیا یاد کریں گے ذیز ہارڈ اسٹون ایک کی جگہ دس لوہریاں۔ اولی سرخاب کے سارے ہی پولیس آفسر اسے پہچاننے لگے تھے۔ ایک سب انپکٹر گاڑی سے لوہری چاہئے۔ وہ بھی زندہ ہونہے۔ جسیجھے دماغ الٹ گیا ہے اس نہیں اُن کو اس کے قریب آیا۔

ڈاکٹر نہل پر خود کوئی تجربہ فرم رہے ہیں۔ لوہری کا خون چاہئے اس کے لئے۔ مل بھی۔ ”میری جیپ تو اُدھر نہیں ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”جی نہیں۔ اس طرف تو کوئی گاڑی نہیں ہے۔“ پیشاب طلب فرمائیں گے اور بیچارہ حمید ہاتھوں میں تسلی لئے بھیں کے پیشاب کی خالی سرگردان نظر آئے گا جو پیشاب کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

”ایسی کی تیسی۔“ وہ جھلا کر بولا اور کتنے کا پیٹ چھوڑ دیا۔

لوہری اور تھیلا وہیں چھوڑ کر خود بھی کتنے کے پیچے دوڑنے لگا۔ کتنا اسے دوڑا راستوں پر لئے جا رہا تھا۔

ایک جگہ رک کر اس نے پھر اچھلتا شروع کر دیا۔ مسلسل بھوکے جا رہا تھا۔

حمد سمجھ گیا کہ آگے راستہ نہیں ہے۔ قریب پہنچ کر اندازہ ہوا کہ نیچے رسائی ممکنہ۔

سب انپکٹر نے بتایا کہ دس پکلی ہوئی لاٹھیں سڑک پر پائی گئی ہیں۔ اس کے خیال کے

مطابق انہیں گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ پھر لاٹیں کسی گاڑی سے کچلی گئی تھیں۔

”مقامی لوگ.....!“ حمید نے پوچھا۔

”بھی ہاں۔“

”اُدھر.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وہ کوئی سفید قام غیر ملکی معلوم ہوتا ہے۔“ اُپنے ہاتھ میں چھوڑ کر مختلف سمت میں جعل پر اور
نہ صحت میں علاوه اور کوئی نہیں جاسکتا تھا۔
بہر حال حمید کو ڈاکٹر نسڈل کے بنگلے میں قیام کرنا پڑا تھا۔ جس کے چاروں طرف
اُسے وہ جگہ بتائی جہاں لاش دیکھی تھی۔ پھر وہ انہیں چھوڑ کر مختلف سمت میں جعل پر اور
سردیوں کی آمد آمد تھی۔ وادی سرخاب میں سردیوں کی آمد آمد کا مطلب تھا برف باری کی ابتداء
اس کی جیپ اگلے ہی شیب میں مل گئی تھی۔ اب اُسے ہیلی کو پڑا اشیش پہنچانا تھا۔
وادی سرخاب اُس کے لئے سوہاں روح بن کر رہ گئی تھی۔ اب وہاں ان کے بیٹے
مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ڈاکٹر نسڈل کو رواہ راست پر لایا جاسکے۔
آزماتا۔ رک جانا پڑا۔

وہ کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ ان لوگوں پر دوبارہ اپنی مشاہی
کرے جن کی شخصیتیں وہ پہلے بدلتے تھے۔ ربیکا نے بھی اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ملک
”کیا ہوا.....؟“ اس نے قریب آ کر پوچھا۔
”مل گئی.....!“ حمید نے خواہ خواہ خوشی ظاہر کی۔
”ہوں..... اچھا..... اُسے ساتھ لے جاؤ..... میں شہر جا رہا ہوں۔“
بس اپنی بات پر اڑ گیا تھا۔ کہتا تھا خواہ اُسے گولی ہی کیوں نہ مار دی جائے۔ وہ دوبارہ دُڑا
کو حل جسموں میں منتقل نہیں کرے گا۔

اسی دوران میں فریدی نے حمید کو اطلاع دی کہ اب وہ اپنی سائنس ڈاکٹر نسڈل
پھر وہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے جیپ میں بیٹھا تھا اور جیپ اشارت کر کے اس کا رغبہ
آزمائے گا۔

جو کچھ بھی وہ اس سلسلے میں کرتا چاہتا تھا اُس کے لئے لومزی کے خون کی ضرورت تھی۔ ہر کی طرف موڑ دیا تھا۔
وہ لومزی کے تھیلے اور شکاری کتے سمتیں ہیلی کو پڑا اشیش پر آتے گیا۔ یہاں سے ہیلکے سے لایا تھا
کہ ذریعہ ڈاکٹر نسڈل کے بنگلے تک پہنچا تھا۔ فریدی کا قیام وہیں تھا اور بنگلے کے گرد دور دُڑا
لے را ب پھر پرواز کے لئے تیار تھا۔ قریب پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اڑاں میں وہ تھا مسافر نہیں
ہے۔ ہیلی کو پڑا میں دخواستیں اور ایک نو عمر لڑکا پہلے سے موجود ہیں۔
فوجی پہرہ رہتا تھا۔

ڈاکٹر نسڈل کے ساتھ کچھ مقامی ڈاکٹر اور سرجن بھی رکھے گئے تھے تاکہ نسڈل کے
آجائے کے بعد وہ آپریشنوں میں نہ صرف اس کی مدد کر سکیں بلکہ اس طریقے کا مطالبہ
کر سکیں جس کے تحت وہ انہوں عمل میں آتی تھی۔
اکثر ان ڈاکٹروں کے لواحقین بھی ہیلی کو پڑا اشیش سے نسڈل کے بنگلے تک جانے میں

”بیکلے میں پہنچ گئے۔ حمید نے انہیں ڈرائیور میں بھایا۔

”کتنی دیر بعد ملاقات ہو سکے گی۔“ معمرا خاتون نے پوچھا۔ ”وہ کہاں ہیں؟“

”یہ بتانا مشکل ہے۔ البتہ آپ کی آمد کی اطلاع انہیں دی جا سکتی ہے۔“

”سکی یہ لومزی تھیں یعنی میں بندر ہے گی۔“ لڑکے نے پوچھا۔

”نہیں..... ابھی باور پی خانے میں پہنچادی جائے گی۔“

”باور پی خانے میں۔“ تینوں کی زبان سے یک وقت تکلا۔

حمید نے معموم انداز میں سر کو جبش دی۔

”یہ آپ کے چھپ کس نہب سے تعلق رکھتے ہیں۔“ معمرا خاتون نے تھیر ان لمحے میں پوچھا۔

”نہب کی بات نہیں مختصر۔ آدمی کسی نہب سے بھی تعلق رکھتا ہو۔۔۔ لیکن اسے

مول ہونا چاہئے۔“

”کیا بات ہوئی؟“

”اب میں کیا عرض کروں۔“

”ملاقات کتنی دیر بعد ہو سکے گی۔“ لڑکی پہلی بار بولی۔

”میں ابھی فون کرتا ہوں۔۔۔ آپ لوگ یہیں تشریف رکھیں۔“ حمید نے کہا اور اٹھ کر

مارکے میں آیا جہاں سے تہہ خانوں کو راستہ گیا تھا۔

فون پر ڈاکٹر علوی کو اطلاع دے کر وہ پھر ڈرائیور میں واپس آگیا۔

لومزی اب بھی تھیں میں بندھی پڑی تھی۔

”آپ اسے آزاد کر دیجئے تا۔“ لڑکی نے تھیں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ اتنی مہذب نہیں ہے کہ آزاد ہو جانے کے بعد شاشگی سے صوفی پر جا بیٹھے۔“

”تائیے ناس کا مصرف کیا ہے۔“

”مگر چیف ڈاکٹروں پر تحریکات کر رہا ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ لڑکی نے چونک کر کہا۔

ہے۔ لیکن اس سے پہلے بھی وہ تینوں وہاں نہیں دکھائی دیے تھے۔

عورتوں میں ایک ادھیز عمر کی تھی اور دوسرا نوجوان۔ دونوں میں خاصی مشاہدہ تھے۔

ماں بیٹی معلوم ہوتی تھیں۔ لڑکے میں بھی ان کی بھلی سی جھلک ملتی تھی۔ لڑکی خوش بیس اور بڑے والی تھی۔

وہ جلد ہی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ہیلی کو پڑ بیکلے کے قریب ایک مسطح چٹان پر اتر اتھر

”آئیے۔۔۔ میں آپ لوگوں کو لے چلوں۔“ حمید تھیلا سنبھالتا ہوا بولا۔ ”آپ شاہزادے بار بیہاں آئے ہیں۔“

”جی ہاں۔۔۔!“ معمرا خاتون بولی۔ ”میرے شوہر ڈاکٹر علوی کسی سرکاری کام کے لیے

میں یہاں مقام ہیں۔“

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ آئیے۔۔۔ ملاقاتیں میرے ہی ذمے ہیں۔“

”آپ۔۔۔؟“

”جی ہاں۔۔۔ میرا مطلب یہ کہ میری اجازت حاصل کئے بغیر ملاقاتیں نہیں ہو سکتیں۔“

”اس تھیں میں کیا ہے جتاب؟“ لڑکے نے حمید سے پوچھا۔

”لومزی۔“

اس بار لڑکی نے بھی تھیں کو بھر پور نظر وہ سے دیکھا اور پھر حمید کو دیکھنے لگی۔

وہ ہیلی کو پڑ سے اتر کر بیکلے کی طرف چل پڑے تھے۔

”میں نے آج تک کوئی لومزی قریب سے نہیں دیکھی۔“ لڑکا بولا۔

”لومزی کبھی قریب آتی ہی نہیں۔“ حمید نے کہا۔

”آپ اس کا کیا کریں گے۔“

”میرے چیف کا خط ہے۔۔۔ ہفتے میں ایک لومزی۔“

”وہ کیا کرتے ہیں؟“

”پڑنہیں۔“

”مجھے کچھ معلوم نہیں!“

”اے آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔ آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔“

”بیم.....!“ ڈاکٹر علوی کی سمجھی ہوئی سی آواز آئی۔ ”یہ گھر نہیں ہے جھلکار ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”مطلب یہ کہ سرکاری راز ہے۔ آپ اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے۔“

”لو.....! اب مجھ سے بھی سرکاری درباری چلے گی۔“

”بیم.....!“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ وہ ایک دم سے بھڑک اٹھی۔ ”میں تمہاری ماں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اچھی بچوں کو لے کر جدھر سینگ سائیں گے جل دوں گی۔“

”می.....!“ لوکی کی آواز آئی۔

”تم چپ رہو.....!“ حد ہوتی ہے۔ بڑھا پا آگیا انہیں کم بختوں میں۔ اب میں کسی کی بھانیں سنوں گی۔“

”گلی بیٹھی.....! انہیں سمجھا دے.....!“ ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

”اچھا تو اب میرے پیٹ کے کیڑے مجھے سمجھا میں گے۔“

”بیگم سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”می لوہری.....!“ لڑکا بول اخھا۔

”جہنم میں گئی لوہری۔ تم بھی خاموش رہو۔“

”می.....! ہیلی کو پڑ تو واپس چلا گیا۔ اب ہم واپس کیسے جائیں گے۔“ لوکی کی آواز آئی۔

”ہا میں واپس چلا گیا۔“ ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

”کمال ہے! آپ نے آواز نہیں سنی۔ ہمارے سروں سے چٹکاڑتا ہوا گزر اتحا۔“

”اگر وہ چلا گیا ہے تو پھر پتھریں کب آئے۔“

”ہا.....! تم تو چاہتے ہو جتنی جلد دفع ہو جاؤں اچھا ہے۔“ بیگم پھر اٹل پڑی۔

”اب میں کیا عرض کروں۔ گھن آتی ہے۔“

اسنے میں ڈاکٹر علوی ڈرائیور روم میں داخل ہوا۔ یہ چھوٹے قدم کا فربہ انداز آؤانہ میں ڈھنڈا اٹھایا اور کمرے سے نکل آیا۔ اب وہ اُس کمرے کی طرف جل پڑا۔ سے ڈکٹافون پر سارے کروں کی آوازیں سنی جا سکتی تھیں۔

یہ کام بھی اُسی کے ذمہ تھا کہ آنے جانے والوں کی عمرانی کرے۔

کمرے میں بہنچ کر اُس نے ڈکٹافون کا سوچ آن کر دیا۔ دوسرا طرف سے میں کی کھر کھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ بڑے زہریلے لمحہ میں کہہ رہی تھی۔

”خود تو یہاں آ کر چین سے بیٹھ گئے اور اپنی زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ اپ کی الالہ ہمیں جینے نہ دیں گی۔“

”کیوں.....! کیا ہوا۔“ ڈاکٹر علوی کی سہی سی آواز آئی۔

”اتنانہ بنئے.....! جیسے جانتے نہیں۔“

”پھر بتائیے میں کیا کروں۔“ ڈاکٹر علوی کی سکپکاتی ہوئی سی آواز آئی۔

ہیلی کو پڑ کے شور نے آگے کی بات نہ سننے دی۔ شاکنہہ اٹھن پر واپس جا رہا تھا۔

میں نے برا سامنہ بیٹھا اور کان اسی طرف لگائے رکھنے کی کوشش کی۔ تھوڑی اڑا۔

لڑکے کی آواز آئی۔ ”ڈیڈی.....! وہ آدمی لوہری کیوں لا یا ہے؟“

”کون آدمی.....؟“

”وہ جو بھی یہاں سے گیا ہے۔“

”کیپشن حمید۔“

”جو کوئی بھی ہو.....! کہہ رہا تھا.....!“ کہ اس کا چیف ڈاکٹر وہ پر کسی قسم کا تجربہ کر رہا۔

ایک لوہری تھیلے میں بند کر کے رکھی تھی۔ کہہ رہا تھا کہ وہ باور بی خانے میں بھیجا جائے گا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔“

”آخر یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ بیگم علوی کی آواز آئی۔

”مم.....میرا مطلب یہ نہیں ہے۔“

”پھر اور کیا بات ہے۔“

”اب میں کیا کرو؟“

”ڈیٹی بیانیے نا وہ لومزی۔“ لڑکی کی آواز آئی۔

”بیٹے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ کیتنہ حمید..... بہت دلچسپ آفیسر ہے۔ اس نے ہر ہر ”اوہ.....!“ وہ چونک کر بولا۔ ”تو واقعی اس میں لومزی ہے۔“
کچھ کہہ دیا گا۔“

”نہیں.....لومزی تھی تھی میں۔“

”تم نے دیکھا تھا۔“ لڑکی کی غصیلی آواز آئی۔

”پھر کیا چیز تھی؟“

”تم سے مطلب..... خاموش بنیھو۔“

”بولنے دو..... بولنے دو۔“ ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

”جی ہاں..... وہ بوتار ہے تاکہ میں نہ بول سکو۔“ بیگم علوی پھر بھڑک اٹھیں۔ ”تو نہ میں کچھ نہیں سمجھا۔“

بول..... میرا تو مقدر ہی ایسا ہے۔“

”می مقدر کے کہتے ہیں..... لفظ مقدر پر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ڈیٹی ایک خفت پر۔“ اب وہ سب عنی ہمہ تن توجہ بن گئے تھے اور حمید کسی ماہر داستان گو کی طرح محض اپنے بدھ“ اشائل میں آنکھیں بند کے یہی ہوں۔“

ڈاکٹر علوی کی نہیں ہوں سی بھی سنائی دی۔

”ان کم بخنوں کو بھی شوخ بھر دیا ہے آپ نے۔“ بیگم علوی کی لکارتی ہوئی آواز اسلا۔

”دی۔“ مقصد یہ ہے کہ مجھے کی طرف سے بھی سکھ نصیب نہ ہو۔“

”انور تم کیوں بکواس کر رہے ہو۔“ لڑکی کی آواز آئی۔

”میں نے کیا کہا ہے..... لفظ مقدر مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔“

”اچھا بس خاموش رہو۔“

حمدی نے طویل سانس لی اور لومزی کے تھیلے کی طرف دیکھنے لگا۔

جید نے سوچا ڈاکٹر علوی دشواری میں پڑ گیا ہے۔ اس کی مدد کرنی چاہئے اور یہ مدد اسی میں ہو سکتی ہے کہ اس کی بیوی کو بولنے سے روک دیا جائے۔ وہ پھر لومزی والا تھیلا ہے ہوئے ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر علوی کے چہرے پر تازگی نظر آنے لگی۔ لیا یعنی معلوم ہوا جیسے ڈوبتے کو تکے کا سہارا مل گیا ہو۔

”ہاں ڈاکٹر.....!“ حمید تھکی تھکی سی آواز میں بولا۔
”اے خدا.....!“

”اے خدا کا صرف.....!“

”کچھ لا شعوری گر ہیں ہوتی ہیں جو آدمی کو غیر معمولی بنا دیتی ہیں۔ میرے چیف کے انہیں بھی ہوا ہے۔“

”آپ کریل فریڈی کے بارے میں کچھ کہہ رہے ہیں؟“ ڈاکٹر علوی کے لہجے میں حیرت تھی۔
”جی ہاں..... جی ہاں۔“

”جی ہاں..... وہ بوتار ہے تاکہ میں نہ بول سکو۔“

”سمجا تو میں بھی نہیں ہوں۔ حالانکہ ہر ہفتے ایک لومزی پکڑ کر لاتا ہوں۔“

”می مقدر کے کہتے ہیں..... لفظ مقدر پر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ڈیٹی ایک خفت پر۔“ اب وہ سب عنی ہمہ تن توجہ بن گئے تھے اور حمید کسی ماہر داستان گو کی طرح محض اپنے سے کے اثار چڑھاؤ سے ان کا اشتیاق بڑھائے جا رہا تھا۔ آخڑ ڈاکٹر علوی نے کھنکھار کر

پلے۔“ کیا نثانے بازی کی مشق کرتے ہیں؟“

”اب میں کیا عرض کروں۔“ حمید نے مصنوعی کھیاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

”ارے تو بتائیے نا.....!“ بیگم علوی بول پڑیں۔

”صاحب کیا کہا جائے..... وہ اس لومزی کو لہن جائیں گے۔“

”لیکا.....؟“ بیک وقت سب کی زبانوں سے نکلا۔ لیکن حمید ان کی طرف توجہ دیئے بغیر بخونغم لجھ میں کھتارہا۔ اس کے چاروں پیارے باندھ دیں گے اور سر پر ریشمی دو پٹھے اس انداز میں گے جیسے بلہنوں کے گھوگھٹ نکالے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر علوی۔ یہ ایک دردناک

کہاں ہے۔ کوئی ماہر نفیات ہی اس کی توجیہ کر سکے گا۔ وہ اس کے گھونکھٹ میں جما چکیں۔ زیل ڈائینک روم میں داخل ہوا۔

..... مسکراتے ہیں..... پھر اچانک پھوٹ کر رونا شروع کر دیتے ہیں۔ ”لومزی۔“ حید نے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

آخری جملے پر حید کی آواز گلو گیر ہو گئی اور موٹے موٹے قطرے آنکھوں سے ہوا۔ زبیدی نے جک کر اسے اٹھایا اور دوسرا کمرے میں چلا گیا۔ وہ سب ہکابا حید کی ڈھلک آئے۔

ایک غم تاک سی خاموشی کمرے کی فضا پر مسلط ہو گئی تھی۔

”یعنی نہیں آتا۔“ ڈاکٹر علوی نے کچھ دیر بعد بھرائی آواز میں کہا۔ ”انتاشندر آدمی اور یہ۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔!“ ”فختا لڑکی بولی۔“ میں نفیات کی طالبہ ہوں۔ لیکن یہ لڑکہ۔ ”ہم پ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔“ بیگم علوی نے ڈاکٹر کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”کرتل فریدی غیر شادی شدہ ہیں غالباً۔“ ڈاکٹر بولا۔

”اوہ..... تب تو.....!“ لڑکی مضطرباً انداز میں بولی۔ لیکن اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ میلادی تھی۔

”کیا آپ روشنی ڈال سکتی گی۔..... ازوئے نفیات۔“ حید نے مغموم لمحے میں پڑھا۔

”ممکن ہے..... لومزی کی چالاک عورت کی علامت ہو سکتی ہے جس نے کبھی اس

”دھوکہ دیا ہو۔“

نیلی ٹالیاں

حید نے اس طرح آنکھیں چھاڑ کر اس کا یہ جملہ سنا ہیے خود بھی اسی کے امکان پر فراہ رہا ہو۔ وہ آہستہ سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ لومزی کی شکل کی عورت تھی۔“

”لومزی کی شکل کی عورت.....؟“

”جی ہاں۔ بعض چیزوں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں لومزیاں یاد آتی ہیں۔“

”جی نہیں! لومزی صرف کسی چالاک اور مکار عورت کا سہل ہو سکتی ہے۔“

”بڑی قابل ہوتا تم..... بس خاموش رہو۔“ بیگم علوی نے بیٹی پر آنکھیں کالیں۔

”نگی ٹھیک کہہ رہی ہے بیگم۔“ ڈاکٹر علوی بولا۔

”وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے اور حید چوتھے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ حید

اتنے میں پھر ہیلی کو پیپر کی آواز سنائی دی اور وہ خاموش ہو گئے۔ لہا چپ کر کھلانا نہ بدل گھمانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ خود بخوبی کھل گیا۔ لیکن کرتل فریدی راہ

”نہاں تھا۔ اس نے حید کو عجیب نظروں سے دیکھا۔“ کیا ہے۔“

بیگم علوی ڈاکٹر کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی اور حید نے تھوڑا

”میں شہر جانا چاہتا ہوں۔“ حید بھنا کر بولا۔

کہاب ڈائینک روم سے نہیں ملے گا۔ فقطاً برآمدے میں قدموں کی آواز سنائی دیا۔“

”دفعہ ہو جاؤ۔“ فریدی نے کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔

حمد نے موقع نتیمت جانا..... کئی دنوں بعد ”دفعہ ہو جاؤ“ کی خونگوار نویدیلی تمیز وہ ڈرائیورگ روم میں آیا۔ ڈاکٹر علوی نے اس سے اس آواز کے بارے میں پوچھا۔ ”پتہ نہیں اور می کے ساتھ کیسا بتاؤ ہوا ہے۔“ حمید نے سکی صورت بنا کر کہا۔ ”دفعہ علوی کے لارے کے نے پوچھا۔“ ڈیڑی یہ وعی کرنل فریڈی تو نہیں ہیں جنہوں میں دینیں کی مشین آندھی کا پتہ لگایا تھا۔“

”ہاں..... وعی ہیں..... اور یہاں کے اسٹنٹ کیپشن حمید۔“ ”اوہ..... اوہ.....!“ لوکا ماضی طرف بانہ انداز میں حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولتا۔ ہر ہیں کو کوارہ ہے تھے اور ان کی تلاشیاں لی جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر علوی کی گاڑی بھی روکائی گئی۔ اس کے پیچے حمید کی جیپ خود بخود رک گئی۔ وہ جیپ سے اتر کر ان لوگوں کی طرف بڑھا۔ ایک بانپکڑ لارکی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ حمید کو قریب دیکھ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

لوکا نٹ کھٹ معلوم ہوتا تھا۔ ویسے حمید نے محosoں کیا کہ اس کی بین اس کی اس؟ ”یوگ مرے ساتھ ہیں۔“ حمید نے کہا۔ کوپنڈیڈیگی سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

”مارے..... بھی.....!“ دفعہ ڈاکٹر علوی چونک کر بولا۔ ”کہیں ہیلی کو پڑنہ چا جائے لی کی طرف بڑھا دیا۔ ہیلی کو پڑ سے وہ اشیش نک آئے تھے۔ اشیش پر ڈاکٹر علوی کی گاڑی موجود تھی۔ ”اوہ..... اچھا.....!“ وہ مسکرا یا۔ ”مجھے بھی صورت جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی۔ کرنل نے وہ جیپ سنبھالی۔ جس سے کچھ دیر پہلے سفر کیا تھا۔

اس نے جیپ اسٹارٹ کی تھی کہ علوی کا لڑکا دوڑا ہوا آیا۔ ”ہم دونوں دوست“ وہ پیچھے ہٹ گیا۔ حمید نے لارکی سے کہا۔ ”چلتے..... کئی خاص بات نہیں ہے۔“ لارکی نے گردن ہلا کر کار اسٹارٹ کی اور حمید اپنی جیپ کی طرف پلٹ آیا۔

لقر بیا دوڑھائی میں چلنے کے بعد پھر پولیس والوں کی بھیز نظر آئی۔ حمید نے سوچا ممکن۔ ”ایو نئی بلد ہو جہاں دس عدد کچلی ہوئی لاشیں پائی گئی تھیں۔“

برُک پر کئی جگہ چاک سے لگائے ہوئے نشانات نظر آرہے تھے۔ ڈاکٹر علوی کی گاڑی رکاوی گئی اور حمید کو پھر دخل اندازی کرنی پڑی۔ وہیں ڈاکٹر علوی کی بیوی نے جلا کر پوچھا۔ ”آخر بات کیا ہے..... اس جگہ تو آتے وقت بھی ہم نے پولیس کی بھیز دیکھی تھی۔ لیکن“ ”اچھا..... اچھا.....!“

”بس ہماری گاڑی کے پیچے پلٹ آئے..... باجی کی ڈرائیورگ بڑی اچھی؟“ لانے ہمیں نہیں روکا تھا۔“

”کوئی خاص بات نہیں بیگم صاحبہ..... گھر جل کر بتاؤں گا۔ میرے دوسرے 34
بیگم علوی نے برا سامنہ بیایا اور لڑکے سے بولی ”تم اپنا چیزیا گھر ہر ایک کو دھاتے
مجھے شام کی چائے پرمدعا کیا ہے۔“
حمدلوا کے کی طرف دیکھ کر سکرایا۔

گازیاں پھر جل پڑیں۔ شہر پہنچ کر حمید اپنی جیپ ان کی گاڑی کے پیچھے ہی لگائے تھے۔
”ہن..... آئیے۔“ بیگم علوی نے کہا اور اس ”ہاں آئیے“ میں حمید بھی تلاش کرتا رہ گیا
تو محفل تبدیلی کے لئے شہر آیا تھا۔ کسی خاص مقصد کے تحت یہ مراجعت نہیں ہوئی تھی۔
جل کس جذبے کے تحت کہا گیا تھا۔ لجہ کچھ عجیب سانگا تھا۔
”وڑائیںگ روم میں آئے۔ لڑکی اندر چلی گئی تھی۔ لڑکا اور بیگم علوی وہیں بیٹھے رہے۔
بیگم علوی نے اس قسم کے سوالات کرنے شروع کئے کہ حمید اکتا گیا۔ پھر اسے چونکا پڑا
”کہیں میں سب سے پہلے آپ کو اپنا چیزیا گھر دکھاؤں گا۔“ لڑکے نے حمید سے کہا۔ رات ہتھ وہ اپنے سوالات کی طرف آرہی تھی جن کے جوابات وہ سب کچھ اس پر منکشف
بیٹھے جو ڈاکٹر علوی سے معلوم کرنا چاہتی تھی۔
”ضرور..... ضرور.....!“

ماں بیٹی بھی گاڑی سے اُتر کر ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔
”آخ رہاری گاڑی کیوں رکوئی تھی۔“ بیگم علوی نے حمید سے پوچھا۔
”پہلی جگہ چھوڑی پہلے میں نے ایک لاش دریافت کی تھی اور دوسری جگہ خود ان لوگوں کیوں ہیں.....!“ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں بیگم علوی سے پوچھا۔
”کچھ لاشیں مل تھیں۔“

”کچھ لاشیں۔“ لڑکی کے لبجھ میں تحریر تھا۔
”پہنچ کیا ہو رہا ہے یہاں.....!“ بیگم علوی نے بھجنگلا کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔
”اچھا ہوا آپ ہمارے ساتھ تھے ورنہ وہ لوگ پہنچ نہیں کس قسم کے سوالات کرتے ہم ہے۔“
”میں نہیں جانتی۔“
”تم نہیں پوچھا۔“
”میں نہیں پوچھا۔“
”میں نہیں سے معلوم تھا کہ اب اس راستے پر مسافروں کو پریشان کیا جائے؟“
”لئے میں ساتھ چلا آیا تھا۔“

”کیا علوی صاحب کو آپ پہلے سے جانتے ہیں۔“
”اچھے آدمیوں کو جانتے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ شناسائی کی مدت طویل ہے۔“
ذراعی سی دیر میں نیزِ سٹ اور ذیزِ سٹ بن جاتے ہیں۔“

”جی..... جی.....!“ حمید ہکلایا۔ ”جو..... آپ مناسب بھیں۔“ اُسے بڑی بی پر رحم

آرہا تھا۔

مذہب کے تحت وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

”نفیات بڑا دلچسپ سمجھا کیتھے ہے۔“ لڑکی کچھ دیر بعد بولی۔

”جی ہاں.....!“ حمید نے بڑے خلوص سے تائید کی۔

”نفیاتی نکتہ نظر سے بتائیے باجی کرمی اور دادی جان کو کیا ہو گیا ہے۔“ لڑکے نے پوچھا۔

”تم بے تکلی باقی نہ کیا کرو۔“

”نفیاتی نکتہ نظر سے آپ کے اس جواب کو کیا کہیں گے۔“

بات آگے بڑھ جاتی لیکن بیگم علوی جلد ہی واپس آگئیں۔

”ہاں تو بیگم صاحبہ کون سی فلم دیکھی جائے۔“ حمید نے ان سے پوچھا۔

”فلم.....بھتی.....اب تو بڑی تھکن محسوس ہونے لگی ہے۔“

”نہیں می دیکھیں گے۔ آپ نے پہلے کیوں کہا تھا۔“ لڑکا بول پڑا۔

بیگم علوی نے اُسے گھوڑ کر دیکھا۔ لیکن وہ اپنی ہی بات پر اڑا رہا۔

”بھتی.....ہم تم چلیں گے۔“ حمید نے اُسے سمجھانا چاہا۔

”تو پھر باجی بھی چلیں گی نفیاتی نکتہ نظر سے۔“

”میں تھپڑ مار دوں گی۔“ لڑکی بھنا گئی۔

”نفیاتی نکتہ نظر سے۔“

”انور.....خاموش ہیں ہو۔“ بیگم علوی نے پھر آنکھیں دکھائیں۔

”بھتی انور میاں.....بس ہم تم چلیں گے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”تو پھر اٹھئے.....کچھ دری گھومن میں پھریں گے۔“

”چٹے نامی.....!“ لڑکی نے کہا۔

”میں نے کہہ دیا کہ میں آج نہیں جا سکتی۔“

”تو آپ بھی چلتے انور میاں کے ساتھ۔“ حمید بولا۔

”نہیں۔“ بیگم علوی کا لبجہ سخت تھا۔ پھر وہ یک بیک زم پر کر بولیں۔ آپ ان دونوں کو

وہ چپ چاپ چل گئیں اور حمید مستقررانہ نظر وہ سے بیگم علوی کی طرف دیکھا۔

”یہ عذاب کافرشتہ ہے، جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔“ بیگم علوی بڑا ایں اور پھر نہیں۔

اپنی ساس کی شان میں قصیدے پڑھنا شروع کئے اور حمید بور ہوتا رہا۔ پھر لڑکی دیکھا۔

چائے کی ٹھالی ٹھکلیتی ہوئی کمرے میں لاریتی تھی۔ بیگم علوی اُس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں

لڑکا بول پڑا۔ ”کیپٹن..... مجھے یہیں کی مشین آندھی کے بارے میں بتائے۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ حمید طویل سانس لے کر بولا اور اسے بتانے لگا کہ انہیں

نے کس طرح اس آندھی پر قابو پایا تھا۔

لڑکی ان کے لئے چائے بناتی رہی۔ وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے حمید کی کہانی سن رہا۔

یوں تو بیگم علوی بھی سر رہی تھی، لیکن اُن کے چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اپنے اُن

پانے پر انہیں کچھ ابھجن ہو رہی ہے۔ حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ ہر ایک کے سامنے مار

روتا لے بیٹھنے کی عادی ہیں۔ ویسے اُسے تو وہ بے چاری بڑی بی سی مظلوم لگی تھیں۔ انہوں

پابندیوں میں زندگی بسر کی ہوگی اس لئے بچوں کی آزادی یعنی طور پر اُن کے لئے تکلف

رہی ہوگی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آدمی کو خود اپنے ہاتھوں لکھنے دکھیلنے پڑتے ہیں۔ اپنے زنا

میں اپنے سے اگلوں کے ظلم و تم سہتا ہے، پھر اپنے بعد والوں کی حرکتیں برداشت کرتا ہے۔

زندگی اسی چکر میں ختم ہو جاتی ہے۔

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔

چیزے ہی یہیں کی کہانی ختم ہوئی اُس نے فریدی اور لومڑی کا ذکر چھیڑ دیا۔

”آپ اسٹڈی کریں اس کیس کو۔“ حمید بولا۔

”بس بس.....!“ بیگم علوی ہاتھ اٹھا کر بولیں۔ ”کان پک گئے۔ نفیات نفیا۔

سن کر۔ یہ کیا اسٹڈی کرے گی۔ اسے آتا جاتا کیا ہے۔“

لڑکی طغیری انداز میں مسکرائی لیکن ماں کی بات کی تردید نہیں کی۔ پھر بیگم علوی

”آپ مگر نہ کہجئے..... ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔“ گھٹہ نہ کرو بولی۔
 ”میں کو دادی جان کی عائد کردہ پابندیاں پسند نہیں اور میں ان کی حد بندیوں سے نفرت
 رہنے ہوں۔ وہ محض اس لئے تیار ہو گئی تھیں کہ مجھے آپ کے ساتھ تھا نہیں بھجننا چاہتی تھیں۔
 ”میں ڈیڑی کے بھی کسی دوست سے بے تکلف نہیں ہو سکیں۔ محض دادی جان کو جلانے کے لئے
 آپ کو اپنا دوست اور سینما چلنے کی تجویر پیش کی۔“
 ”اور اب آپ انہیں جلانا چاہتی ہیں۔“ حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔
 ”یقیناً..... اگر وہ دادی جان کے ساتھ سمجھوتا نہیں کر سکتیں تو پھر میں کیوں کروں انکے ساتھ۔“
 ”مہیر..... بھیر.....!“ انور نے تالیاں بجا میں۔
 ”انور چین سے بیٹھو۔“
 ”ڈیڑی..... بیچارے حق مجھ گوتم بدھ ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کی ماں کا دل دکھے۔
 ”لین می سے بھی روح فتا ہوتی ہے۔“
 ”خدا رحم کرے ڈاکٹر کے حال پر۔“ حمید بولا۔
 ”بلکہ خدا کو میرا یہ مشورہ ہے کہ ایسے ڈرپوک آدمی پیدا کرنا ہی چھوڑ دے جونہ دنیا کے
 کام کے اور نہ دین کے۔“
 ”ارے باپ رے۔“
 ”کیوں؟ آپ کو کیا ہوا؟“
 ”میں اور میرا چیف ہی بھٹلے..... شادی ہی نہیں کی اسی خوف سے۔“
 ”یہ بزدلی کی اسفل ترین قسم ہے۔“
 ”مزیدارے باپ رے..... کیونکہ میں آپ سے ہرگز اس کی وصاحت نہیں چاہوں گا۔“
 ”تفیاتی نقطہ نظر سے..... آپ دونوں واقعی بزدل ہیں۔ اسے مذاق نہ مجھے۔“
 ”باجی خدا کیلئے نفیات نہ چھیڑو۔ ورنہ تفتریخ ہری رہ جائے گی۔“ انور نے بے بسی سے کہا۔
 ”میں اپنے کانوں کے قریب صرف تفریحی گفتگو چاہتا ہوں۔“

کنٹرول نہیں کر سکتیں گے۔ ہر وقت اور ہر جگہ لڑتے رہے ہیں۔“
 ”میں بالکل خاموش رہوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔“ لڑکا بولا۔
 ”بیگم علوی تبدب میں پڑی تھیں۔ آخر طویل سانس لے کر بولیں۔
 ”اچھا تو میں بھی چلتی ہوں۔“
 ”حمد نے بھی طویل سانس لی لیکن کچھ بولا نہیں۔
 ”تو پھر چلتے۔“ لڑکا اٹھتا ہوا بولا۔
 ”ارے تو اتنی جلدی کیوں ہے؟“
 ”پھر وہ یعنیوں ڈرائیگ روم سے چل گئے اور حمید تھا بیٹھا رہا۔
 ”کچھ دیر بعد صرف انور اور اس کی بین گھٹہ اندر سے واپس آئے۔ دونوں ہی مظہر
 نظر آ رہے تھے گھٹہ قریب آ کر آہستہ سے بولی۔ ”جلدی سے نکل چلتے۔“
 ”کیا مطلب.....؟“ حمید نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
 ”وہ کچھ نہ ہے۔ بھائی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ بے
 نے احمقانہ انداز میں شانوں کو جبکش دی اور ان کے پیچے چل پڑا۔ گھٹہ اپنی گاڑی میں بیٹھا
 اور بھائی کو اپنے برادر ہی بھایا تھا۔
 ”حمد جیپ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا۔ انور نے اسے آواز دی۔
 ”ادھر ہی آ جائیے..... اپنی گاڑی میں رہنے دیجئے۔“
 ”حمد جھلاتا ہوا مڑا۔ پیشانی پر شکنیں ڈالے ہوئے ان کی گاڑی کی چھپلی سیٹ پر بیٹھا گا۔
 گھٹہ ان جن اسٹارٹ کر چکی تھی۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔
 ”بیگم صاحبہ نہیں آئیں۔“ حمید کچھ دیر بعد بولا۔
 ”بھی نہیں۔“ گھٹہ بولی۔ ”ان دونوں میں ہٹھن گئی ہے۔ اور اب میں می کو سبق دیا چاہا
 ہوں۔ ان دونوں کو الجھا کر ہم کھک آئے۔
 ”اوہو..... میری کیا پوزیشن ہوگی۔“

”ریا بولے..... پانچ بج رہے ہیں۔“ حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

”ریا علی درجے کا ہوٹل تھا۔ انور اور مجہت یہاں شاہد پہلی بار آئے تھے۔

ہل میں خاصی چھل پہل تھی۔ مجک شو ایک گھنے بعد شروع ہونے والا تھا۔ حمید نے

تباک یہاں کی محلی مشہور ہے۔ بڑی لذیز ڈش تیار کی جاتی ہے۔

مجہت سچھ کھانے پر تباہیں تھی۔ لیکن حمید کے اصرار پر مان گئی۔

ساز ہے چج بجے اٹچ کا پردہ سر کا۔ بازی گر سیاہ سوت میں طبوں خالص دیکی انداز میں

بھکرنا شایدیں کوسلام کرتا نظر آیا۔

بھکل پیش کرنے سے پہلے اس نے ایک مختصری تقریر میں الفاظ کی بازی گری بھی

”میک کہتی ہیں تمہاری باجی..... میری سمجھ میں بھی آج تک نہ آسکا کہ فلموں میں یہی ہو سکتا ہے۔

مچلیاں کھا پکنے کے بعد حمید نے کافی طلب کی۔ کافی دوسرا ویژن سرو کی تھی۔ اس

ٹھرداں اس طرح حمید کے سامنے رکھا تھا کہ حمید کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

ویژن جاپکا تھا اور حمید شکرداں کے اندر پڑے ہوئے چھوٹے سے کارڈ کو گھوڑے جارہا تھا

ہپ سیاہ ملی کی تصویر تھی۔ بلیک فورس کا نشان۔

”آس نے اسے وہیں پڑا رہنے دیا اور خود ہی شکرداں سے شکر نکال نکال کر پیالوں میں

کوشش کرنے لگا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے آج کے اخبار میں ایک مقامی ہوٹل کا اشتہار کیا تھا۔

جب وہ دونوں پوری طرح بازیگر کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس نے شکرداں سے کارڈ

دارکس کی پشت پر نظر ڈالی۔ پنسل سے باریک حروف میں لکھا ہوا تھا۔

”نیل نائیوں والے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کو تھا

مت بچھے۔ آپ کی جیپ تھوڑی دیر بعد یہیں موجود ہے۔“

حمد نے طویل سانس لی اور کارڈ کو جیب میں ڈال کر ساتھیوں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔

لما جاپ تیری میز کے گرد تین آدمی نظر آئے۔ جن کی نایاں نیلے رنگ کی تھیں۔ اُن میں

بُنگری ملکی تھا اور دو مقامی لوگ۔

حمد نے لاپرواں سے شانوں کو جنتش دی اور کھلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”تم گدھے ہو۔“ مجہت بولی۔

”یہ کون سا کومپلکس ہے باجی۔“

”شٹ اپ.....!“

”آپ کہاں چل رہی ہیں باجی.....؟“

”بلیں گھومیں گے پھریں گے۔ فلم ینی تھا دادی نے والی تفریح ہے۔“

”تب تو میں بیکار آیا۔“ انور بولا۔

”آدمی ہو۔۔۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ فلموں میں لوگ کیا دیکھتے ہیں۔“

”فیضیاتی نکتہ نظر سے تمہیں کیا ہو گیا ہے باجی۔“

”میک کہتی ہیں تمہاری باجی..... میری سمجھ میں بھی آج تک نہ آسکا کہ فلموں میں یہی ہو سکتا ہے۔“

”مجھے یہیں اتار دیجئے آپ لوگ..... پیدل گمراہ پس جاؤں گا۔“

”میں رجیع اتار دوں گی۔“

”فیضیاتی نکتہ نظر سے میں چپل اتار لیں گی۔“

حمد نے سوچا کہیں گاڑی کا رخ دوبارہ گھر کی طرف نہ ہو جائے لہذا وہ انور کو بھلانے

کوشش کرنے لگا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے آج کے اخبار میں ایک مقامی ہوٹل کا اشتہار کیا تھا۔

تھا جس میں دہاں کے کسی مجک شو کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

اس نے مجک شو دیکھنے کی تجویز پیش کی۔

”ہاں یہ ممکن ہے۔“ مجہت بولی۔

”پلو یہیں کہی۔“ انور نے کہا۔ ”حالانکہ مجک شو بکواس ہوتے ہیں۔“

”کوئی غیر ملکی بازی گر ہے۔“

”احمق ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔“ انور بولا۔

”کہاں ہے مجک شو.....!“ مجہت نے پوچھا۔

ایک گھنٹے تک بازی گری کے مختلف آئینم چلتے رہے۔ اسکے بعد حمید نے تجویز پڑھ لیا۔ مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا۔“
لوگ اسے ساتھ لئے بغیر گھر واپس جائیں۔ غہت کو یہ تجویز کچھ عجیب سی لگی۔ لیکن جس نہیں کہا کہ ان حالات میں وہ ان کی می کا سامنا نہیں کر سکے گا۔ انور اس کی تائید کرتا ہوا اپنے ان کا بچہ اچھا نہیں تھا۔

”کیا میری گاڑی وہاں سے چل چکی ہے۔“
”دیر ہوئی..... اچھا شے تھیں.....!“ کہہ کر بیگم علوی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔
حمدی ریسور کر کر مڑا تو ایک نیلی نائی والے کو بھی اپنے قریب کھڑا پایا۔ وہ کاؤنٹر کلر کے پوچھ رہا تھا کہ وہاں کے بار میں یور بن کیوں نہیں ملتی۔

جیپ اسے باہر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔

بلیک فورس کی فراہم کی ہوئی اطلاع کا مطلب یہی تھا کہ نیلی نائی والے اس کا تعاقب کرتے رہے ہوں گے اور فورس کا کوئی مجرم خود ان کی گمراہی کرتا رہا ہو گا۔

جیپ میں بیٹھ کر انہیں اشارت کرتے ہوئے اُس نے سوچا اب کسی دوسری لفڑی گاہ کا

وہ دونوں

حمدی نے کچھ دیر بعد پھر کافی طلب کی۔ ویٹر ویں تھا۔ لیکن اس بار شوگر پاٹ میں رُنگ کرنا چاہئے۔

قریب ہی ایک نائٹ کلب تھا۔ حمید نے جیپ اسی کی کپاڈ میں روکی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ پھر کچھ شروع ہو رہا ہے۔ نیڈل کو استعمال کرنے والوں کے ہال میں رقص کی موسيقی گونج رہی تھی اور رقص جوڑے فرش پر ہمکو رے لیتے پھر رہے لامحدود تھے۔ وہ کب اسے گوارا کر سکتے تھے کہ نیڈل ان کے قبضے سے نکل جائے۔ حمید ایک کنارے کھڑا ہو کر پاس پیس میں تمباکو بھرنے لگا۔

ذرا ہی کی دیر میں اُس نے محوس کر لیا کہ وہ لگیرا جا رہا ہے۔ نیلی نائی والے اُس کے خداش کے تحت فریبی نے وہاں بلیک فورس کا جاں بچا دیا تھا۔ اُنکا پاس آ کر اسی طرح رک گئے تھے۔

کافی طلب کر کے حمید نے مل طلب کیا اور ادا ایگی کے بعد اٹھ گیا۔ لیکن باہر جا۔ فون نمبر تلاش کئے۔

تمباکو بھر کر اُس نے پاسکا گیا نہیں بلکہ کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ اب اسے کسی ایسی اتفاق کی تلاش تھی جس کو کسی نے بھی لفڑ نہ دی ہو۔

بلاً خراباً میں جانب کی گلزاری میں ایک یوریشن عورت کھڑی نظر آئی۔

”مجھے بے حد افسوس ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”پچھے گھر پہنچنے کے ہوں گے۔ مجبوراً نہ۔“

فون پر بیگم علوی سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

اتفاق سے دوسری طرف بیگم علوی ہی نے ریسور اٹھایا۔

”شراب کے حوض میں غرق کر سکتا ہوں تمہیں۔“

”میں نہیں ذوب عقی..... تیرنا آتا ہے مجھے۔“

”اچھا زرا تیرتی ہوئی بارٹک چلی چلو..... ورنہ اب خود میں ہی غرق ہو جاؤں گا.....؟“

پھر اس نے حید کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔ لیکن دوسری قدم چلے کے بعد حید کو احصار پہنچا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی پر سینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ بڑی وزنی عورت تھی اور بہت ہوا بولا۔

اسارا بوجید پر ڈال رکھا تھا۔ وہ لٹکھ رہی تھی ہوئی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ حید کو ایسا لگ رہا تھا

خالی کھیم شیم ہونے کی بیانے پر حید ذرا عیسیٰ دیر میں توبہ بول گیا۔ بڑی قوت صرف کمز

ہماری آنکھیں انہیں ہی گھور رہی ہوں۔ وہ اسے سنجھاتا ہوا بار کے کاؤنٹر پر لا یا اور خالی

پڑھی تھی اسے سنجھا لے رکھنے میں۔

”کچھ بولو بھی.....!“ وہ کچھ در بعده اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر منٹا۔

”نہیں.....!“ عورت آنکھیں بھیج کر منٹا۔ ”ذرائی جن! دو بڑے پک۔“

”میں تو اس وقت صرف بھیں کا دودھ پیتا ہوں۔“ حید جلدی سے بولا۔

”عنی عی عی..... تو پھر گاؤ.....!“

”بیوی تھا ہونٹ دانتوں میں دبائے اپنے مقدر کو کوستار ہا۔ شام کا اس سے حماقت عیززاں ان اٹھا کر بولی۔

بڑھنے حید کو الگ بالا کر آہستہ سے کھا۔ ”میں اسے شراب تو دے دوں گا لیکن براو

ہوئی تھی۔ کیونکہ اب تعاقب کرنے والے بھی نظر نہیں آرہے تھے۔

اس نے سوچا اب کیا کیا جائے۔ ہو سکتا ہے فورس بھی چاہتی رہی ہو کہ وہ کھلی سرکل، ہمہاں سے اٹھا لے جائیے گا۔

مارا مارا پھرے اور تعاقب کرنے والوں پر نظر رکھی جاسکے۔

”شام تہاری طبیعت تھیک نہیں ہے.....!“ حید نے اپنی ہم رقص سے کہا۔

”میں بالکل ڈرائی جن ہو رہی ہوں..... ہشاش بنشاش.....!“

”اب تم گروگی..... چلو اپنی میز پر۔“

”میری کوئی میز نہیں ہے۔ میں..... میں نہیں جانتی..... میں کچھ نہیں جانتی..... جلا باکٹری فری بزم عطا ہوا بولا، جو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔

”آپ دنوں پکوں پر پیے نہ ضائع کیجھ۔“ اس نے مشورہ دیا۔ ”میں اسے باتوں میں لگاتا چاہو لے چلو۔“

”میری بھی کوئی میز نہیں ہے..... اچھا چلو میں تمہیں اور پاؤں۔“ حید نے کہا۔ ”آپ چپ چاپ نکل جائیے۔ اسکے بعد شام کا آج یعنی اس کا داخلہ منوع قرار دے دیا جائے۔“

بڑوہ گورت کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس سے ڈرائی جن کے علاوہ اور کسی قسم کی شراب

میں پوچھنے لگا۔

”پاؤ گے؟“ اس نے دانت نکال دیئے۔

عمر چالیس پینتالیس سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ حید اس کی طرف بڑھا اور ترپے جا کر بڑے ادب سے رقص کے لئے درخواست کی۔ اس نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ عجیب انداز میں سکرا۔ حید فوری طور پر اس مسکراہٹ کو کوئی معنی نہ پہنان سکا۔

پھر اس نے حید کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔ لیکن دوسری قدم چلے کے بعد حید کو احصار ہوا کہ اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ وہ تو بڑی طرح نش میں دھت تھی۔

اسارا بوجید پر ڈال رکھا تھا۔ وہ لٹکھ رہی تھی ہوئی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ حید کو ایسا لگ رہا تھا خالی کھیم شیم ہونے کی بیانے پر حید ذرا عیسیٰ دیر میں توبہ بول گیا۔ بڑی قوت صرف کمز ہماری آنکھیں انہیں ہی گھور رہی ہوں۔ وہ اسے سنجھاتا ہوا بار کے کاؤنٹر پر لا یا اور خالی پڑھی تھی اسے سنجھا لے رکھنے میں۔

”کچھ بولو بھی.....!“ وہ کچھ در بعده اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر منٹا۔ ”میں صرف گانا جانتا ہوں۔“

”عنی عی عی..... تو پھر گاؤ.....!“

”بڑھنے حید کو کوستار ہا۔ شام کا اس سے حماقت عیززاں ان اٹھا کر بولی۔“

”شام تہاری طبیعت تھیک نہیں ہے.....!“ حید نے اپنی ہم رقص سے کہا۔

”میں بالکل ڈرائی جن ہو رہی ہوں..... ہشاش بنشاش.....!“

”اب تم گروگی..... چلو اپنی میز پر۔“

”میری کوئی میز نہیں ہے۔ میں..... میں نہیں جانتی..... میں کچھ نہیں جانتی..... جلا باکٹری فری بزم عطا ہوا بولا، جو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔

”آپ چلو میں پوچھنے لگا۔

”پاؤ گے؟“ اس نے دانت نکال دیئے۔

”نہیں..... وہی چاہئے۔“

”ڈرائی جن تو ختم ہو چکی ہے۔“

حمدی نے اس سے آگے سننے کی کوشش نہیں کی۔ ایسے پاؤں کھلکھلا ہوا گلیری تک آیا۔

جو وہاں سے بھاگا ہے تو پلٹ کرنہیں دیکھا۔

اس کی جیپ ایک بار پھر شہر کے بازاروں میں چکراتی پھر رعنی تھی۔ ایک تباہ کوڑہ۔

دکان کے سامنے اس نے گاڑی روک کر جیپ سے پاپ نکالا اور اسے سلاک کر بیچنے آئی۔

دکان میں پہنچ کر پنس ہتری کا ڈبہ طلب کیا۔ یہاں رکنے کا مقصد اس کے علاوہ اونچے۔

الیک کے علاوہ اور سب کو جانے کا اشارہ کیا۔ پانچوں دلیک کمرے سے چلے گئے۔

پہنچ دوسرے غیر ملکی کو گھوستارہا۔ وہ کچھ بولکھلایا ہوا سانظر آنے لگا تھا۔

رکی تھی۔ لیکن اس پر سے کوئی اُتر انہیں تھا۔ گاڑی کسی قدر اندر ہی مرے میں تھی اس لئے اندر بی۔

والے بھی نہ دکھائی دیئے۔

ڈبہ خرید کر وہ پھر جیپ میں آبیٹھا اور عقب نما آئینے میں کالی گاڑی پر نظر جائے۔

انجمن اسٹارٹ کیا۔ جیپ بھلکے کے ساتھ آگے بڑھی۔ حمدی کی توجہ عقب نما آئینے کی طرف ہے۔

اس نے کالی گاڑی کو حرکت کرتے دیکھا۔ وہ اسی کے پیچھے آ رہی تھی۔ دھننا حمدی۔

”تھاں اطمینان کیونکر ہوا کہ ڈاچ دے کر نکل آئے ہو۔“

وقت نشیل کے بنگلے کی طرف چل دینے کی سوچ گئی ورنہ پہلے تو اس نے سوچا تھا کہ۔

”بب..... بب.....!“

رات شہری میں گزارے گا۔



”..... دیکھئے مشر پندو۔“ سفید فام ترشی سے بولا۔ ”اس سے پہلے گراہم ہمارا چیف

بلجن اسکے بھی مجھ سے ایسے بچھے میں نہ تکنوں کی۔“

پندو کے ہوتوں پر خفیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور آنکھیں وحشیانہ انداز میں چکنے لگیں۔

ہمروہ کسی ساپ کی طرح بھمھکارا۔ ”بچھے تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

ولیم پندو اُن کے درمیان ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ سب اس کے زر خرید غلام ہل جاؤ۔

اس کے سامنے قطار باندھ کھڑے تھے۔

وہ تعداد میں چھ تھے اور سکھوں نے نیلی تائیاں باندھ رکھی تھیں۔

”لٹن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔“

”تمب آؤ.....!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔

اور وہ کسی سحر زدہ آدمی کی طرح آہتہ آہتہ پنڈو کی طرف بڑھنے لگا اور جیسے ہے پنڈو آنکھوں میں ستارے ناچتے چلے گئے۔ پنڈو کا بھرپور ہاتھ اس کی پیشانی پر پڑا تھا۔ دین کمزرا سگریٹ کے گھرے گھرے کش لیتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئی۔ اس نے لباس بھی تبدیل کیا تھا اور میک اپ بھی کیا تھا۔ لیکن طرح اچھل کر دور جا گرا جیسے کارک کا مجسم رہا ہو۔

”یہ فرق ہے مجھ میں اور کرٹل گرائم میں۔“ پنڈو کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ مارکمن آنکھوں کے اضحاکال سے پچھا نہ چھڑا اسکی تھی۔ فرش پر چلتا ہے انداز میں پلکش جھپکائے جا رہا تھا جیسے وہ نہ صرف بیٹائی سے خوبی پنڈو اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”چند ہی دنوں میں مجھے برداشت کرنے کی ہو۔ بلکہ سوچنے کی صلاحیت بھی کوئی بیٹھا ہو۔“

یک بیک پیکسی کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار نظر آئے۔ ”دیکھو میں پھر کہتی ہوں کہ تم مجھے مردوب نہیں کر سکتے۔ ہوریس بھی کسی گرجے سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔“

”ایسی ہی عورتیں پسند ہیں مجھ کو.....!“ پنڈو مسکرا یا۔ ”اگر تم دس لاشیں دیکھ کر بے ہوش ہو جاتی تو میں تمہیں بھی دیں چھینک آتا۔“

پیکسی نے اس سامنہ بنا کر شانوں کو جبڑ دی۔

”چلو شہر دیکھ آئیں۔“

پیکسی کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسے گھوڑتا ہوا اس کے پیچھے جمل رہا۔ رہداری میں ایک جگہ وہ رک گیا اور پیکسی کو بھی رکنے کو کہا۔

بانیں جانب سوچ بورڈ پر ایک پیش سوچ کا بٹن دبایا۔ رہداری کے فرش کا ایک بلاک انداگ سے سرک گیا۔ خلاء میں ایک فٹ نیچے سڑھاں نظر آئیں۔

پنڈو نے فرش پر ظاہر ہونے والے خلاء کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”چلو.....!“

پیکسی نے اسکی نظروں سے دیکھا جیسے جتنا چاہتی ہو کہ نہ تو وہ اس سے خوفزدہ ہے اور نہ ایسے مدرس اسرا ر حلالات کی پرواہ کرتی ہے۔ پھر وہ خلاء میں اترنی چل گئی۔ پنڈو اس کے پیچے سڑھاں طے کر رہا تھا۔ سڑھوں کے اختام پر رک کر اس نے بائیں جانب والے سوچ کا بھرپور ایک سوچ کو چھڑرا اور اپر سے سر کا ہوا بلاک پھر اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ یہاں روشنی ”پیکسی.....!“



اسی عمارت کے ایک کرے میں پیکسی آرام کری میں نیم دراز..... ویرانہ آنکھوں سے چھت کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقت تھے اور اس کھل..... ایسا لگتا تھا جیسے برسوں سے بیمار ہو۔ فتحا پنڈو کرے میں داخل ہوا اور دو بالا اٹھ گئی۔

”تم نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا.....؟“ وہ غریبا۔

”مم..... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہو جائے گی۔“

”خدا کے لئے مجھے واپس بھجوادو۔“

”خدا ہی چاہے گا تو واپسی بھی ہو جائے گی۔“

”میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔“

”پیکسی.....!“

پہنچ 34

”بھی سے مخاطر رہتا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”میں کسی وقت بھی تمہیں قتل کر سکتی ہوں۔“

پندو نے فقیرہ لگایا۔ طویل قہقہہ جو اس تہہ خانے کی محمودی فضائیں بڑا بھی ایک لگ رہا تھا۔

”بیکی تی کھڑی اُسے گھورتی رہی۔“

”آؤ.....!“ وہ بلا خراس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔

”ایک سرگ سے گزرتے ہوئے کسی دوسری عمارت میں پہنچ۔ یہاں ایک دراز قد

”بریکی نے اس کا استقبال کیا۔ لیکن وہ کچھ تحریر سانظر آ رہا تھا۔“

”یہ گھوون کا فارم ہے اور کچھ نہیں.....!“ پندو اُسے گھورتا ہوا غریبا۔

”میں نہیں سمجھا چیف.....!“ دوسرے غیرملکی کے لجھ میں تحریر تھا۔

”جیرالڈ نے مجھے اطلاع دی تھی کہ کرٹل فریڈی کا اسنٹھ شہر میں دکھائی دیا ہے۔ میں

”نہ کہا اُسے گھرنے کی کوشش کرو۔ کسی گھنٹے ضائع کرنے کے بعد کچھ دیر ہوئی وہ اپس آ کر

”بیکی نے بھر قہقہہ لگایا۔ پندو کے چہرے سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اپنے خشم

”ٹاع دی کر اس کا بھی تعاقب کیا جا رہا تھا۔ لہذا وہ اپنے آدمیوں سمیت واپس آ گیا۔“

”دراز قد غیرملکی نے پر تشویش انداز میں سر کو بنیش دی۔“

”اس عمارت سے سب کچھ یہاں منتقل کر دو۔ لاشیں وہیں چھوڑ دینا۔“

”لاشیں.....؟“ ”دراز قد غیرملکی اچھل پڑا۔“

”وہ جیرالڈ سمیت تن تھے جنہوں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔“

”جج.....جیرالڈ.....!“

”جیرالڈ اور دو مقامی آدمیوں کی لاشیں وہیں پڑی رہنے دیتا۔“ پندو نے اس طرح کہا

”بیکی لاشیں غیر ضروری سامان کی حیثیت رکھتی ہوں۔“

”آپ نےنج.....جیرالڈ کو مار دالا۔“

”غیر ضروری باقی نہیں.....!“ پندو رہا تھا کہ سرد لجھ میں بولا۔

256

”بھی ہو گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے دو تین فٹ کے فاصلے پر خاموش کھڑے تھے۔“

”دھنٹا پندو بولا“ مجھے ہر اس عورت سے محبت ہو جاتی ہے جس پر کوئی قتل کر دینے کا نہ نظر پڑے۔“

”اور میں ہر اس مرد پر تھوک دیتی ہوں جو اس طرح مرد اگی جاتا ہے۔“

”پیکی.....!“

”ہاں میں جانتی ہوں کہ تم بے حد کمزور آ دی ہو..... اتنے کمزور کہ خود پر قابو نہ پا سکتا کر دیتے ہو۔“

”پیکی.....!“

”بیکی خس پڑی اور بولی۔ ”قتل کر دو مجھے۔ لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ اگر تم جیسا ہاؤ پانے میں کامیاب ہو گئی تو بقیہ زندگی آرام سے گزرا جائے گی۔“

”اوہ.....!“

”بیکی نے بھر قہقہہ لگایا۔ پندو کے چہرے سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اپنے خشم قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔“

”محبوبی ہے۔“ وہ بھرا کی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا۔“

”کیوں.....کیسی محبوبی؟“

”جب تک کوئی دوسری عورت نہ مل جائے میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا اور ویے بھی۔“

”مجھے ذرا رہا تھا روک کر کام کرنا ہے۔ کیونکہ مجھے کچھ گھوون کا انچارج بنا یا گیا ہے۔ مجھے دلا انسچارج ان گھوون سے بھی زیادہ بڑا گدھا تھا۔“

”یہاں کیا کر رہے ہو تم لوگ.....؟“

”تم مجھے اسمبل کر کے یہاں لائی ہو۔ لہذا تم ہی بتاؤ کہ مجھے یہاں کیا کرنا چاہئے۔“

”خبر نہ بتاؤ..... مجھے اس کی بھی فکر نہیں۔“

”میں نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ تم کس حد تک میرا ساتھ دے سکتی ہو۔“

”میں کچھ ضروری باتیں بھی گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔“ دراز قد آدمی کا لیج کرنے پڑا اسے اپنے اوپر بے تھا شر غصہ آیا۔ آخر اس طرح نکل بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی بھی پہنچائی ہوئی اطلاع کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ گوشہ عافیت کا رخ کرتا۔ کم از کم

”کوئی.....!“ پندو کری کی طرف اشارہ کر کے بولا اور خود دوسرا کری پر بینچے گیارہ پیکی کھڑی رہی۔ اس نے اس سے بینچے کو بھی نہ کہا۔

پہنچائی چاہئے تھا کہ وہ لوگ تعاقب کس مقصد کے تحت کر رہے تھے۔

یہیں کیا جائے گا۔ اس نے گازی پھر شہر کی طرف موڑ دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سیدھے دراز قد کا پتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آپ آج یہی آئے ہیں، حالات کا جائزہ میں ہی پہنچا چاہئے۔ اگر یہ معاملہ نہ سُدھا ہی سے تعلق رکھتا ہے تو پہنچا ہی پڑے گا۔“

ایک دم سے سر پر چھپلی سوار ہو گئی۔ لفظ ”پہنچا“ اس طرح ذہن میں آیا تھا جیسے وہ ذاتی لے پائے ہوں گے۔

”اچھا تو پھر.....؟“

”فریدی اور اس کے آدمی خطرناک لوگ ہیں۔ صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ ذہن بھر کی مبرکی نظر میں آپکے ہیں۔“

”ہوں..... تو پھر.....؟“

”پہلے حالات کو کچھ لجئے۔“

”وہ امار شہر کی طرف بڑھتا رہا۔ ان دونوں اس کے ذہن کی عجیب حالت تھی۔ وہ ہمہ جتنی نیجیلی چارے کا قائل نہیں رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح ساری دنیا کی رنگ دار میں صرف قتل کرنے آیا ہوں۔“ پندو میر پر گھونسہ مار کر بولا۔ ”حالات سے مجھے کام ہو کر سفید اقوام کے چیخڑے اڑا دیں..... یہی وجہ تھی کہ وہ نہ سُدھا وائے معاملے کو سرو کار نہیں۔“

”اس طرح تو آپ ہم سب کو خطرے میں ڈال دیں گے۔“

”بلونک کی طرح اڑی جا رہی تھی۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور پیکی کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا۔ پھر وہ ریالٹو کے سامنے ہی جا کر رکا اور گازی سے اترتے اترتے تو میں جذبات کو خفف بولا۔ ”میں کچھ دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں۔“ تمہیں اس عمارت کو اس جگہ سے بے تعلق کرنا ملا گا۔ کیونکہ ایک سفید فام عورت سے نظریں چار ہوئی تھیں۔ عورت حمید کو دلکش لگی تھی۔

منہ سوچا ساری دنیا کی خور تیں ایک ہی قوم ہیں اور اس قومیت میں رنگ نسل کو دخل نہیں ہے اور بس.....!“

بلونک اس کے ساتھی کو دیکھنے لگا۔

”بخاری بھر کم اور چوڑے شانوں والا تھا۔ اس سے نظر ملتے ہی خواہ خواہ حمید کو احساس الجدید اس کو چیخت کر رہا ہو۔ غیر ارادی طور پر حمید نے کسی بلا کے مرغ کی طرح گردن اکڑا۔“

”ذوں ہی ایک دوسرے کو گھوڑتے ہوئے کچھ دور چلے پھر وہ اپنی ساتھی کی کسی بات پر

حید نے کچھ دور جانے کے بعد محسوس کیا کہ اب اس کے پیچھے اور کوئی گازی نہیں۔ فوجوں ایسا وہ لوگ آگے پیچھے ہاں میں داخل ہوئے۔ اب یہاں فلو رو ہو رہا تھا۔

ایدنے اس جوڑے کے قریب ہی والی ایک میر مفتخت کی۔ عورت کا انداز حمید کو کچھ غیر اپنی جیپ ایک طرف روک کر وہ پیچھے مڑا۔ دور تک سڑک تاریک پڑی تھی۔

نطری سالگ رہا تھا۔ مرد رقص کی طرف متوجہ تھا۔

فاختا حمید نے دیکھا کہ عورت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ہے۔

”میں شاہی ہے۔“

”لیکن.....!“ حمید میوزک کی طرف توجہ مبذول کرتا ہوا بولا۔ ”ہاں..... ہے تو.....!“

”لیکن کی آواز کا ان کے ذہن پر خاص اثر ہوتا ہے۔“

”کوئی ٹریجڈی۔“

”ہاں..... ان کا ایک آرٹسٹ دوست و ایکن بجا تے بجا تے مر گیا تھا۔“

عورت اب بھی روئے جاری تھی۔

حمید نے اس کے ساتھی کے رویے کو بڑی حرمت سے دیکھا۔ ایسا لگتا تھا مجھے اس عورت کے ذہن کو بھتنا بہت مشکل ہے۔“ حمید نے مٹھنی سانس لے کر کہا۔

اس کی پرواد ہو اور نہ اس کی فکر کر اس مجھ میں لوگ اس کے بارے میں کیا سمجھیں گے۔ عورت نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔ آنسوؤں سے بھری ہو بڑی آنکھیں عجیب سی دلکشی کی حامل نظر آری تھیں۔ حمید اس تاثر کو فوری طور پر الفاظ وہ برادر منہ ڈھانپے روئے جاری تھی۔

فاختا حمید اپنی جگہ سے اخنا اور ان کی میز کے قریب پہنچ کر بڑے ادب سے بجا لا، لکھا۔ پھر اس نے رومال سے آنسو خٹک کر ڈالے اور حمید عین کو گھوڑتی رہی۔

زم لجھ میں بولا۔ ”خاتون..... آپ کو کیا تکلیف ہے۔“

اس کا ساتھی ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

حمدید بڑے خوبصورت اشناک میں اس کی طرف مڑا تھا۔

”جناب..... آپ ہمارے مہمان ہیں۔“

”تو پھر.....!“

”میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں..... اگر خاتون کسی تکلیف میں ہلاہ۔“ ہال دو محبت کرنے والوں کی قبریں۔ جن کے گیت گھر گھر گائے جاتے ہیں۔“

ان کے لئے ڈاکٹر لاوس۔“

فاختا حمید نے اس کے ہونٹوں پر خفیہ سی مسکراہٹ دیکھی، خطوط کا تیحاباں تھا۔ ”ہماری قوم کے پاگل پن کی تاریخ پوشیدہ ہے ان قبروں میں۔“

”لئے نہیں سمجھا۔“ مرد نے متبرہ انداز میں پلکن جھپکا میں۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے.....!“ وہ قریب کی کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”ہماری قوم محبت کرنے والوں کو مار ڈالتی ہے..... دفن کر دیتی ہے۔ پھر ان کے

حمدید اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

”انہیں کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔“ عورت کے ساتھی نے کہا۔ ”یہاں آرکٹنڈا نہیں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“
”ہے ناپاکل پن۔“
”باکل....!“



کرل فریدی نے گھری پر نظر ڈالی۔ رات کے گیارہ نج رہے تھے۔ ٹھیک گیارہ نج کر

کرتے۔ گیتوں اور کہانیوں کا موضوع نہیں سکتے۔ جی بھلانے کے لئے اور خواب پاکھنے پر وہ ٹرانسیمیر کے ذریعے پیغام رسائی کیا کرتا تھا۔ اس نے ٹرانسیمیر کا سوچ آن کر دیا جیسے ہی بڑی سوئی پانچ پر پہنچی ٹرانسیمیر سے آواز کے لئے کہانیاں بھی تو قومی ضروریات میں شامل ہیں۔“

”بیکھدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا پہنچا،“ ہارڈ اسٹون۔ ”ہارڈ اسٹون۔“ فریدی بولا۔

”خدا نے میری قوم پر صرف خندنا پانی اتنا را ہے۔“

”تو تم بھی قوم پرست ہو۔“

”بڑے خر کے ساتھ۔“ حمید نے گردن اکڑائی۔

اس نے ویٹر سے رائی کی اور شام جین لانے کو کہا۔

”میں بھی پیوں گی۔“ عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”تمہاری قوم پر تو خدا نے خندنا پانی نہیں اتنا۔“ وہ مضختاہ انداز میں ہنسا۔ وہ کچھ بولنا شاید۔

پھر وہ حمید سے بولا۔ ”پھر یہاں بیکار بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنی میز پر جاؤ۔“

”سری طرف سے بولنے والے کو متوجہ کر کے کہا۔“ ہیلو۔ بلیک۔“

عورت نے مرد کو گھوڑ کر دیکھا اور پھر حمید سے بولی۔ ”نہیں تم نہیں بیٹھو گے۔“

”وتنی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔“

مرد نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں اس وقت

جن بے کی جھلکیاں تھیں، حمید صحیح طور پر اندازہ نہ کر سکا۔

شراب آئی، وہ دونوں پیتے رہے اور حمید پاپ کے کش لیتا رہا۔ اس نے اپنے

طلب کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اس کی آنکھیں تواب ویٹر کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے کچھ دیر پہلے اس کے بلکہ

پیغام پہنچایا تھا۔

کرل فریدی نے گھری پر نظر ڈالی۔ رات کے گیارہ نج رہے تھے۔ ٹھیک گیارہ نج کر

کرتے۔ گیتوں اور کہانیوں کا موضوع نہیں سکتے۔ جی بھلانے کے لئے اور خواب پاکھنے پر وہ ٹرانسیمیر کے ذریعے پیغام رسائی کیا کرتا تھا۔ اس نے ٹرانسیمیر کا سوچ آن کر دیا جیسے ہی بڑی سوئی پانچ پر پہنچی ٹرانسیمیر سے آواز کے لئے کہانیاں بھی تو قومی ضروریات میں شامل ہیں۔“

”بیکھدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا پہنچا،“ ہارڈ اسٹون۔ ”ہارڈ اسٹون۔“ فریدی بولا۔

”خدا نے میری قوم پر صرف خندنا پانی اتنا را ہے۔“

”تو تم بھی قوم پرست ہو۔“

”کوڈ ٹھرمی سیوں سر.....!“ آواز آئی۔ ”اث از بلیک۔“

فریدی نے کاغذ اور پنسلٹھمال لئے۔ پھر دوسرا طرف سے کوڈ ورڈ میں کوئی پیغام سنائی

دیتا رہا اور فریدی کی پنچل تیزی سے کاغذ پر چلتی رہی۔

”اوور اینڈ آل.....!“ کچھ دیر بعد دوسرا طرف سے آواز آئی۔

فریدی بولا۔ ”جواب کا انتظار کرو۔“

اس کے بعد اس نے پھر کچھ لکھنا شروع کیا اور پھر دو ہی منٹ گزرے تھے کہ اس نے

پھر وہ حمید سے بولا۔ ”پھر یہاں بیکار بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنی میز پر جاؤ۔“

”سری طرف سے بولنے والے کو متوجہ کر کے کہا۔“ ہیلو۔ بلیک۔“

دوسرا طرف سے جواب مل جانے پر بولا۔ ”معلوم کر کے مطلع کرو کہ وہ پھر کیوں واپس

چلا گیا اور اس سے کہو کہ وہ دوسرا ہدایات پہنچنے تک کسی ہوٹل میں قیام کرے۔ اور اینڈ آل۔“

مرد نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں اس وقت

جن بے کی جھلکیاں تھیں، حمید صحیح طور پر اندازہ نہ کر سکا۔

شراب آئی، وہ دونوں پیتے رہے اور حمید پاپ کے کش لیتا رہا۔ اس نے اپنے

طلب کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اس کی آنکھیں تواب ویٹر کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے کچھ دیر پہلے اس کے بلکہ

پیغام پہنچایا تھا۔

ٹنڈل کی سیکریٹری ریکا بھی یہیں رکھی گئی تھی اور پہلے ہی کی طرح ٹنڈل کی سیکریٹری کے

ڈافٹ انعام دے رہی تھی۔

فریدی اس کمرے کی طرف بڑا جس میں بیٹھ کر کام کرتا تھا، ریکا وہاں موجود تھا۔
کے چہرے پر افسردگی تھی اور آنکھیں دیران ویران نظر آر رہی تھیں۔

”اوہ..... تم.....!“ فریدی دروازے ہی میں رک گیا۔

”میں پوچھنے آئی ہوں کہ تم یہ کیا کر رہے ہو۔“

”میں نہیں سمجھتا۔“

”تم نے اس سے کہا ہے کہ اس کا وہ مرض قابل علاج ہے۔“

”ہاں..... ہاں.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”مشرقی طب بعض اوقات ناممکنات۔ اُن توجہ ہو گیا جس پر شستے کے کچھ آلات رکھے ہوئے تھے۔

ٹکڑا جاتا ہے۔“

”میں جانتی ہوں..... لیکن تمہیں اس سے کیا فائدہ۔“

”ارے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا ہے۔“

”کیا سمجھوتہ۔“

”وہ اسی شرط پر بگاڑی ہوئی شخصیتیں درست کر دینے پر آمادہ ہوا ہے کہ میں اُس کے
مرض کا علاج کر دوں۔“

”تم کرو گے علاج۔“

”ہاں..... کیوں نہیں۔“

”تب شاند بھٹے خود کشی کرنی پڑے۔“ وہ دیران ویران آنکھوں سے خلاء میں گھولنا ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی خیال میں ڈوب کر اپنے آس پاس سے بے بخیر ہو گئی ہوئی بولی۔

”کیوں.....؟“ فریدی کے لمحے میں تحریر تھا۔

”مجھے اُس کی بے بسی سے پیار ہے۔ مجھے اس سے شدید ترین نفرت ہو جائے گی اگر اس ہاں کوچھ چیزے معلوم ہوتے ہیں۔“

”اوہ.....!“ وہ چوک چوک پڑی۔

”لیا میں خل ہو رہا ہوں محترم۔“

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ عورت نے لاپرواںی سے کہا اور پھر شراب کی چسکیاں

”تم بھی کسی معافی کے لئے مسئلہ بن سکتی ہو۔“ فریدی کے لمحے میں حرمت برقرار رہی۔

”میں تم سے استدعا کرتی ہوں کہ تم ایمانہ کرو۔“

”کیوں.....؟“ اس نے انگلش روں پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”میری ہتھیلی میں چھپی تھی۔“

”تم کیا پیو گے جیری۔“ عورت کے ساتھی نے نووارد سے پوچھا۔

فعتاً حمید کری کی پشت سے نکل گیا۔ اس نے محosoں کیا جیسے یک بیک اُس کے ہاتھ پر میں زمیلے پڑ گئے ہوں اور ریڑھ کی بڑی کو سیدھا رکھنا اس کے بس سے باہر ہو اور ذرا منی سی دیر میں پہنچا۔

پہنچا ہو گیا کہ وہ دیکھنے اور سننے کے علاوہ اور کسی قسم کی حس خود میں نہیں پار ہا تھا۔

فعتاً نووارد نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ”کیوں دوست کیا نشر ہو گیا ہے۔“

حمدی نے کچھ کہتا چاہا لیکن زبان نے جنبش بھی نہ کی۔ ریڑھ کی بڑی سے عجیب قسم کی سنسنی پرے جسم میں منتشر ہو کر قوتِ ارادی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

وہ کسی بے بُل چوپائے کی طرح پلٹکیں بچپکا تار ہا۔

عورت بھی اُسے تحریرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”جنمیں کیا ہو گیا.....؟“ بلا خراس نے بھی پوچھا۔

”بعض لوگ کافی پی کر بھی مدھوش ہو جاتے ہیں۔“ اس کے ساتھی کی مسکراہٹ حمید کو اپنی نہ لگی۔ لیکن خود میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اس ناپسندادہ مسکراہٹ کا جواب دے سکے۔

”ہم کب تک یہاں ہیٹھے، ہیں گے۔“ فعتاً مرد نے عورت سے کہا اور عورت نے لپواؤ سے شانوں کو جنبش دی۔

حمدی سوچ رہا تھا دیکھیں اپنا کیا حشر ہو؟ کیا مدد اپنے ہے، ہیں چھوڑ کر جائیں گے یا.....؟“ یا!

کے ساتھ اسے نووارد کی انگلشتری کی جھین یاد آئی۔ تو کیا.....؟ کیا..... وہ پھنس گیا ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ ریائٹھ میں بلیک فورس کا کوئی ممبر بھی موجود ہے۔ مطلب ہو گیا۔

بڑی عجیب بات تھی۔ وہ سوچ سکتا تھا۔ اس کی یاد داشت۔ اُر تھی۔ صرف جسم شل ہو کر رہا گا تھا۔ ایسا محosoں ہوتا تھا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہ رہے۔

اس نے دیکھا کہ نووارد اور عورت کا ساتھی ایک دوسرے اُر تھے نظروں سے دیکھ رہے

لینے لگی۔

مرد جلد ہی واپس آگیا۔ اب حمید نے اس کی طرف دیکھا نک نہیں۔ بدستورِ اورت سے باتمیں کئے چلا گیا۔ وہ اسے ارد گرد کے دوسرے خوبصورت علاقوں کے بارے میں تماہی اور وہ بھی اسی طرح سن رہی تھی جیسے ایک ایک لفڑا، ہن، نشن کر لینا پاہتی ہو۔

فعتاً مرد میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

”مجھے ایسی اکتادیے والی باتوں سے دیکھی نہیں۔“

”اپنے کان بند کرلو۔“ عورت کے لجھے میں لاپرواں تھی۔

”پسکی.....!“

”بور مت کرو۔“

حمدی نے محosoں کیا کہ وہ اندر ہی اندر بُری طرح بیچ دتاب کھا رہا ہے۔ اس نے ہونٹ سختی سے دانتوں میں دبایا تھا اور مٹھیاں بھیجن لی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت ایک دراز قید سفید فامِ انجنی ان کی میز کے قریب آیا۔

”کیوں.....؟“ مرد اس کی طرف دیکھ کر غرایا۔

اور وہ سر ہلاتا ہوا چوتھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ حمید کے مقابل تھا۔

”یہ شریف آدمی ابھی ابھی ہمارا دوست بنا ہے۔“ اس نے حمید کی طرف اشارہ کی نووارد سے کہا۔

”خوب.....!“ نووارد مسکرا یا۔

”میرا نام زینو ہے.....ڈاکٹر زینو.....!“ حمید موڈ میں آ کر چکا۔

”میں وُسن ہوں..... جیری وُسن.....!“ نووارد نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

حمدی اس سے مصافحہ کر کے اپنی داہنی ہتھیلی سہلانے لگا۔ نووارد کے دائیے ہاتھ پڑی۔ وہ کئی انگلشتریاں پہنچنے ہوئے تھا۔

”تمہاری کسی انگلشتری کا جوز کھل گیا ہے۔“ حمید نے اس سے کہا۔

ہیں۔ ویٹر کو مل ادا کرنے کے بعد وہ انٹھ کھڑے ہوئے۔

”چلو اٹھاؤ.....!“ عورت کے ساتھی نے حمید کے باکیں پہلو پر بیچتے ہوئے نووارد سے کہا
”دونوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھایا۔ ہال کے دوسرا سے لوگ ان کی طرف
ستوجہ ہو گئے۔ عورت کا ساتھی بے آواز بلند کہہ رہا تھا۔ ”اپنی قوت کا اندازہ کئے بغیر پیچے پڑے
جاتے ہیں یہ لوگ۔“

حمدیکی دونوں ٹانگیں گویا فرش پر گھست رہی تھیں۔ وہ لوگ اپنی قوت سے اسے اٹھائے
ہوئے تھے۔ اسے غیر ملکی کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ دراز قد اجنبی ان کی گاڑی میں
نہیں بیٹھا تھا۔

لبی سی گاڑی، جھٹکے کے ساتھ سڑک پر اترنی چلی گئی۔ حمید بے حس و حرکت پچھلی سیٹ پر
پڑا ہوا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق اس سفر کا اختتام پندرہ منٹ بعد ہو گیا۔

گاڑی رکتے ہی حمید نے کسی اور گاڑی کے رکنے کی آواز بھی سنی۔

پھر وہی دراز قد اجنبی دروازہ کھولتا ہوا نظر آیا جس نے اسے گاڑی میں بٹھایا تھا۔

دونوں نے مل کر حمید کو گاڑی سے نکالا اور ایک عمارت کی طرف لے چلے۔ عورت ان
کے پیچے چل رہی تھی۔

حمدید کا ذہن دھواں ہوا۔ بس ان کے ساتھ گھشتا جارہا تھا۔ نہ حال کی بزر
تھی اور نہ مستقبل کی فکر۔ وہ اسے ایک بڑے کمرے میں لائے جہاں بہت ہی عمدہ قسم کا فرنچ
سلیقے سے رکھا گیا تھا۔ حمید کو ایک صوفے پر ڈال دیا گیا۔

عورت کا ساتھی اسے فتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”وہ پوری طرح ہوشیار ہیں۔“ دراز قد آدمی بولا۔

”کیوں.....؟“ عورت کا ساتھی چوک کر اسے گھورنے لگا۔

”کسی نے تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے فائر کر کے ٹاٹر چھاڑ دیا تھا دوسرا
گاڑی کا..... وہ رک گئے تھے۔ پھر یہاں تک کوئی دوسرا گاڑی نہیں دکھائی دی۔“

”ہوں.....!“ عورت کا ساتھی پھر حمید کو گھورنے لگا۔

”لیکن.....!“ دراز قد اجنبی متکرانہ لجھے میں بولا۔ ”کچھ دیر پہلے تمن آدمیوں نے اس
ہنفیت کیا تھا۔ یہ یہیں کو پڑا اٹھیں کی طرف واپس جا رہا تھا۔ تعاقب کرنے والوں کو اچاک
معلوم ہوا کہ ان کا بھی تعاقب کیا جا رہا ہے لہذا وہ وہیں سے پلت آئے۔“

”تو پھر.....؟“ عورت کا ساتھی آنکھیں نکال کر بولا۔
”یہ دوبارہ ریالٹو میں کیوں پایا گیا.....؟“

”سوچتے رہو۔“ عورت کے ساتھی نے لاپرواں سے شانوں کو جیٹش دی اور جھک کر حمید
کی بغل دیکھنے لگا۔ حمید دراز قد آدمی کے چہرے پر گھرے ٹھکر کے آثار دیکھ رہا تھا۔

”خدعاً عورت کے ساتھی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ ”اب اسے معمول پر آ جانا چاہئے۔“
”بہت بہتر۔“ دراز قد آدمی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

حمدید نے آنکھیں بند کر کی تھیں کیونکہ کمرے کی تیز روشنی ناقابل برداشت محسوس ہو رہی
تھی۔ تھوڑی دیر بعد دراز قد آدمی واپس آگیا۔ اس کے دامنے ہاتھ میں بوی سی ہائپ ڈرک
رٹھ تھی۔

اس نے حمید کے بازو میں کی قسم کا سیال انجکٹ کیا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے بازو
نمگولی لگی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ تکلیف کم ہوتی گئی تھی۔

اس کی جسمانی بے نی بھی حیرت انگیز طور پر زائل ہونے لگی تھی۔ پھر پندرہ یا میں منٹ
لگانے والے ہوں گے معمول پر آنے میں۔ وہ پھر انھ کر بیٹھ گیا۔

”دوستو.....!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”محکم کیا ہو گیا تھا اور میرا وہ مرض کس
لڑ جو رہا۔“

”اب معاملے کی بات پر آ جاؤ۔“ عورت کے ساتھی نے لمبے آدمی سے کہا۔

”گراہم کے کاغذات کہاں رکھے گئے ہیں؟“ لمبے آدمی نے حمید کو گھوڑتے ہوئے پوچھا۔
”اوہ.....!“

”فوراً اگل دو.....!“ عورت کا ساتھی غریا! ”ونہ الیکٹرک شاک دیتا میرا محب ترک
مشغله ہے۔“
”میرا ساتھی..... اگر تم وہی ہو جس کا کچھ درپہلے تعاقب کیا گیا تھا تو یقیناً کوئی بہت عی
”آدمی ہو۔“
”کبھی.....؟“

”پندو نے ان تینوں کو مارڈا لاجوم پر ہاتھ دالنے میں ناکام رہے تھے۔“
جید نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑے اور اسے ٹوٹنے والی نظر وہ سے
انہے میں وہ دونوں واپس آگئے۔ پندو نے عجیب نظر وہ سے عورت کو دیکھا تھا۔ جید
ازدھے کر سکا کہ اس وقت اس کی آنکھوں سے کسی جذبے کا اظہار ہوا تھا لیکن وہ یقین کے
نہ کہ سکتا تھا کہ وہ کیفیت خوشگوار نہیں تھی۔
”خدا پندو نے جید کو خاطب کر کے کہا۔

”اگر تم نہیں جانتے تو تمہارا رونما فضول ہے۔“

”میں نے پچھی بات تمہیں بتا دی۔“ جید بولا۔

”لیکن تم اس طرح نہیں جاسکو گے کہ اس عمارت کی نشاندہی کرنے کے قابل رہ جاؤ۔“

”کیا مطلب.....؟“

”میں تمہیں انداھا کر کے کسی سڑک پر پھینکوادوں گا۔“

”جب تک میرے بازوؤں میں سکت ہے یہ ناممکن ہے۔“ جید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
لیکن دوسرے ہی لمحے میں لبے آدمی نے کوئی لمحہ بھی اس کی آنکھوں پر پھینکنے ماری۔
عجیب و نشت تاکہ سی چین جید کے حلقت سے نکلی تھی اور وہ اونڈھے منفرش پر چلا آیا تھا۔

اہم کاغذات

کرٹل فریدی بالکل ایسے انداز میں یہ کہانی سن رہا تھا جیسے وہ جید کی اپنی کہانی نہ ہو بلکہ وہ
سے کسی ناول کا پلاٹ سنارہا ہو۔ جید بھتنا کر خاموش ہو گیا۔

”فوراً اگل دو.....!“ عورت کا ساتھی غریا! ”ونہ الیکٹرک شاک دیتا میرا محب ترک
”تو یہ بات ہے۔“ حید سر ہلا کر بولا۔

”گراہم کے کاغذات.....!“

”میں نہیں جانتا..... اتنی اہم چیزیں صرف میرے چیف کی ذات تک محدود ہوئی ہیں۔“

”تم جھوٹے ہو۔“

”اچھی بات ہے تو تم الیکٹرک شاک لگانے کی تیاریاں شروع کر دو، میں تکلیف سے
بلباکر جھوٹ بولتا رہوں گا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ظاہر ہے جب مجھے معلوم نہیں تو اس تکلیف سے پچھا چھڑانے کے لئے میں اور
پٹانگ مقامات کے نام لیتا رہوں گا اور تمہارے آدمی پر بیان ہوتے پھریں گے۔“

”تحوزی دیر تک کوئی کچھ نہ بولا۔ پھر لبے آدمی نے عورت کے ساتھی کو کچھ اشارہ کیا اور“
دونوں ہی دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے پر رک کر عورت کا ساتھی جید کی طرف مڑا۔

”اگر تم نے کمرے سے باہر نکلنے کی جرأت کی تو اپنی موت ہی کو دعوت دو گے۔“

”میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔“ جید نے لاپرواٹی سے کہا اور عورت کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔
عورت کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

”اس نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں جا چکے تھے۔“

”عجیب احمدی دوستوں سے سابقہ پڑا ہے۔“ جید بولا۔

”تم کون ہو اور یہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں۔“ عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اس سوال کا جواب اتنا منقص نہ ہو گا۔ کیا تم نہیں جانتیں۔“

”میں نہیں جانتی..... لیکن پندو خطرناک آدمی ہے۔“

”پندو کون.....؟“

”پھر تم بہاں کیوں کچھ پہنچے۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”کیا خیال ہے۔ قبرستان پہنچنا چاہئے تھا اس بار۔ معاف کرو دیجئے آئندہ اہم نہ کروں گا۔“

”کیوں..... یہ بیک دماغ کیوں خراب ہو گیا۔“

حید نے سوچا کہ وہ اس طرح بھڑک اٹھنے کا کوئی متعلق جواز نہیں رکھتا۔ محض اس کے انداز کی بناء پر اس کی چیز ابھت کسی طرح بھی درست نہیں۔ لہذا وہ اپنا مودہ درست کر کے لئے پاپ میں تباہ کو بھرنے لگا۔ فریدی اسے دیکھے جا رہا تھا۔

حید اپنی آواز میں ڈھیلا پن پیدا کر کے بولا۔ ”اس کے بعد انہوں نے کوئی بُل لگا۔ میرے پھرے پر چینک ماری۔ بس ایسا ہی لگا تھا جیسے میری دونوں آنکھیں پھوٹ گئی ہو۔ مجھے ایک گاڑی میں ڈالا گیا۔ گاڑی حرکت میں آئی اور کسی طرف چل پڑی۔ آنکھوں میں شدید تکلیف تھی کہ میں ان کی دھمکی کی قدم دیتی بھی نہیں کر سکتا تھا۔“

”کیسی دھمکی.....!“

”یہی کہ وہ مجھے انداز کر دیں گے۔ تکلیف کے مارے آنکھیں کھول عین نہیں کرائیں۔“ بہر حال ایک جگہ مجھے گاڑی سے نیچے دھکیل دیا گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کہاں پھینکا گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس قابل ہوا تھا کہ آنکھیں کھول سکوں۔ بڑے شریف لوگ تھے۔ مجھے انداز نہیں کر دیا تھا۔“

حید اس طرح خاموش ہو گیا جیسے ان کی شرافت کا اعتراف و احترام کچھ دیر خاموش ہو گیا۔ حید اسے بھی کرنا چاہتا ہو۔

”تو وہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ گراہم کے کاغذات کہاں رکھے گئے ہیں۔“

”وسری گاڑی سے فائز کر کے ان کی گاڑی کا ایک وہیل بیکار کر دیا گیا تھا۔“

”آپ گیارہ لاشوں کی بات کر رہے تھے۔“ حید بھنا کر بولا۔

”وہ پنڈو کا ہی کارناہم ہو سکتا ہے۔ مجھے اطلاع می تھی کہ وہ ایک پڑوی ملک تک پہنچ گیا ہے۔“

”صاحب مجھے یہ بتائیے کہ.....!“ حید بھی کچھ کہتے کہتے رک گیا اور فریدی ہی کے

نمبر 34

”پنڈو.....!“

زیری کری سے اٹھ گیا۔

”میں اس نے تمہیں بتایا کہ وہ دلیم پنڈو ہے۔“

”اوہ..... آپ پورے نام سے واقف ہیں۔“

”جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔“

”جن نہیں۔ جب وہ دونوں کمرے سے چلے گئے تھے اس کی ساتھی عورت نے اس کا نام

قہ۔“

”تو یہ بات ہے۔“ فریدی بڑا ہوا۔

”عورت بڑے دھڑکے کی معلوم ہوتی ہے۔“

زیری کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ کسی گھری سوچ میں تھا۔

حید بھی پاپ سلاکا کر دوسرا طرف دیکھنے لگا تھا۔ دھڑکا فریدی حید کی طرف مڑ کر بولا۔

برانیاں ہے کہ دلیم پنڈو شاہی سرحد عبور کر کے غیر تانوںی طور پر بہاں داخل ہوا ہے۔“

”مرضی کے مالک ہیں آپ جدھر سے چاہیں داخل کر دیں۔“

”کل والی گیارہ لاشیں اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔“

”کیا آپ اسے جانتے ہیں؟“

”جن لوگوں سے سابقہ ہے.....!“ فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ حید اسے

تقریباً اس قابل ہوا تھا کہ آنکھیں کھول سکوں۔ بڑے شریف لوگ تھے۔

”مجھے انداز نہیں کر دیا تھا۔“

”یہ بہت براہوا کر کچھیلی رات ان لوگوں نے ان کا سراغ کھو دیا۔“ فریدی کچھ دیر بعد

”وسری گاڑی سے فائز کر کے ان کی گاڑی کا ایک وہیل بیکار کر دیا گیا تھا۔“

”آپ گیارہ لاشوں کی بات کر رہے تھے۔“ حید بھنا کر بولا۔

”وہ پنڈو کا ہی کارناہم ہو سکتا ہے۔ مجھے اطلاع می تھی کہ وہ ایک پڑوی ملک تک پہنچ گیا ہے۔“

”صاحب مجھے یہ بتائیے کہ.....!“ حید بھی کچھ کہتے کہتے رک گیا اور فریدی ہی کے

اسنائل میں خلاء میں گھورنے لگا۔
”کیا سوچنے لگے.....؟“
”وہ فریدی عی کے سے انداز میں چوک کراپنے انداز میں بولا۔“ برسے مہر اسی کا رانگ کھو دیا۔ اس گمشدگی کی اطلاع اس نے مجھے تین چار دن پہلے دی تھی۔
”اور آپ کا یہ ایجنت.....!“

”بکاں مت کرو۔“ فریدی کا منہ بگڑا۔
”پندو مجھے اتنا لکش نہیں لگا تھا کہ اسی کی باتیں کئے جاؤں۔“
”نم اس کی فکر نہ کرو..... بلکہ فورس ایک عالمی تنظیم ہے۔“

”کیا.....؟“ حمید اچھل پڑا۔

فریدی کھڑکی کی طرف مزگیا۔ اس وقت وہ دونوں نژاد کے پہاڑی بیتلک میں تھے۔ ”میرے ایجنت نے اطلاع دی تھی کہ ولیم پندو کو یہاں کے معاملات صاف کرنے کے حمید نے لاپرواںی سے شانوں کو جتنی دی اور بجھتا ہوا سکار سکانے لگا۔ ہنسیں کیا گیا ہے۔ وہ لوگ نژاد کی بازیابی یا موت کے خواہاں ہیں اور شاکر اب میرا وجود دفعتاً فریدی کمرے سے چلا گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اسے پھر شہری واپس جانا چاہئے اُن کی آنکھوں میں لکھنے لگا ہے۔“

یک بیک ڈاکٹر علوی کے گھرانے کی یاد آئی تھی۔ پہلی رات اسے اس طرح آزادی فہر۔ آپ نے گیارہ لاشون کا تذکرہ کیا تھا۔

ہو جانے کا مطلب یہی تھا کہ وہ لوگ فریدی کو اپنی راہ پر لگا کر گھیرنا چاہتے ہیں۔ ہوکلے۔ ”میرا خیال ہے کہ پندو پردی ملک سے غیر قانونی طور پر یہاں داخل ہوا ہے۔ اس کے عورت نے خاص طور پر پندو کا نام لیا ہو۔ پندو جو فریدی کے لئے بھی اہم تھا۔ ہاں نے وہیں کے کسی باشدے سے مدد حاصل کی ہوگی۔ غیر ملکی کی لاش جو تم نے دریافت حمید کمرے سے باہر نکلنے کے لئے دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی داخل ہو۔ انی پوست مارٹم کی روپرث کے مطابق کسی سریع الاثر زبر کا کارنامہ تھی۔ زہر خارجی طور پر اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھا۔“

”فائل کیا گیا تھا۔“ تھلی کے ایک باریک سے زخم کے ذریعہ خون میں شامل ہوا تھا۔

حید نے اس طرح گردن سہلائی جیسے کسی بڑے بوجھ سے اس کے ٹوٹ جانے کا فنا۔ ”تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس نے اسے سرحد پار کرائی اسے بھی اس نے ختم درپیش ہو۔ فریدی نے قریب بچنے کر ایک فارم ٹالا جس کے اوپر بائیں گوشے میں ایک قلم ”ای۔“

”میرا سماں خیال ہے اور پھر مقامی رہنزوں نے اسکی راہ روکنے کی کوشش کی اور مارے گئے۔“

”چکی ہوئی تھی۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی حمید چوک پڑا۔

”کیوں یہی تھا.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”سو فیصد یہی تھا..... عورت نے اسی کا نام لیا تھا۔“

”ولیم پندو.....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”گراہم کے ملک سکرٹ سروں کا ایک ممبر ہے۔ اٹلی کا باشدہ ہے۔ ہاں کی حکومت اسے قتل کی پاٹی۔“

”اب معلوم ہوا کہ وہ گراہم کے کاغذات بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔“

”ان کی کیا اہمیت ہے؟“

داردا توں میں ملوٹ قرار دے پچلی ہے لیکن وہ ہاں سے فرار ہو کر گراہم کے ملک میں ہا۔

کی یکٹ سروں کے سربراہ نے اس کی خدمات اپنے لئے حاصل کر لیں۔ میرا ایجنت ہاں کا تعاقب کرتا ہوا پڑوی ملک کے دارالحکومت تک پہنچا تھا۔ لیکن وہاں سے اس وہ فریدی عی کے سے انداز میں چوک کراپنے انداز میں بولا۔ ”بُرے مُرے“ ہی کا رانگ کھو دیا۔ اس گمشدگی کی اطلاع اس نے مجھے تین چار دن پہلے دی تھی۔
”عورت تھی۔“

”پچھے کاغذات کوڈ ورڈز میں تحریر کئے گئے ہیں اور میں ابھی تک اس کوڈ کو حل نہیں لیت دیا جسم کا مالک تھا۔ لیکن چہرے پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔“ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بچھلی رات اُس نے موڈی کو دو مقامی آدمیوں سمیت مار ڈالا کر سکا۔“

”آپ اور ولن کو مخاطب کر کے کہا۔“

”درالص میجھے اس کی طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور اب بھی مجھے اس سے تم نے صحیح سنائے۔“ ولن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فرصت نہیں کہ پنڈو کی طرف توجہ دے سکوں۔ جلد از جلد شدھ کو اس قابل کر دیا ہے کہ اس سے اُنہم خر کیوں.....؟“

”یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے وہ اس کی قیام گاہ میں داخل ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”تم ان الجھیروں میں پڑنے کی بجائے اس پر غور کرو کہ پنڈو نے تمہیں پکونے کیا۔“ لیکن تعاقب کرنے والوں کو موڈی نے ڈاچ دیا تھا۔ مجھے اچھی طرح علم ہے۔ تعاقب رنے والوں نے اُسے عمارت میں داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔“

اس طرح چھوڑ کیوں دیا۔“

”قتل کر دیتا تو آپ کو حیرت نہ ہوتی۔“ حید تھیرانہ لمحے میں بولا۔

”قطعنہ نہیں۔“ فریدی سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”اب میں کوشش کروں گا کہ وہ مجھے قتل کر دے۔“

”یقیناً کرو گے..... کیونکہ اس کے آس پاس کوئی دھڑکے کی عورت بھی پائی جاتی ہے۔“

فریدی نے خنک لمحے میں کہا۔

”حید نے خریہ انداز میں گردن اکڑائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔“

فریدی فائل اٹھا کر پھر باہر چلا گیا۔

”میں.....؟“ وہ خنک ہونتوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”ویکھو دوست.....!“ اجنبی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”گراہم کے بعد سے تم

سے سر برداہ رہے ہو اور تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کے بعد سے غافل

نہیں رہا۔ پھر کسی نئے آدمی کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”یہ تو ہیڈ کوارٹر ہی جانے۔“

”کچھ بھی ہو..... یہ ناقابل برداشت ہے۔“

”خاموشی سے دیکھتے رہو۔“



ولن مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں تھا تھا اور اُس نے ساری کھڑکیاں کر رکھی تھیں۔ دھنٹا ایک آدمی آہستہ سے اندر داخل ہوا۔ یہ بھی ولن ہی کی طرح سفید فائی

”اور یونہی کسی معمولی سی غلطی یا غلط فہمی کی بناء پر دوسری دنیا کو سدھار دو۔“ وہ طرف میں بولا۔
”میرا خیال ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“ نووارد نے اُسے گھور کر کہا۔

ولسن اس کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔ ”مجھے اس کی دماغی صحت میں شکر ہے۔“
”میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں..... پھر اب میری ضرورت بھی کیا رہی۔ میں ذہنی جگہ
اپنے ہوں..... جسمانی طور پر مٹوٹ ہونا پسند نہیں کرتا۔“
”اس کے علاوہ بھی اور کچھ؟“ نووارد نے پوچھا۔

ولسن تھوڑی دیر تک اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر بہت پیچی آواز میں جلدی جملہ کہا۔
”فتنہ عمارت کے کسی گوشے سے ایک نسوانی جیخ اُبھری اور وہ دونوں ہی چوک پڑے۔
”اوہ..... تو کیا وہ اُسے بھی مارے ڈال رہا ہے۔“ ولسن کہتا ہوا دروازے کی طرف
حمد کی گرفتاری اور رہائی کی داستان دہرانے لگا۔

”مقصد کیا تھا.....؟“ نووارد نے تحریر انداز میں پلکیں جھپکائیں۔
”پاگل پن کے علاوہ اور کچھ نہیں..... میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر اس کی
کچھ لیا ہے تو چھوڑ دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ یا تو ختم کرو یا پھر اتنا تشدد کرو کہ وہ تکلیف پالنے سلوٹیں پڑ گئیں۔
ہار کر سب کچھ بتا دے۔ لیکن وہ تو اس کے انکار پر اس طرح ایمان لایا تھا جیسے خود بھی اسی
یقین رکھتا ہو۔“

”کیا ہے؟“ اس نے چھاڑ کھانے کے سے انداز میں ولسن سے پوچھا۔
”وہ..... وہ..... آواز.....!“
”پیکی گاری تھی..... جاؤ اپنا کام کرو.....!“ وہ فرمایا۔

”آن لوگوں سے کچھ اگلوالیا آسان نہیں۔“
”ہیزد کو اڑنے انتہائی غیر داشمندانہ قدم اٹھایا ہے۔“ ولسن پر تفکر لجھے میں بولا۔ ”بب..... بہت بہتر۔“ ولسن نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ نووارد اس سے پہلے
کے بارے میں میری معلومات یہ ہیں کہ وہ عقل کی بجائے ہاتھ سے کام لیتا زیادہ پسند کا ناکرے سے نکل چکا تھا۔

”وہ پھر اسی کرے میں واپس آگئے۔ لیکن خاموش کھڑے ایک دسرے کی ٹھنڈی دیکھتے رہے۔
”ایک سفاک قسم کا قاتل ہے اور بس.....!“
نووارد کچھ نہ بولا۔ ولسن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر خلک ہونتوں پر زبان پھر کر
”تھوڑی دیر بعد قدموں کی آہٹ پر چوکے۔ پیکی کرے میں داخل ہوئی۔ ایسا معلوم
بولا۔“ ابھی تک میں آزادانہ باہر آتا جاتا رہتا تھا لیکن اب یہ ناممکن ہو جائے گا۔ فریڈی کے
”تاتما جیسے وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار ہوئی ہو۔ لیکن اس کے چھرے پر کرب اور بے چینی
سماں تھے۔“
آدمیوں کا جال سارے شہر میں بچھا ہوا ہے۔“

”میں کہتا ہوں..... ہم سب بڑی دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔ اُسے سمجھانے کی کوشش کرو۔“ ”کک..... کیا آپ چیزیں تھیں مادام.....!“ ولسن نے بوكھانے ہوئے لجھے میں پوچھا۔
”سنو..... مجھے کوئی مشورہ نہ دو..... یہ کام تم خود بھی کر سکتے ہو۔ اب میری اور تمہاری
بیان جاؤ۔ میں نے انکار کیا تو اس نے میرے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔“
”باہر کہاں بھیجننا چاہتا ہے۔“ ولسن نے کاپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا وہ تمہاری بات نہیں سنتا.....؟“

وہ جید کوڈ رائینگ روم میں لایا۔

”دھیر یے۔ می وغیرہ کو اطلاع دیتا ہوں۔“ اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔

مید سوچ رہا تھا پتے نہیں بچھلی رات یہاں کس قسم کے ہنگے ہوئے ہوں اور اس کا کس رج استقبال کیا جائے۔ ڈاکٹر کی اولاد تو دادی کی طرف دار معلوم ہوتی ہے لہذا وہ والدہ وہ بوکھلا کر مڑے۔ پنڈو دروازے میں کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

وہ دونوں اس طرح دور ہے جیسے جیسے ان کیلئے کوئی بہت خلرناک آتش گیر مادر ہو۔

ماجنی طور پر تصور نہیں ہوئی نظر آئیں گے۔ اطلاع دے کر بھاگ نکلا ہی بہتر ہو گا۔
بیگم علوی نے ڈرائینگ روم تک بچھنے میں دریخیں لگائی تھی۔ جید نے تصور ہی سے اندازہ
ہلا کر بہت رکھائی سے پیش آئیں گی۔ لہذا اٹھ کر آداب کیا اور شہر سے لٹے پر پابندی الگ

”اپنے کام سے کام رکھو۔“ اس نے بلا آخر بے حد خشک لبجھ میں کہا اور وہ ابھی کے لئے ہر بارہ بانے کی اطلاع دے کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

”ارے سننے تو کسی۔“

”جی نہیں..... پھر کبھی..... آدھے گھنٹے کے اندر اندر بیتیرے خاندانوں کو مطلع کرنا

ہے۔“ جید نے کہا اور تقریباً سرپٹ کی رفتار سے کپاڑ تک آپنچا۔ حالانکہ کسی کو بھی اس

نہیں سے مطلع کرنا اس کے فرائض میں سے نہیں تھا۔

شام تک شہر میں چکراتا پھرا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جائے۔ دھنٹا ریاثو کی

کیپشن جید پھر شہر کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر علوی کے گھر تک جانا ہو گی۔ اس نے سوچا ممکن ہے انور نے جو کچھ کہا تھا جسکی وجہ ہے۔

ریاثو کے باہر جیپ روک کر آترا تو بڑی تکلیف محسوس کر رہا تھا۔

بے صرف ادھر ادھر مارے پھرنے میں تکلن کے علاوہ اور کیا ہاتھ آتا ہے۔

ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے ہی اندیشے کی تصدیق ہو گئی۔ دونوں بھائی بین بر احتجان

تھے۔ انور شائد دروازے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جید پر نظر پڑتے ہی زور سے ہاتھ ہلا کے۔

جید ان کی میرز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ دونوں اس کے قریب پہنچنے پر اٹھ گئے۔ جید

نے ہاتھ ہلا کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور شکریہ ادا کر کے تیسری کرسی پر خود بیٹھ گیا۔

”پتے نہیں کیوں۔ مجھے یقین تھا کہ آپ سے یہاں ضرور ملاقات ہو گی۔“ انور چک کر بولا۔

جید اس پر صرف مسکرا دیا۔ کچھ بولانہیں۔ پھر اس نے نگہت کی خیریت دریافت کی۔

”بس یونہی بے مقصد ماری ماری پھروں۔“

”کیا میں ساتھ چلوں.....!“ نوار دنے آگے بڑھ کر مود بانہ لبجھ میں پوچھا۔

”نہیں.....!“ دروازے سے غراہست سنائی دی۔

وہ بوکھلا کر مڑے۔ پنڈو دروازے میں کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

وہ دونوں اس طرح دور ہے جیسے جیسے ان کیلئے کوئی بہت خلرناک آتش گیر مادر ہو۔

”تم جاؤ.....!“ پنڈو پیکی کو مخاطب کر کے غریا۔

وہ باہر نکل گئی۔ پنڈو وہیں کھڑا آؤں دونوں کو خونخوار نظریوں سے گھوٹا رہا۔

”اپنے کام سے کام رکھو۔“ اس نے بلا آخر بے حد خشک لبجھ میں کہا اور وہ ابھی کے لئے ہر بارہ بانے کی اطلاع دے کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

”ارے سننے تو کسی۔“

کیپشن جید پھر شہر کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر علوی کے گھر تک جانا ہے۔

کے لئے ایک بہانہ ہاتھ آ گیا تھا۔ فریدی نے اس علاقے میں ہر قسم کے لوگوں کا داخلہ بنتا

قرار دے دیا تھا۔ ڈاکٹروں کے متعلقین بھی اب وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔

اس نے سوچا اچھا خاصا جواز ہاتھ آ گیا ہے۔ ڈاکٹر علوی کے خاندان میں دبارة پہنچ

کے لئے۔ اس نے جیپ ڈاکٹر علوی کی کوششی کی کپاڑت میں روکی اور اتر ہی رہا تھا کہ انہوں

آواز سنائی دی۔ وہ قہقہے لگاتا ہوا اس کی طرف دوڑا آ رہا تھا۔

”برامزہ آیا کیپشن.....!“ وہ اس سے پر جوش انداز میں مصافحہ کرتا ہوا بولا۔

”باجی نے بیانگ دل اعلان کر دیا ہے کہ اب وہ ہر شام ریاثو میں گزار کریں گی۔“

”ارے..... کیوں.....؟“

”کیا ہم نے شام اپنی نہیں گزاری تھی..... چلنے..... یہاں کیوں کھڑے ہیں۔“

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ”چھپلی رات کے حالات کا
ہناڑہ ہیں ہوتا چاہئے کہ تم بُری طرح پیش آؤ..... لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ لوگ
ہرے لئے قلعی اجنبی ہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ تم سے کیا چاہتے ہیں۔“
”غرض کرو..... میں نے یقین کر لیا پھر.....؟“ حمید سکرا کر بولا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤ؟“

حید کچھ نہ بولا اور پیکسی نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ حمید تھیز انداز میں منہ کھولے سنا
ہاں کے خاموش ہوتے ہیں تھی سے ہوت بھیجن لئے اور پھر شائد کوئی سوال کرنے ہی جارہا
ناکہ پیکی بول پڑی۔ ”آج صبح اس نے مجھے زبردستی تھا باہر بھیج دیا..... کچھ دیر بعد جب میں
ہیں گی تو وہ عمارت بالکل سنان پڑی تھی۔ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ بارہ بجے سے اس وقت
یہ تھبڑی رہی تھی۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ پلانا۔ تحکم ہار کر میں پھر وہاں سے نکل
اگلی بجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میرا خیال ہے کہ تم کوئی پولیس آفیسر ہو۔“

”تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔“ حمید سکرا کر بولا۔

”یہ تو وہی تھی۔ چھپلی رات والی عورت جو ولیم پنڈو کے ساتھ تھی۔“
”میں باضابطہ طور پر اپنے جرم کی سزا بھگتے کو تیار ہوں۔“ پیکسی نے بھرا کی ہوئی آواز
بال سے اٹھنی جانا چاہئے۔ پتے نہیں وہ لوگ کس قسم کا جال ان کے گرد من رہے ہیں۔
”اٹھو.....!“ اس نے خود بھی اٹھتے ہوئے پیکسی سے کہا۔

”اڑے..... اڑے..... آپ جا رہے ہیں؟“ دونوں نے بیک وقت کہا۔

”ہاں بے بی..... ضروری کام ہے..... پھر بھی۔“

حید اور پیکسی ریائٹو سے نکلے چلے گئے۔

”جب تک اکڑی رہیں گی تھی رہتی ہی سے رہیں گی۔“ انور بول پڑا۔
”تم فضول بکواس نہ کیا کرو۔“ گھبت دانت پیس کر بولی۔

”میں غلط تو نہیں کہ رہا..... ابھی ذرا نرم ہو جاؤ چڑھیجھیس گی۔“

”انور.....!“

”انور میاں بُری بات ہے۔ ہر جگہ بے تکلفی مناسب نہیں ہوتی۔“ حمید نے مریانہ پر
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤ؟“
اختیار کیا۔

”آپ کیا پیس گے؟“ انور نے پوچھا۔

”عزیزم یہ مجھے آپ سے پوچھنا چاہئے۔ کیونکہ میں یہاں تم دونوں کا بزرگ ہوں۔“

”بزرگ ہی تو نہیں لگتے ورنہ آپ کو بھی دور سے سلام کرتے۔“ انور بولا۔

”آپ کچھ خیال نہ سمجھ گا۔“ گھبت بولی۔ ”یہ بہت بکواس کرتا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“

”ختا ایک عورت ان کی میر کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ حمید نے سراہا کر دیکھا اور چونکہ پڑا۔“

”یہ تو وہی تھی۔ چھپلی رات والی عورت جو ولیم پنڈو کے ساتھ تھی۔“

”دل اندازی کی معافی چاہتی ہوں۔“ اس نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔ ”لیکن یہاں
اس شہر میں تمہارے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتی۔“

”بیٹھو بیٹھو.....!“ حمید نے اس سے کہا اور ان دونوں سے بولا۔ ”اگر آپ کو کہا
اعتراف نہ ہوتا۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ دونوں بیک وقت بولے۔

”وہ چوتھی کری پر بیٹھ گئی۔ اس وقت حمید اس عورت میں کوئی عجیب بات محسوس کر رہا تھا؟“

چھپلی رات نہیں محسوس کر سکا تھا۔

عورت تھوڑی دیر تک ان تینوں کو باری باری سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”میرا نام یہ کہتا
ہے نسل آ جرم ہوں۔“

یہ کیا ہوا؟

حید نے پولیس ہینڈ کوارٹر کے آپریشن روم سے بذریعہ ٹرانسپورٹ فریڈی سے رابطہ نگہداں نہیں کروں۔ اس کے پیکی کی کہانی سنائی۔

”میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے فرصت نہیں..... جو مناسب سمجھو کرو۔“
”کیا مطلب.....؟“

”میں تمہیں اس کا انچارج بنانا ہوں۔“

حید نے بہت تیری سے اپنی کھوپڑی سہلائی اور سلسلہ گفتگو ختم کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا پیکی کو مقامی پولیس کے پرداز کر دے۔ کافی دیر سوچ پچار کے بعد یہ طے کیا کہ یہ مابرہ نہ ہو گا۔ کیوں نہ پیکی کی شاندی پر ان دونوں عمارتوں کی تلاشی لی جائے اور اسے ساتھ لے کر جائے۔ پنڈو اسے چھوڑ گیا تھا..... کچھ نہ کچھ مقصود ضرور تھا اس کا..... ورنہ وہ اس سے بھی اس طرح پیچھا چھرا سکتا تھا جیسے ہو رہیں کو ختم کر دیا تھا۔ اسے اس لئے زندہ نہ رکھتا کہ وہ اس کی کہانی سناتی پھرے۔

umarتوں پر چھاپ مارنے کے لئے اس نے ایک پولیس پارٹی آتیب دی۔ پہلے اس عمارت پر چھاپ مارا گیا۔ جس میں پیکی نے پہلی بار قیام کیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہ ملا۔ حتیٰ کہ تینوں لاشیں بھی نہ مل سکیں جن کا تذکرہ پیکی نے پنڈو کی زبانی سناتا۔

سرگ کا دہانہ ظاہر کرنے والے سوچ بورڈ کا سراغ نہ مل سکا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سونئی بڑا کو وہاں سے ہٹا کر تاروں کا سلسلہ چھپانے کے لئے اس جگہ دیوار پر دوسرے تائل لگادیے گئے ہوں۔ آس پاس کے تائل اکھاڑنے پر اس خیال کی تائید بھی ہو گئی۔ تاروں کو ہلانے والے فرش کا سلیب اپنی جگہ سے سرک گیا لیکن خلاء بڑے بڑے پھرتوں سے پُر نظر آیا۔

اس عمارت کو بند کر کے میل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسری عمارت پر بھی یلغار ہوئی۔ یہاں بھی کچھ ہاتھ نہ آیا۔ لیکن اس سرگ کا دوسرا دہانہ مل گیا جو ان دونوں عمارتوں کو ملاتی تھی۔

وہی پر حید پھر سوچ رہا تھا کہ پیکی کے لئے کیا کرے۔ فتحا فریڈی کے الفاظ یاد نہیں تھیں اس کیس کا انچارج بنانا ہوں۔ اور یہ کیس تھا..... گیارہ لاشوں کا۔

پنڈو پر فی الحال قتل کی گیارہ وار داتوں کا لرام تھا اور تین مرید وار داتوں کا شہر بھی۔ اس کر کے پیکی کی کہانی سنائی۔

کیس کا انچارج بن جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب اسے ٹسٹل کے بنگلے کا رخ بھی نہیں کرنا۔ پولیس ہینڈ کوارٹر سے وہ پیکی سمیت پھر ریالٹو واپس آیا۔ یہ یہاں کے اچھے رہائشی ہوں میں سے بھی تھا۔ ریالٹو میں اس نے دو کمرے حاصل کئے۔ جو ایک دوسرے سے ملے ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ دو کمروں کا سوت تھا۔

”تم نے مجھے حوالات میں نہیں دیا۔“ پیکی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”عورتوں کے معاملے میں بہت تازک دماغ واقع ہوا ہوں۔“ حید نے جواب دیا۔

”میں نہیں سمجھی۔“

”حوالات میں محروم اور کھتموں کی بہتان ہوتی ہے اور تم شاید ان کی عادی نہیں۔“

”اگر میں یہاں سے بھاگ جاؤں تو۔“

”تو گ مجھے عقل مند بھیس گے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”میرا خیال ہے تم بہت تحکم گئی ہو۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔“

پیکی اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے دوسرے کمرے میں چل گئی۔ حید سوچ رہا تھا آخر

اس دو دن کا انجمام کیا ہوگا۔ پنڈو نے پیکی کو بھی نکال باہر کیا۔ حالانکہ اس کا بھی خاتمه کر سکتا

اپنے خلاف ایک گواہ کو آزادی دے دینا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ وہ چاہتا کیا ہے؟

اس کے ذہن پر آہستہ آہستہ غنوڈی طاری ہوتی رہی اور پھر وہ سو گیا۔ اس نے پیکی کے

اس کی طرف کے دروازے کو بولٹ نہیں کیا تھا۔

”دبارہ اس کی آنکھ کسی کے چھوڑنے پر کھلی تھی۔ وہ یوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پیکی ہانپتی ہوئی۔

بولی "کوئی میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔"
"تو پھر.....؟"

"میں نہیں سمجھ سکتی۔"
"کیا نہیں سمجھ سکتیں؟"

بیٹا۔ اب کم از کم چلتے کے انداز سے تو وہ نہیں پہچانا جا سکتا تھا۔ چہرہ المشر کے اٹھنے ہوئے ہر اور فلکت ہیٹ کے گوشے کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔
چالک پر سیاہ شیور لٹ کھڑی نظر آئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر کوئی تھا۔ حمید نے بچپلی سیٹ کا ڈارہ کوڑا اور چپ چاپ اندر بیٹھ گیا۔

"اتی رات گئے کون میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے سکتا ہے۔ جب کریں گھوڑی چل پڑی۔ جیب سے پاسپ نکال کر وہ اس میں تمبا کو بھرنے لگا۔ پتہ نہیں کہاں کسی کو یہاں جانتی بھی نہیں اور پندو کے علاوہ مجھے کون جانتا ہے۔"
"پندو.....؟" حمید دانت پیس کر بڑا بڑا ایسا دروازے کی طرف بڑھا جس پر بکری ہار کر دیتا ہے۔ روزانہ زندگی میں ڈرامائی انداز اختیار کرنے کا خبط اسی طرح دوسروں کے لئے بیان کے مطابق دستک ہوئی تھی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اپنے کمرے کی طرف پلٹ کر دیا۔ اب جان بن جاتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں سلگتا ہوا کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑا جا رہا تھا۔
ٹکٹے کے یخچے سے ریو اور نکلا اور دوبارہ دروازے کی طرف چل پڑا۔
بڑی بعد گاڑی ایک عمارت کی کپڑا غُڑ میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور نے اسے پورچ میں روکا اور پھر دروازے کے قریب رک کر بلند آواز میں پوچھا۔ "کون ہے۔" جواب نہ لئے، بچپلی سیٹ کا دروازہ کھولنے لگا۔

پیکی کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ سے بولی۔ "دستک ہوئی تھی۔ متواتر ہوتی رہی تھی۔" پورچ میں روشنی تھی اور صدر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ حمید گاڑی سے اُتر کر عمارت میں حمید نے سبھی مناسب سمجھا کہ اپنے کمرے کی طرف کا دروازہ کھول کر دیکھے۔ لیکن پرانا لیل ہو گیا۔ لیکن جیسے ہی ایک بغلی کمرے کا دروازہ کھلا اُس کے پیروں تسلی سے زمین نکل گئی۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ البتہ بکری ویم پندو اپنے ہونٹوں میں سفاک سی مسکراہٹ لئے کھڑا نظر آیا۔ "دوسری بار خوش کے کمرے کے دروازے کے قریب ایک کارڈ پر انظر آیا جس پر نہیں سیاہ ملی کی تصویر" دیر۔" اس نے حمید کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ سے بھی دیکھی جاسکتی تھی۔ وہ کارڈ اخانے کے لئے جھپٹا۔
عمر اس کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں مقاکہ وہ خود ہی کسی کارڈ کی پشت پر کسی نے لکھا تھا۔" یخچے چالک کے قریب سیاہ رنگ کی شیور لٹ کھڑی ہے لیں چھٹے جا رہا ہے۔ اس میں بیٹھ جائیے۔ اس طرح اپنے کمرے سے وہاں تک جائیے کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔" "تمان ہونے کی ضرورت نہیں۔" پندو خنک لبجھ میں بولا۔ "کل رات جب تم ہمارے حمید نے گھری دیکھی۔ دونوں رہے تھے۔ اپنے کمرے میں آ کر اُس نے کٹ پہننا۔" ناگزیر تھے ملی والا کارڈ تمہارے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ اس پر جو تحریر تھی مٹا کر نیا اس پر المشر پکن کر کارا اور پر اٹھادیا۔ فلکت ہیٹ کا گوشہ چھرے پر جملائے ہوئے ہیکسی سے کہا "لهم اللہ دیا گیا۔ میں بہت زیادہ محنت کرنے کا قاتل نہیں ہوں۔"

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" حمید نے دلیر بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری کروہ اطمینان سے سو جائے۔ اس کی واپسی غالباً صبح سے پہلے نہ ہو سکے گی۔
"میں..... لیل..... لیکن.....؟" پیکی ہکلائی۔
حمد کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل آیا۔ زینوں تک پہنچتے پہنچتے اس کے چلنے کا انداز۔ "تم اپنے ساتھ اسے قبر میں بھی لے جاسکتے ہو..... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

پنځلات کے بارے میں کہا تھا کہ وہ کوڈورڈ میں ہیں۔“
اور اس نے انہیں ذی کوڈ کر لیا ہے۔“

”میں نے یہیں پوچھا۔“

”مالکہ فطری طور پر تمہیں پوچھنا چاہئے تھا۔“

کارڈ اب بھی وہ وہیں کہیں چھوڑ آیا ہے۔

”چلو..... چلتے رہو۔ ہم کہیں اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔“ پنڈو نے باٹھ ہلا کر لے

سلیخ آدمی ان کے پیچے چل رہا تھا۔ پنڈو اسے ایک بڑے کمرے میں لایا۔ وہاں

خوبصورت یورپین لاکیاں پہلے سے موجود تھیں۔

حمدی سوچ رہا تھا کہ اسے یقین طور پر کسی خطرناک مرطے سے گزارا جائے گا۔

”یہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔“ پنڈو نے لاکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”تمہاراں

شذل کی فکر نہیں ہے۔ سب سے پہلے میں تمہارے چیف کو قتل کروں گا۔“

”معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرا یا۔ ”میرے بارے میں

خاصی معلومات فراہم کر لکھی ہیں۔“

”تو یہ اسی کا حکم ہے کہ تم پیکی سیست ریالٹو میں قیام کرو۔“

”اں تم کا کوئی حکم مجھے نہیں ملا۔۔۔۔۔ البتہ اس نے تمہارے کیس کا انچارج بنایا ہے مجھے۔“

”میرا کیس۔۔۔۔۔؟“

”ہاں اس کا خیال ہے کہ تم نے ہمارے ملک کی حدود میں داخل ہو کر گیارہ قتل کئے ہیں۔“

”کیا ثبوت ہے اس کے پاس۔۔۔۔۔!“

”یک۔۔۔۔۔ ثبوت تو خود تم نے اس کے حوالے کیا ہے اور اب یہ ایک تی انجمن پیدا

اہے ہبرے لئے کرم نے پیکی کو کیوں چھوڑ دیا۔“

”بگر اس کا کیا کرتا۔۔۔۔۔ میں نے آج تک کسی عورت کو قتل نہیں کیا۔ میرے اصول کے

لئے۔“

”کس قسم کی گفتگو۔۔۔۔۔؟“

”میرا خیال ہے کہ میرے چیف کی نظر میں ان کاغذات کی کوئی اہمیت نہیں۔ البتہ۔۔۔۔۔“

حمدی نے مژہ کر صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک آدمی تامی گن سنبھالا۔
تھا۔ اسے اپنی غفلت پر غصہ آنے لگا۔

بلیک فورس کا عالمی کارڈ اسی وقت ضائع کر دینا چاہئے تھا جب وہ اسے ملا تھا۔ نہیں
میں ڈال کر بھول جانا بہت بڑی غلطی تھی۔ اس کا خمیازہ اب اسے بہر حال بھگتا تھا۔ اسے ایسا

کہ کارڈ اب بھی وہ وہیں کہیں چھوڑ آیا ہے۔

”چلو..... چلتے رہو۔ ہم کہیں اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔“ پنڈو نے باٹھ ہلا کر لے

سلیخ آدمی ان کے پیچے چل رہا تھا۔ پنڈو اسے ایک بڑے کمرے میں لایا۔ وہاں

خوبصورت یورپین لاکیاں پہلے سے موجود تھیں۔

حمدی سوچ رہا تھا کہ اسے یقین طور پر کسی خطرناک مرطے سے گزارا جائے گا۔

”یہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔“ پنڈو نے لاکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”تمہاراں

ان کی گود میں نکلے گا۔“

”معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرا یا۔ ”میرے بارے میں

اور آج تم مجھ سے بچ بولو گے۔۔۔۔۔!“ پنڈو نے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”میں نے جھوٹ پہلے بھی نہیں بولا تھا۔ مجھے آج بھی علم نہیں ہے کہ گراہم کے کاغذات

کہاں ہیں؟“

”تم نے اس کا تذکرہ اپنے چیف سے یقیناً کیا ہوگا۔“

حمدی نے جھر جھری سی لی اور سر ہلا کر بولا۔ ”میں نے کیا تھا۔“

”پھر۔۔۔۔۔؟“

”ہم بڑی دریک کاغذات کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔“

پنڈو اس کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے شانے پر بچھے ہوئے پوچھا۔

آگرا ہو۔

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ پنڈو نے اس رات ایک ایسا ہی کارڈ اس کی جیب سے نکالا تھا۔“

اس کے بعد پنڈو بے حد سخیہ نظر آنے لگا تھا۔ حمید کو اس طرح گھورے جا رہا تھا۔ بیوی نے نظر میں پنجی کے ہوئے جواب دیا۔

فوری طور پر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہو۔ ”جیسی بات ہے۔“ فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”اب تمہیں باقاعدہ طور پر“

”پس کی کشیدگی میں رہنا پڑے گا۔“

”جیسا مناسب سمجھا جائے۔“ پیکی کا جواب تھا۔

فریدی ریمش کو اس کے بارے میں ضروری ہدایات دے کر مزید چجان بین کے لئے

ریاثو کے ہال میں داخل ہوا۔



دوسری صبح فریدی کو اطلاع میل کر جمید رات سے غائب ہے۔ اطلاع بلیک فورس کا وزیر کی طرف بڑھتے ہی رہا تھا کہ ایک آدمی اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا تا ہوا آگے

نبرنے دی تھی۔ بڑھ گیا۔ جب ٹکڑہ اسے روک کر کچھ پوچھتا وہ دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔

فریدی نے اس پر اس سے باز پر سنبھیں کی تھی کہ جمید کے معاملے میں غفلت کیا۔ اس نے شانوں کو خفیہ سی جنبش دی اور لفافہ چاک کرنے لگا۔ لفافے سے جو چیز برآمد

گئی۔ حالانکہ اس نے بلیک فورس کے ممبروں کو تاکید کر دی تھی کہ بہت محاط رہ کر جمید اور بیکن ہوئی اس کے لئے نبیں تھیں تھی۔ لیکن شان نزول یقیناً حیرت انگیز تھی۔

مگر انکے کی جانے۔ بلیک فورس کا سیاہ لیلی والا کارڈ تھا۔ جس کی پشت پر پنسل سے لکھی ہوئی عبارت تھی۔

وہ ایک مشری آفسر کے میک اپ میں ریاثو پہنچا۔ سارجنٹ ریمش اس کے ساتھ نہ کامیابی نہیں کروں میں مقilm تھی۔ اس نے فریدی کو پچھلی رات کے اندا

فریدی پر کھڑی ہوئی سیاہ شیور لٹ میں بینچے جاؤ۔ شور سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔“

پچھلے ہوئے کہا۔ ”راہ داری میں میرے کمرے کے دروازے پر ایک کارڈ ملا تھا۔“ اور

ہر قلوں پر طوریہ سی مسکراہٹ نہودار ہوئی اور وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بینچے گیا۔

بتاتے وقت اس کارڈ کو میز پر چھوڑ گیا تھا۔ جواب بھی وہیں ہے۔“

فریدی کمرے میں آیا۔ میز پر بلیک فورس کا امتیازی نشان دور سے چک رہا تھا۔

پھر آن واحد میں یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ کیا ہوا ہوگا۔

وہ سارجنٹ ریمش کی طرف مذا جو حیرت سے اس کارڈ کو دیکھنے جا رہا تھا۔

وہ پھر پیکی کے کمرے میں آیا۔

”کیا اس قسم کا کوئی کارڈ پہلے بھی تمہاری نظر سے گزرا ہے۔“ فریدی نے اسے

من بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ وہ کسی بچکچا ہٹ کے بغیر عمارت میں داخل ہوا۔

”آفسر..... ریالٹو میں تمہاری گشادگی کے سلسلے میں چھان میں کر رہا تھا۔“ پنڈو نے

وہیں ہال پر ہوا۔ جہاں سب سے پہلے حمید پر نظر پڑی۔ وہ ایک سیئی پر دوسفید فام لے کر ملے۔ ”بڑات آئیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔“ اور اب تم اسے یہاں دیکھ رہے ہو۔“

”لیکن کس طرح.....؟“

”تم کس طرح یہاں پہنچے تھے۔“ پنڈو نے خلک لجھ میں سوال کیا۔

”ہو کیپٹن.....!“ اس نے خلک لجھ میں کہا۔ ”کیا بات ہے؟“

حمدی صرف طویل سانس لے کر رہا گیا۔

”کیونکہ اسے آئیکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ اپنی ہی فوج کا کوئی میجر تھا لیکن اسے پہلے تو اب فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے پنڈو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس خصوصی توجہ کو پنڈو بھی

دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ سیئی سے اٹھ گیا۔ لڑکیاں بدستور بیٹھی رہیں۔

لہذا زندگی کر سکا۔

”کیا بات ہے.....؟“ حمید اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”مجھے کیوں بلا یا گیا ہے۔“

”فاختا فریدی نے خالص بدی لجھ میں پوچھا۔“ کیا..... تم گراہم.....!“ جملہ پورا نہیں کیا

اہل نے۔ پنڈو نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سر کو اشتابی جبنت دی۔ فریدی نے پلٹ کر حمید

ہلفت اپشت سے قہقہہ سنائی دیا۔ وہ چونکہ پڑے۔ ایک دروازے میں پنڈو کھڑا تھا اور ان

ہلفت دیکھا اور پھر پنڈو کو کچھ اس قسم کا اشارہ کیا جیسے اسے الگ لے جا کر کچھ کہنا چاہتا ہو۔

پنڈو نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کئے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ محضوں کر رہا تھا کہ پنڈو پوری طرح ہوشیار ہے۔

”کوئی بات نہیں۔“ پنڈو بولا۔ ”تم بھی بیٹھ جاؤ..... لیکن نہیں..... پہلے اپنے دونوں

ہاتھ اٹھاؤ۔“

”وہ اسے ایک کمرے میں لا لایا اور سامنے کھڑا ہو کر گھورنے لگا۔“

”میں.....!“ فریدی رازدارانہ لجھ میں بولا۔ ”میجر فضل الرحمن نہیں ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”میں کریل مکار نہ ہوں۔“ فریدی چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

”کریل مکار نہ ہے۔!“ پنڈو نے غالباً یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہر لیا۔ پھر جیب

ئالیک نوٹ بک تکال کر باسیں ہی ہاتھ پر اسے سنبھالتے ہوئے انگوٹھے سے ورق گردانی

تارہ۔ ریوالور کا رخ اب بھی فریدی ہی کی طرف تھا۔

پھر دوسرے بعد اس نے نوٹ بک پھر جیب میں ڈال لی اور فریدی کو چند لمحے گھورتے رہنے

لے گئے۔ ”تم وہیں موجود ہو۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کر سکے.....!“

”بڑی تیزی سے ترقی کر رہے ہوئی نور پنڈو.....!“ حمید نہیں کر بولا۔

طویل رہداری میں کسی جانب کا بھی کوئی دروازہ کھلانظر نہ آیا۔ رہداری کا اتفاق اسی بڑات آئیز مسکراہٹ کے ساتھ تھا۔ ”اور اب تم اسے یہاں دیکھ رہے ہو۔“

درمیان اس طرح بیٹھا تھا جیسے ابھی ابھی ان کے حقوق ملکیت اس کی طرف منتقل ہوئے ہوں۔ ”لیکن کس طرح.....؟“

”تم کس طرح یہاں پہنچے تھے۔“ پنڈو نے خلک لجھ میں سوال کیا۔

”ہو کیپٹن.....!“ اس نے خلک لجھ میں کہا۔ ”کیا بات ہے؟“

حمدی نے اسے آئیکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ اپنی ہی فوج کا کوئی میجر تھا لیکن اسے پہلے تو اب فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے پنڈو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس خصوصی توجہ کو پنڈو بھی

دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ سیئی سے اٹھ گیا۔ لڑکیاں بدستور بیٹھی رہیں۔

”کیا بات ہے.....؟“ حمید اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”مجھے کیوں بلا یا گیا ہے۔“

”فاختا فریدی نے بھوپنگارہ جانے کی ایکنگ کی۔“

”کیا مطلب ہے؟“ فریدی نے بھوپنگارہ جانے کی ایکنگ کی۔

”کوئی بات نہیں۔“ پنڈو بولا۔ ”تم بھی بیٹھ جاؤ..... لیکن نہیں..... پہلے اپنے دونوں

ہاتھ اٹھاؤ۔“

فریدی نے ہاتھ اٹھا دیے۔ پنڈو نے لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھیں اور ان میں

سے ایک نے فریدی کے ہولٹر سے ریوالور نکال لیا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر غصیلے لجھ میں کہا۔

”میں بتاؤں گا.....!“ پنڈو غریبا۔ ”اب تم بیٹھ جاؤ۔“

حمدی بھی جیرت سے اس ملٹری آفیسر کی طرف دیکھتا اور بھی پنڈو کی طرف۔

”تم نے مجھے بتایا تھا۔“ پنڈو نے حمید سے کہا۔ ”تمہارا چیف آج کل اسی نشان کے

ذریعہ پیغام رسانی کر رہا ہے۔ اسکے سارے ماتحت اس سے آگاہ ہیں۔ اس سلسلے میں میرا یہ خلا

بھی درست ثابت ہوا کہ وہاں لگی ہوئی ملٹری کا انچارج بھی کریل فریدی ہی کے ہاتھ میں ہے۔

”بڑی تیزی سے ترقی کر رہے ہوئی نور پنڈو.....!“ حمید نہیں کر بولا۔

"مجھے صرف اپنے مشن سے سروکار ہے۔" فریدی نے کسی قدر ناخوگوار لمحے میں کہا۔ "اگر تم اپنا کرسکو تو تمہیں وہاں تک پہنچا دینا میرے باسیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔" فریدی
"یہ مت بھولو کر اسی مشن کے لئے میں نے اپنے جسم سے دستبردار ہو کر اس نفرت اگر نذر جوش کے ساتھ کہا اور پھر ایک پل کے لئے خاموش ہو کر بولا۔" تم نے اس کے کوئی پکڑ کھا ہے۔ اس نے اپنے ایک حکم کے ذریعہ مجھے ریالٹو بھیجا تھا کہ میں اس

نڈا کے سلسلے میں چھان بین کروں۔"

"تم اس کے پارے میں بھی کچھ نہ سوچوں۔ بس مجھے وہاں پہنچا دو۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ کام تو مجھے ہی کرنا ہے۔"

"میں تمہیں وہاں تک لے جاسکتا ہوں۔ اور بس۔۔۔!"

"کیا تم تہہ خانوں کے راستے سے واقف ہو۔"

"تہہ خانوں تک میں تمہیں پہنچا دوں گا۔۔۔ لیکن اگر تم یہ چاہو کہ میں تمہارا ہاتھ بھر بٹاؤں تو یہ ممکن ہے۔"

"تم مجھے بس اس شخص تک پہنچا دو۔"

"شڈل تک۔۔۔!" فریدی نے پوچھا۔

"کرنل فریدی تک۔۔۔ جسے دنیا نے اساطیری کردار بنا رکھا ہے۔" پندو نے انہلہ برت ظاہر کی تھی۔

نفرت انگیز لمحے میں کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہوگا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"وہاں صرف اس کا حکم چلتا ہے۔۔۔ ویسے ممکن ہے کہ وہ تہہ خانوں ہی میں رہتا ہو۔۔۔" تمہیں اپناریو اور یہیں چھوڑ جانا پڑے گا۔" میں نے آج تک اسکی شکل نہیں دیکھی۔ لیکن تمہرہ۔۔۔ میں بھلا تمہیں وہاں کیسے لے جاسکوں گا۔" مجھے منظور ہے۔" پندو بولا۔ وہ اس وقت ایک دیسی فوجی معلوم ہو رہا تھا۔ کسی قسم کا ناتھمال کرنے سے اس کے چیرے گرون اور ہاتھوں کی رنگت گندی ہو گئی تھی۔

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"تم کیا سوچنے لگے؟" پندو چھٹلا کر بولا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر تمہیں ملٹری کی وردی میں لے بھی جاؤں تو تمہارا غیر ملکی ہے۔۔۔"

کیونکر چھپ جائے گا۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔۔۔ میری رنگت گندی بھی ہو سکتی ہے اور آنکھیں تو پہلے نہ ہو دیکھو۔۔۔" فریدی ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔" یہ طویل راہداری ہے۔ اس کمرے لام کھانا رکھو گے۔۔۔ دونوں سپاہیوں کو کھانے کے قریب ہی چھوڑ کر تم اس جگہ آؤ گے۔" سے سیاہ ہیں۔"

یہاں سوچ بورڈ پر کئی رنگوں کے بنوں والے بس سوچ ہیں۔ تم سرخ رنگ کا بنیں، پرانی کھینچا۔ لامکھلے کے باوجود پندو کے پاؤں زمین سے اکٹھ گئے اور وہ کسی ہلکے چکلے پرچے سے عی دروازہ ظاہر ہواندھ چلے جانا۔ یہی ایسا کمرہ ہے جہاں میل دیرن کیسرے یا نہ اس سے جا تکرایا۔ اور پھر شدید غصے کے عالم میں ایک گھونسہ پوری قوت سے اس کے نہیں ہیں۔“

”ٹھیک ہے..... میں سب دیکھ لوں گا۔ تم مطمئن رہو۔“ پندو اس کے شانے پر ہاتھ پھینک اسی وقت ایک آواز کمرے میں گونجی۔
کریوا۔

سڑاٹھے نہات بجے ہیلی کو پڑ کی آواز دبارہ نہائے میں گونجی تھی اور تھوڑی ”پریم“ رانو ہوتی ہے۔ یہاں میں نے اس کا انتظام کر دیا ہے تمہارے لئے۔“
فوجی کھانے کے بڑے بڑے خوان اٹھائے ہوئے بیکلے میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں پاسورڈ ”گن پاؤ ڈر“ دہراتے ہوئے خوان ایک طرف رکھ دیئے تھے اور فریڈی کو سلیوٹ کیا تو
”مکار نس..... یہ کیا مذاق ہے۔“ پندو مٹھیاں بھیجن کر دہاڑا۔
فریڈی نے پندو کو پھر ہدایات دیں۔ اسے اور دونوں فوجیوں کو غیر مسلح کر کے تہہ خدا
”یہاں میرے پاس چیکی بھی موجود ہے و لمب پندو..... یہ دیکھو۔“
میں داخل کر دیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر پھرہ ملا۔ پندو پاسورڈ دہراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
آواز کی سست دیوار پر ایک اسکرین روشن ہو گئی۔ کرنل مکار نس اور چیکی اس پر کھڑے
کے مطابق پہلے اسے اس کمرے میں داخل ہونا پڑا جہاں ان دونوں فوجیوں کو کھانے سیند خڑائے۔ عورت نے تصویریں دیکھ کر قہقہہ لگایا اور پھر پندو کو دیکھنے لگی جس نے بڑی سختی سے
چھوڑ دینا تھا۔
انت پر دانت بھار کھکھ تھے۔

باہر نکلا تو راہداری دور تک سنان نظر آئی۔ وہ بہت اطمینان سے آہستہ آہستہ
بڑھتا رہا۔ اس پر فریڈی کو قتل کر دینے کا جنون اس بُری طرح طاری تھا کہ اپنے غیر مسلح
”میں پوچھتا ہوں یہ کیا مذاق ہے۔“ پندو پھر دہاڑا۔
”تم جیسے مخدوں سے میں مذاق ہی کرتا ہوں و لمب پندو..... اب چیکی تمہاری بے بی کا
اثار لیکھنا چاہتی ہے۔ فرزانہ اس نے ابھی تمہارے منہ پر گھونسہ مارا تھا۔“
بڑھتا رہا۔ اس پر فریڈی کو قتل کر دینے کا جنون اس بُری طرح طاری تھا کہ اپنے غیر مسلح
کردیوار خود بخوبی ہے اور یہاں سے نکل جانے کے لئے اسے کیا کرنا پڑا۔ گا۔
”ہاں مارا تو تھا.....!“ دیونی بھی اگریزی میں بولی۔
”ولیم پندو..... اب میں دیکھوں گا کہ تم کتنے طاقتور ہو۔ میں تم جیسے ہر کویں ناٹپ کو
وہ تو اس دیویکر عورت کو گھرے جارہا تھا جو غالباً اسے دیکھ کر ہی اپنی جگہ سے اٹھا دیا۔
”کیا مطلب..... تم کون ہو۔“ پندو بول کھلا کر بولا۔
”کرنل فریڈی..... جس کی بڑیاں توڑ دینے کا گیت گاتے تم اپنے ہیڈ کوارٹر سے چلے
ہوئی تھی۔ اس ندر جش کا کوئی مرد بھی آج تک پندو کی نظر سے نہیں گزرا تھا جو جائید عورت۔
”غیر اب غالباً تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں نے گراہم کے وہ کاغذات بھی کوڈ کر لئے ہیں۔
وہ گرتے گرتے سنبھلی اور بھکانی دے کر اس بار پندو کی کلائی پکڑ لی اور جھکا۔ کرنل نہیں
اسٹینٹ کو پہلی بار حضن اس لئے پھوز دیا تھا کہ وہ مجھ سے کاغذات کے بارے

زپی نے بیم پاہ آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرا نے لگا۔
”بیٹھ جاؤ حمید۔“ اُس نے اُس سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔
پنڈو کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ غصے کے مارے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

ایم پنڈو پہلے ہی کے سے بے تباہانہ انداز میں فریدی کے سر پر ماش کے ماہرانہ داؤں
پنڈو کو سنجھنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا
جیسے سارے جسم کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔

بندا فریدی نے پھر آنکھیں کھولیں اور حمید سے پوچھا۔ ”تم بھی ماش کرواؤ گے؟“
”اگر میں خواب نہیں دیکھ رہا تو یقیناً پاگل ہو گیا ہوں۔“ حمید ان دونوں کو گھوڑتا ہوا بولا۔
”ولیم پنڈو.....!“ فریدی نے اُسے اس طرح آواز دی جیسے وہ بہرہ ہو گیا ہو۔ حمید نے
ایو پونکھی نہ دیکھا۔ فریدی نے پھر آواز دی۔ لیکن ولیم پنڈو کچھ بولے بغیر بدستور اس
ہرمنی ماش کرتا رہا۔ پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دوسرے کمرے کے فرش پر کوئی وزنی چیز
لکھی جا رہی ہو۔

”وہرے ہی لمحے میں ایک بڑا بدنظر اور بوڑھا آدمی کہبوں کے مل گھستا ہوا اس
بے میں داخل ہوا۔ اس کی دونوں ٹانگیں بالکل مفتوح تھیں اور وہ غالباً کہبوں کے مل ہی
پناکارہ جنم کو گھیٹ سکتا تھا۔

اُن نے آنکھیں چھاڑ کر ولیم پنڈو کی طرف دیکھا اور انگریزی میں حلق نچاڑنے لگا۔
”لابم..... میرا جسم..... میرا جسم واپس کر دو..... حرامی..... سور کے بچے..... میرا
یہ میرا جسم ہے۔“

”میدا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔“ یہ ایسا زبردست ڈھنی جھٹکا تھا کہ اس کا پورا جسم کا پہنچنے لگا۔
ولیم پنڈو نے اس مفتوح بوڑھے کی طرف دیکھا اور فریدی سے ملتباہانہ انداز میں کہنے
لائیں گے۔ لیکن بنگلے میں قدم رکھتے ہی اُس پر شدید ترین بوكلا ہٹ کا دورہ پہنچا۔

فریدی ایک آرام کریں پر شم دراز تھا اور ولیم پنڈو پیچھے کھڑا کسی مشاق ماشتنے کی طرح
نیک کا سر چکرانے لگا اور پھر وہ کریں پیٹھ گیا۔ اس ڈھنی کیفیت کے ساتھ کھڑے رہنا

میں معلومات حاصل کرے۔ مجھے یقین تھا کہ تم اسے دوبارہ پکڑ داؤ گے۔ محض یہ معلوم کرنے
کے لئے کہ میں کوڈورڈز میں ترتیب دی ہوئی فہرست کوڈی کوڈ کر سکا ہوں یا نہیں۔“

اسکرین کی روشنی غالب ہو گئی۔ ساتھ ہی عورت نے اُس پر پھر چھلاگ لگائی۔ اس پر
پنڈو کو سنجھنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا
جیسے سارے جسم کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔



حمد کو تو اس وقت حالات کا اندازہ ہوا جب پولیس نے اس عمارت میں یلغار کر دی۔

ورنہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ فوج کی کوئی کالی بھیز پنڈو کو فریدی پر چڑھا لے گئی۔ کیونکہ وہاں سے
رخصت ہوتے وقت پنڈو نے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ کس طرح وہ فریدی پر چھلاگ لگانے
جا رہا ہے۔ اس عمارت میں پائے جانے والے سارے افراد گرفتار کر لئے گئے اور حمید پھر ریلوے
واپس پہنچ گیا کیونکہ ریمش کی زبانی فریدی کی طرف سے یہی ہدایت ملی تھی۔

دوسرے دن اسے گیارہ آدمیوں کی ایک لست ملی۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق انہیں
حراست میں لینا تھا۔ یہ سب فوجی عہد یہار تھے اور سب کے سب وہیں موجود نہیں تھے۔ لک
کے مختلف حصوں سے ان کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔

پورے ایک ہفتہ بعد حمید سرخاب ولی میں واپس پہنچ سکا۔ اب اس کی منزل ڈاکٹر نسل
کا پہاڑی بگل تھا۔ لیکن بنگلے میں قدم رکھتے ہی اُس پر شدید ترین بوكلا ہٹ کا دورہ پہنچا۔

فریدی ایک آرام کریں پر شم دراز تھا اور ولیم پنڈو پیچھے کھڑا کسی مشاق ماشتنے کی طرح
آس کے سر پر چپی کر رہا تھا۔

فریدی نے مفلوج بوزھے کو انگریزی میں کہا "ولیم پنڈو میں تمہیں اس تمہارے ہیڈ کوارٹر میں بھجوادوں گا..... مطمئن رہو۔ تمہارا اصل جسم جس ذہن کو خطا کر سکتا ہے۔ وہ بڑا اچھا مالشیا ہے..... تھکے ہوئے ذہنوں کو سکون بخش سکتا ہے۔ اس لئے انسان اس کی ضرورت ہے۔"

لہ کا یہ مطلب ہوا کہ نسل کا علاج بھی کامیاب رہا۔

"ذہن تو میں اسے اس پر آمادہ نہ کر سکتا۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

میدانے ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے وہ ال دین کے چاغ کا جن ہو۔

بنخدا اکثر علوی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت زیادہ گھبرا یا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آتے ہی

بات پوری طرح حمید کی سمجھ میں آچکی تھی۔ فریدی نے پنڈو کا مغز ایک مفلوج آہن دبلا۔ "کرٹل..... فوراً.....!"

کھوپڑی میں رکھوادیا تھا اور مفلوج آدی کے ذہن کو پنڈو کے جسم میں منتقل کر دیا گیا۔

"کیا بات ہے۔"

"اُن نے خود کشی کر لی۔"

"کس نے.....؟" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"نسل کی سکریٹری رہیکانے..... سر میں گولی مار لی۔"

"نسل کہاں ہے؟"

"وہ سب گرفتار کر لے گے..... لیکن یہ آپ نے کیا کیا ہے؟"

"پنڈو کے ہیڈ کوارٹر کے لئے تھے۔" اس نے مفلوج بوزھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اپنے ریٹائرمنٹ روم میں سورہا ہے۔ اُسے اس کا علم نہیں۔" ایک مفلوج آدی کو تو اتنا جسم کی ضرورت تھی کہ اس سے یہ اپنی روزی کمائے گا۔

زبیدی تھے خانے کی طرف چھٹا۔ حمید اس کے پیچے تھا۔ اکثر علوی نے اس جگہ تک ان پھر اس نے مالشے سے کہا کہ اب وہ آرام کرے۔ وہ فریدی کے بانوں میں سکھا کرے۔ انہائی کی بھائی کی لاش کیمھی تھی۔ بڑا متاثر کن منظر تھا۔ وہ فرش پر پڑی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

پنڈو وہیں سرڈا لے پڑا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے جیج کر بیہوش ہو گیا ہو۔

"یہ کیا ہوا.....؟" حمید نے پوچھا۔ لیکن فریدی خاموشی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

فریدی بولا۔ "وہ گیارہ ایسے افراد ہیں جن کے سروں میں غیر ملکی دماغ منتقل کئے گئے۔ اس کی آنکھوں میں پشمیانی دیکھی تھی۔"

"وہرے کمرے میں آئے۔ فریدی بڑا بڑا۔ میں مجبور تھا۔ کیا کرتا..... میں اسی وعدہ پر تھا اور گرام نے اپنی یادداشت کے لئے ان کی فہرست کوڈ ورڈ میں تیار کی تھی۔ پھر غائب آئیں کہ ایک نقل اپنے ہیڈ کوارٹر کو بھی رو انہ کردی تھی۔ میرا خیال ہے کہ ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنا۔" "بادا، آپریشن پر آمادہ کر کا تھا کہ اس کی اعصابی کمزوری کا علاج طب یونانی کے ایک شکن کے ذریعہ کر دوں گا۔ رہیکا نہیں چاہتی تھی کہ اس میں کوئی تبدیلی ہو۔ وہ اپنے ہمدردی فہب کو ماتا کا نام دیتی تھی۔ بڑی ہی عجیب عورت تھی۔ میں اس کے لئے مغموم ہوں۔"

نہیں پہنچنے بولا۔

بھوکر بجد نسل کو بھی اس حداثے کا علم ہو گیا۔ اس نے فریدی سے درخواست کی تھی

جسموں کی تبدیلیاں عمل میں لائی جا چکی ہیں جو ایک دوسرے کے دعے دار تھے۔"

جاسوی دنیا نمبر 102

کہ اُس کی لاش دکھائی جائے۔

فریدی نہیں چاہتا تھا لیکن دوسرا ڈاکٹروں کی سفارش پر اسے اجازت دیتی تھی۔
یہ کچھ اچھا نہ ہوا۔ فریدی کی ایکسیم تھی کہ اپنے ڈاکٹروں کو ٹیڈل سے اس آپریشن کی زیر
دلا نے کی کوشش کرے گا۔ لیکن چھر ٹیڈل کسی کام کا نہ رہا۔ بے ہوش ہو کر ریکا کی لاش پر
اور دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد ہوش مند نہیں کہلایا جا سکتا تھا۔

تمام شد

خوفناک منصوبہ

(کامل حصہ)

اس بار تصریح کے لئے بے شمار خطوط میری میز پر موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر نصیحت نامے ہیں۔ یا پھر کچھ اس قسم کے کہ آپ کا نوٹس ملایہ روز روز قیمت بڑھادینے کی دھمکی کیوں؟ اور بڑھا بھی چکنے کی صورت۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کتاب ہر ماہ پابندی سے آنی چاہئے۔

ایک صاحب نے میری ایک بہت بڑی غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مجھے خود بھی اُس غلطی کا احساس تھا لیکن یہ پہلے آدی ہیں جنہوں نے اس پر دھیان دیا۔ بہر حال مجھے اپنی غلطی تسلیم۔ فریدی کے والد صاحب کا نام نواب عزیز الدین خاں تھا۔ اگر ”فریدی اور لیونارڈ“ میں نواب عابد علی خاں درج ہے تو براوا کرم اُسے قفسہ در کر کے عزیز الدین خاں ہی لکھ دیجئے۔ نواب عابد علی خاں تو فریدی کے تایازاد ماموں کے سمجھتے تھے۔ تھے کیا..... اب بھی ہیں۔ پاپوں گمراہ میں رہتے ہیں۔ پاپوں گمراہ کی ایک بستی ہے۔ سناء ہے اب اُس کا نام بھی بدل کر الٹاف گمراہ دیا گیا ہے۔

پیش رس

جاسوی دنیا کا ایک سو دوسرا ناول ”خوفاک منصوبہ“ ملاحظہ فرمائیے۔ ”باعث تاخیر“ جو کچھ بھی تھا اُس سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ لہذا اُس تاخیر ہو گئی اور آپ تو میری اس ”عادت“ کے عادی ہو گئے ہیں۔

”خوفاک منصوبہ“ جاسوی دنیا کے سلسلے میں ایک نیا تجربہ ہے۔ اس سے پہلے ہر باب کا ایک عنوان ہوا کرتا تھا لیکن اس بار عمران سیریز کے ناولوں کی طرح یہ ناول بھی بغیر عنوانات کے ابواب پر مشتمل ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اس طرح کہانی کا تسلسل کچھ اور ابھر آیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

کچھلی بار صرف گرانی کاروبار نے کے بعد کتاب کی قیمت بڑھانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ قیمت بڑھائی جائے یا نہ بڑھائی جائے۔ پھر اچانک کم جولاٹی سے محسول ڈاک میں بھی پچاس فیصد کا اضافہ ہو گیا۔ لہذا اب نی کتاب پیچیں پیے کا اضافہ قبول فرمائیے۔

ابن مسعود

۱۹۶۸ جولائی ۱۳

پس درجت کھڑا رہا پھر راہداری کی روشنی کا سورج آف کر دیا۔
پوری راہداری تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔

فلیٹ کے دروازے کے قریب پہنچ کر قفل کے سوراخ کو انگلی سے نولتے ہوئے دوسرے
ہدے اسی میں ایک سنجی لگائی۔ قفل بہ آسانی کھل گیا۔

پینڈل گھما کر دروازے کو بآہنگی کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔
اب وہ دروازہ بند کر کے اسے اندر سے مغلل کر رہا تھا۔

کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ چند لمحے وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا پھر جیب سے ٹارچ
کاں روشنی کا دائرہ دوسرے دروازے پر پڑا۔ یہ بھی بند تھا۔

سیاہ پوش نے دوسرا سنجی نکالی۔ وہ دروازہ بھی کھلا اور تاریکی میں گہری بیز روشنی کا
لعلیکم چکھ جیب سا تاثر پیش کرنے لگا۔

یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ وہ اندر داخل ہوا با میں جانب مسہری پر ایک دیو قامت آدمی
ہوا تھا۔ سیاہ پوش وہیں رک گیا اور اس دیو قامت سونے والے کو گھوڑتا رہا۔

وہ بآہنگی ایک زینہ طے کر کے اوپری منزل کی طرف جا رہا تھا۔ سرناپا بنا
اب وہ پتوں کو با میں ہاتھ میں سنبھال کر داہنی جیب سے چڑے کا چاپک نکالنے کا جو
پوش..... چہرے پر بھی سیاہ غلاف چڑھا ہوا تھا جس میں صرف آنکھوں کی جگہ دروازہ تھا۔ لے کی شکل میں لپٹا ہوا تھا۔

ہر چند کہ آشابلڈنگ کے زینے اس وقت سنان پڑے تھے لیکن پھر بھی اس کا طبلہ
قابل داد تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس بیست کذائی میں اپنے دیکھ لئے جانے کا خدا
عہلانا ہوا انگھ بیٹھا۔

”ہوش میں آؤ۔“ سیاہ پوش غرایا۔

اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دیو قامت سچے مجھے ہوش میں آگیا ہو۔
چاڑھانے کا سامان دار رکھنے والی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔
”لگ..... کیا بات ہے۔ بب باس.....!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں ہکلایا۔ اس کی نظر
اپنکی بجائے پتوں پر جسی ہوئی تھی۔



اس وقت اگر اچاک زینے پر کوئی تنہ آدمی اسے دیکھ لیتا تو جیج جیج کر پوری عمارت /
اٹھالیت۔ وہ طویل قامت اور چوڑے شانوں والا تھا۔ زینے طے کرنے کے انداز سے معلوم /
تھا جیسے وہ پوری قوت سے زمین پر پیدا رکھنے کا عادی ہو۔

اوپری منزل کی راہداری بھی سنان پڑی تھی۔ وہ ایک فلیٹ کے سامنے رکا۔ پڑھ

"تیرے لئے ایک کام ہے۔" سیاہ پوش نے سرد لبجھ میں کہا۔

"لگ..... کام.....!" وہ سر سے چیر ملک کا کانپ گیا۔

"کیوں کیا بات ہے۔ تو کانپ رہا ہے۔"

"اجکشن باس..... وہ انجشن عی سب سے بڑا کام ہے۔ میں بے موت مر جاتا ہوں، ہمپنی کی بوتل نکال کر ہونتوں سے لگائی۔ مجھ سے کہو میں کسی ریلوے انجن سے نکل رہے لوں۔ لیکن وہ انجشن.....!"

"ہاں..... وہ انجشن ضروری ہے۔"

"میں جان کنی میں بیٹلا ہو جاتا ہوں باس۔ ریکس کھینچتی ہیں۔ ہمیاں چھٹی ہیں جنم کا ریڈ رن نک بھی پہنچ سکتے۔"

"تو انکار کر رہا ہے؟" دھنعتا سیاہ پوش کی آواز بلند ہو گئی۔

"زن نہیں تو باس..... میں نمک حرام نہیں ہوں۔ اس پہاڑ سے جسم کے لئے تم ہی تو غذا۔" دھوپریک آدمی کی غراہت سے کرہ گونخ اٹھا۔ پھر اس کے بھاری جبڑے ل گئے۔ دہانہ کسی قدر کھلا اور ایک پل کے لئے دانتوں کی بھیانہ چک دکھائی دی۔

"خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔" سیاہ پوش نے پستول کی ہاتھ سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ذرا مجھے ایک گاں خمنڈا پانی پی لینے دو باس۔ کیونکہ میں جہنم میں چھلانگ لگانے جاتا ہوں گیا ہو۔ آنکھوں میں خوفزدگی کے آثار پھر نظر آنے لگے۔" سیاہ پوش اس طرح چونکا تھا جیسے اس دوران میں وہ پستول اُس کے ذہن

"لیکن تو یہ نہیں دیکھتا کہ اسکے بعد ایک بلڈ ہاؤٹ سے بھی زیادہ ذکر اُسکے بھانہ جاتا ہے۔ ماں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

"بعد کی باتیں ہیں باس..... پہلے تو.....!"

"بس اب خاموش رہ۔" سیاہ پوش کی آواز پھر بلند ہو گئی۔ "میں بہت جلد اس میں لگا تبدیلیاں کرنے والا ہوں کہ یہ اتنا تکلیف دہنہ رہ جائے گا۔"

"مگر..... ابھی تو.....!"

"ش اپ..... انہوں اور وہاں چلو جہاں سے تمہیں پانی پینا ہے۔" دیو قامت آدمی کراہتا ہوا اٹھا۔ سیاہ پوش ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

لیکن پستول کا رخ دیو قامت عی کی طرف رہا اور اس کی خوفزدہ آنکھیں بھی پستول ہی؛

ہملا چھلا۔

اُس نے باسیں جانب والا دروازہ کھولا۔ سیاہ پوش اس کے پیچے چل رہا تھا۔

زراہنگ روم کے ایک گوٹے میں ریفارج بھرٹر دکھائی دیا۔ دیو قامت آدمی نے اُس میں اپنی کی بوتل نکال کر ہونتوں سے لگائی۔

پرے بڑے گھوٹوں کی آواز کرے میں گونخ رعنی تھی۔ بوتل خالی کر کے فرقع پر رکھے اس نے تمیش کی آستین سے ہونٹ خنک کئے اور سیاہ پوش کی طرف مڑا۔

"ہاں..... وہ انجشن ضروری ہے۔"

"باس.....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کتنی خواہش ہے کہ کبھی میرا ہاتھ تمہاری ریشر پھوزا بن جاتا ہے۔"

"میرے لئے بھی وہ دن دچھپی سے خالی نہ ہو گا۔" سیاہ پوش کا لبجھ سرد تھا۔

"زن نہیں تو باس..... میں نمک حرام نہیں ہوں۔ اس پہاڑ سے جسم کے لئے تم ہی تو غذا۔" دھوپریک آدمی کی غراہت سے کرہ گونخ اٹھا۔ پھر اس کے بھاری جبڑے مہیا کرتے ہو۔"

"خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔"

"اُس پر دیو قامت آدمی اس طرح چونکا تھا جیسے اس دوران میں وہ پستول اُس کے ذہن خوب ہو گیا ہو۔ آنکھوں میں خوفزدگی کے آثار پھر نظر آنے لگے۔" سیاہ پوش اس طرح چونکا تھا جیسے اس دوران میں وہ پستول اُس کے ذہن

"لیکن تو یہ نہیں دیکھتا کہ اسکے بعد ایک بلڈ ہاؤٹ سے بھی زیادہ ذکر اُسکے بھانہ جاتا ہے۔ ماں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

"بعد کی باتیں ہیں باس..... پہلے تو.....!"

"بس اب خاموش رہ۔" سیاہ پوش کی آواز پھر بلند ہو گئی۔ "میں بہت جلد اس میں لگا تبدیلیاں کرنے والا ہوں کہ یہ اتنا تکلیف دہنہ رہ جائے گا۔"

"کو جلدی سے..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

دے سکتا۔ پانچ منٹ میں سامان ہٹاؤ اور پانچ منٹ کے دوران خون کو دوبارہ مہمول ہوا۔ سیاہ پوش کے حلق سے ایک بے ہمگم سی جیخ نکلی اور وہ دھڑام سے فرش پر آگرا۔ کے لئے کافی ہوں گے۔ بس اب جلدی کرو۔“

سیاہ پوش اچھل کر پچھے ہٹ گیا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے دیو قامت آدمی نے سیاہ پوش دروازہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا اور دیو قامت نے اس کرے کا ٹینڈا پہنچ کر اس پر چھلانگ لگائی ہو اور وہ اپنے پیچاؤ کے لئے پچھے ہٹ گیا ہو۔ دوسرا سرے کمرے میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ وہ بہت بھاری بھر کم تھا لیکن حیرت انگیز بھر تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کے مل فرش پر گرا تھا اور دوبارہ اٹھنے کی کوشش کریں رہا تھا کہ پھر چینا ساتھ اس نے سارا کام صرف تین منٹ میں پندا دیا۔

”اسے بھی ہٹاؤ گے۔“ سیاہ پوش نے سرخ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”نہیں۔“ دیو پیکر آدمی نے سختی سے کہا۔ اس کے چہرے پر پھر جھلابت کے آہنے سیاہ پوش بھی اس دوران میں کسی ایک جگہ نہیں کھڑا رہا تھا۔ کرب میں جتنا دیو قامت آنے لگے تھے۔ ہی کی پوزیشن سے ساتھ ہی اس کی پوزیشن بھی تبدیل ہوتی رہی تھی اور وہ تھوڑی تھوڑی دیر

”اچھا تو سرخ اٹھاؤ۔“ سیاہ پوش نے پستول والے ہاتھ کو جنبش دے کر کہا۔

دیو پیکر نے میز پر رکھے ہوئے پیکٹ سے سرخ نکالی جس میں کسی قسم کا سیال بھرا ہوا تھا۔ پورہ منٹ بعد اس دیو قامت آدمی پر وہ شنیخی دورہ ختم ہو گیا اور اب وہ فرش پر سجدے کی ”جب تک تم میری گرفت میں نہیں آتے..... پھر دیکھنا۔“ وہ سیاہ پوش کی طرف نکلا۔ اس کا مسلسل غراہٹ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ زناک آواز تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اپنے جمنڈ سے بچھرا ہوا کوئی غصباک بھیڑ یا غرار ہا ہو۔

”چلو.....!“ پستول کو پھر جنبش ہوئی اور دیو پیکر کی توجہ سیاہ پوش سے ہٹ کر صرف بہڑا سیاہ پوش نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آپنچا۔

کی طرف مبذول ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے پھر خوف جھانکنے لگا۔

”جلدی کرو۔“ اس بار پستول کی جنبش ہمکی سے بھر پور تھی۔

دیو قامت آدمی نے بائیں بازو میں سرخ کی سوئی چھائی اور آہستہ آہستہ پٹھن بنا۔ آہستہ آدمی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔

اب وہ سرخ کو پھینک کر آہستہ آہستہ اٹے پاؤں پشت والی دیوار کی طرف جا رہا تھا۔

سیاہ پوش نے جھک کر فرش سے سرخ اٹھائی اور اسے دوبارہ پیکٹ میں رکھ کر جب تما

ڈال لیا۔

دیو قامت آدمی دیوار سے لگا کھڑا اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے کسی بہت بڑے دزن

ساتھ سینکڑوں میل پیدل طے کئے ہوں۔ پھیل ہوئی آنکھوں سے وحشت پک رہی تھی۔

”تمہیں اس کی گردن توڑ دینی ہے۔“ سیاہ پوش نے آہستہ سے کہا۔

دیو قامت اسے بدستور سو لکھے جا رہا تھا۔

”تمہیں اس کی گردن تو دینی ہے۔“ سیاہ پوش نے پھر سرگوشی کی۔
دیو قامت نے سراخا کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔
”تمہیں اس کی گردن تو دینی ہے۔“ سیاہ پوش کی سرگوشی جاری رہی۔
”تمہیں اس کی گردن تو دینی ہے۔“

نہ ہے تھے یا اُسے تغیر آمیر ناظروں سے گھور رہے تھے۔ حمید نے سوچا کہ اس وقت تو یہ چیز
بیٹھ میں لمبی ہے اگر کبھی اسکرٹ میں غصہ آگیا تو کیا ہو گا۔

ہائی سرکل کلب کا نامہ سانگ بھر اپنے آفس کے دروازے پر کھڑا اس طرح خلاء میں
بیٹھ جا رہا تھا جیسے بحالت بیداری کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

حمدی نے اُس کے قریب تکنیک کر اُسے ٹھوکا دیا اور وہ یوکھلا کر اس کی طرف پلت پڑا۔

”اوہ.....!“ اُس کے منہ سے ایسے انداز میں لٹکا چیسے اب جان میں جان آئی ہو۔ پھر
اُفغانہ ملی کے ساتھ بولا۔ ”دیکھئے..... ذرا دیکھئے پتان صاحب! ایسے غصے پر پیار آجائے
کی شاعر کو خدا کی قسم اپنی بیاض پھاڑ دوں۔“

”لیکن اس غصے میں کس پیار کی شامت پوشیدہ ہے۔“ حمید نے لاکی کی طرف ہاتھ اٹھا
لپچا۔

وہ عجیب لاکی تھی۔ ہائی سرکل کلب میں اُس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ غصے کی عالم
میں غیر متوقع حرکتیں کرتی تھیں ہے۔ لیکن کیپن حمید نے اُسے آج تک غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

”مجھے تو اُس کا نام لکھ نہیں معلوم۔“ حمید نے کہا اور شیخ نے اُسے اس طرح نیچے سے
بڑی خوبصورت مسکراہٹ اُس کے ہونوں پر ہر وقت کھلیت رہتی۔ اکثر وہ اپنے میرپنا اپنے دیکھا تھا۔

”یقین کرو! میں نہیں جانتا۔“ حمید بولا۔

”جتاب..... نام ہی روزا اپ سائیڈ ڈاؤن ہے۔“ اُس کی ٹھوڑی کا گڑھا حمید کو بہت پسند تھا۔ وہ اکثر سوچتا کہ اُسے چاہ زندگی کیوں کرنے
ہیں۔ یلفظ تو کچھ گالی سالگرتا ہے۔ کوئی خوبصورت سانام ہونا چاہئے تھا۔

اس نے اُسے ہمیشہ مسکراتے دیکھا تھا لیکن آج وہ اُسے عجیب عالم میں نظر آئی۔
لماکہ۔

ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اُس پر نظر پڑی تھی کیوں نہ پڑتی بُب کا۔
خیبر کچھ نہ بولا۔ وہ پھر اُس لاکی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

ایک میز پر سر کے مل کھڑی بے تحاشہ چیخنے جا رہی تھی۔ نلا اگریز تھی۔ اس لئے جو کچھ بھی اُن
کی زبان سے نکل رہا تھا آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ پھر بھی حمید نے انداز کر لیا کہ اُن کی نسبت آدمی تھا۔ لباس کے رکھ رکھاؤ میں نفاست پسندی کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ جامہ زیب
غصے ہی میں ہو سکتی ہے۔

اس کے باوجود بھی ہال میں کسی قسم کی اتری نہ دکھائی دی۔ لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے۔
اس نے خیبر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر غصیلے لمحے میں کہا۔ ”میں نے تمہیں سمجھا دیا تھا۔“

نیجر شاید اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا جیسے ہی اُس نے اُس کے مثانے پر باختر نہیں تھا تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“
وہ اچھل پڑا تھا۔

”وہ دیکھو۔“ حمید ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”دیوار پر وہ فریم جس میں تحریر ہے آہستہ

ٹکوئے کجھے۔“

”میں دیکھ رہا ہوں۔“ نیجر بولا۔

”کیا تم دوسرا فریم کا انتظام نہیں کر سکتے تھے جس میں تحریر ہوتا کہ یہاں سر کے مل

”جج..... جتاب عالیٰ میں بے بس ہوں۔“

”میں نے تم سے کہا تھا کہ اُسے غصہ نہ آنے پائے۔“

”درست ہے..... درست ہے..... لیکن بقول شاعر۔“

”نہیں تم نے اختیاط نہیں بر قی۔“

”چلنے میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اب تو انہیں کسی طرح سیدھا کجھے۔“ نووارد میں ہوتا منع ہے۔“

کے گرد بھیڑ اکٹھا ہو جائے گی۔“

”یہ بات آپ اپنے کلب کے قوانین میں شامل کر سکتے ہیں۔ اُس کے بعد اگر کوئی ایسی

”میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ نووارد ہاتھ ملتا ہوا مایوسانہ لجھے میں بولا۔

”معاف کجھے گا غلطی آپ سے ہوئی ہے۔“ نیجر نے مٹھنی سانس لے کر کہا۔ دوسرا صورت میں قطعی نہیں۔“

”آپ کی تعریف جتاب۔“ دھنعتا نووارد حمید کی طرف مصلحتے کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

”کیا مطلب.....؟“

”میں غلط نہیں کہ رہا۔ آپ کو انہیں یورپ سے یہاں نہ لانا چاہئے تھا۔ یہاں کا گونا۔“ میرا نام ساجد حمید ہے اور میں محکمہ داخلہ سے تعلق رکھتا ہوں۔“ حمید نے بڑی گرم جوشی

غھے میں خود سر کے مل کھڑی نہیں ہوتیں بلکہ دوسروں کو کر دیتی ہیں۔ لہذا ہماری سوسائٹی میں سے معافہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اور دخل درنا“ معقولات میرے فرائض میں داخل ہے۔ یقین کجھے

محمد عرب بن کرہہ گئی ہیں۔ کچھ تجھ نہیں کہ یہاں کے مرد انہیں دیوی سمجھ کر پوچھ لگتے۔ ”گاؤں میں میں کوئی ایسی دفعہ نہیں جو کسی شہری کو سر کے مل کھڑے ہونے سے روک سکے۔“

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر جتاب۔“ نووارد سنجیدگی سے بولا۔

”چھوڑو..... ختم کرو..... یہ بتاؤ اس وقت کیا کیا جائے۔“

”میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔“ نیجر نے کسی قدر ناخوگوار لجھے میں کہا۔ ”میں تو محظا ہو۔“

کی مردوں میں سب کچھ برداشت کر رہا ہوں۔ ارے جتاب..... وہی کل ہی کی بات ہے لا۔“

”لہذا اب مجھے اجازت دیجئے۔“ نیجر نے برا سامنہ بنا کر کہا اور اپنے آفس میں چلا گیا۔

آن دونوں نے مڑ کر اسے جاتے دیکھا تھا لیکن اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں تھا۔

پرانی کا دورہ پڑا تھا۔ مسلسل دو گھنٹے تک بھتی رہی تھی۔ چلنے ہنسنے کی بات ایسی نہیں کہی۔ اس نے حمید کو سگریٹ پیش کئے۔

اعتراض ہو سکے۔“

”یہ لڑکی میرے لئے مصیبت بن گئی ہے۔“ نووارد بولا۔

”تو اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ دھنعتا حمید بگزر بولا۔

”آپ سے کیا تعلق اس کا۔“ حمید نے حرمت ظاہر کی۔

”جی.....!“ بیک وقت دونوں کی زبانوں سے نکلا۔

”صرف مجھ سے متعلق ہے یہاں اور کسی سے بھی نہیں۔“

”جی ہاں.....!“ حمید با قاعدہ طور پر چڑھ دوڑا۔ ”اگر وہ اپنی میز پر سر کے مل کھڑا۔“

”آپ کی باتمی بھی دچکپ ہیں۔“ حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک میز کی طرف یہ ”صاحب ان مصنفوں نے بیشروں کو طرح طرح کے ذہنی امراض میں جلا کر رکھا ہے۔ ہوئے گہا۔ لہ کی اب بھی اسی طرح میز پر سر کے مل کھڑی تھی۔

”خود کو مہارانی کہنے لگی تھی۔ مہاراجہ ڈونگا بونگا کی دھرم پتی۔ بدقت تمام ایک ماہر وہ دونوں بیٹھے گئے۔ نووارد حمید سے کہہ رہا تھا۔“ میں نے اکثر آپ کو یہاں دیکھا ہے۔ پتنے اُسے بتایا کہ وہ صرف روز اپسیداً اُن ہے۔“ لیکن آپ سے تعارف حاصل نہیں تھا۔“

”تعارف ہوتے کتنی دیر لگتی ہے جتاب۔“ حمید پاؤچ سے تمبا کو نکال کر پانچ میلہ۔ ”مرض سے صحت پانے کے بعد وہ خود کو بھی کہنے لگی ہے۔ ویسے وہ اپسیداً اُن خاندان ہوا بولا۔“ تعارف حاصل کرنے کے ایسے گھنیطاً طریقے تو اختیار نہیں کر سکتا۔“

”لہ کمی ہے۔ مشرق کے متعلق اس کا مطالعہ، بہت وسیع ہے۔ یوگا پر اتحاری سمجھتے۔“ دوسرا جملہ اُس نے لڑکی کی طرف ہاتھ اٹھا کر ادا کیا تھا۔

”اوہ..... نہیں..... ایسا نہ کہتے۔ یہ بچی مظلوم ہے۔“ نووارد نے معموم لمحے میں کلد حمید اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد نووارد پھر بولا۔ ”وہ بیمار تھی۔ تبریز اُب وہا کے لئے الگینڈ سے یہاں لا یا ہوں۔“

”دost میں آپ کی؟“

”میرے ایک دost کی بیٹی ہے۔“ نووارد نے شندی سانس لے کر کہا۔ ”مرض ہے۔“ شرتی تھا اس لئے میں اُسے یہاں لا یا ہوں۔“

”لیکن فتحیر دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے انہیں کی طرف آ رہا تھا۔“ حمید اٹھ کر اُس کے ساتھ دفتر کی طرف جاتا ہوا بولا۔ ”Dینیا کے کسی گوشے میں بھی مجھے شرتی.....!“ حمید نے حرمت سے کہا۔ ”میں نہیں سمجھتا۔“

”بھتی..... یہ بچپن ہی سے اُنکی کہانیوں کی دلدادہ رعنی تھی جو مشرق سے متعلق ہوں۔“ بعض انگریز مصنفوں نے مشرق کے بارے میں بڑی پُر اسرار کہانیاں لکھی ہیں۔ انہیں پڑھا۔ ”Dینیا تھا۔“

”لیا مطلب.....؟“

کریم مشرق کے جنوں میں جلا ہوئی۔ حالانکہ اُن بیچارے مصنفوں کی معلومات کا یہ عالم ہے۔“ ایک صاحب نے اپنے ناول میں ایک شرتی شہزادے کی آن بان کا تذکرہ کرتے ہوئے

”بے کہ ہاتھی پر حد کس دیا گیا اور شہزادہ اپنے قیمتی لباس کو سنجھاتا ہوا حصے پر جا بیٹھا۔“

”حصے پر.....!“ حمید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔

”جی ہاں..... مصنف صاحب کو ہو دے کی جائے حد تھی یاد آیا تھا لکھتے وقت۔“

”جید ہنس پڑا۔ لیکن نووارد کی تیوریاں بدستور چڑھی رہیں۔“

”ناصر مرزا.....!“

”کون ہو سکتا ہے“ حمید نے اسے سمجھ رہے ہوئے پوچھا۔
 ”پہنچنے لیکن..... میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے۔“
 ”ریسیور کو میز ہی پر پڑا رہنے دو۔ میں ابھی آیا۔“ حمید نے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔
 اب وہ بڑی تحری سے اُس گوشے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں گاہوں کے استعمال کے
 بیانیں فون بتوھ واقع تھا۔

وون پر اُس نے ایکس چینچ کے نمبر ڈائل کئے اور اپنے ملکے کے حوالے سے گفتگو کرتا ہوا
 ”نوی طور پر بتاؤ کہ فون نمبر تین دو پانچ چھ کس نمبر سے ملا ہوا ہے۔“
 ”بہت بہتر جتاب۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ہولڈ آن کیجئے۔“
 اور پھر کچھ دیر بعد نمبر بھی بتا دیا گیا۔ اس کے بعد حمید نے اُس نمبر کے پتے کا مطالبه کیا۔
 ”قریبی سیون تھری..... جہاں کیروڑ۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
 حمید سلسلہ مقطع کر کے پھر شیر کے آفس میں واپس آیا۔ وہ اب بھی وہیں کھڑا فون کے
 پر گورے جارہا تھا۔

”سیون فائیٹو ایٹ پر کون ہے۔“ حمید نے اس کے شانبے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔
 ”میں.....!“ وہ اچھل پڑا۔
 حمید نے پھر اپنا سوال دہرا لیا اور شیر میز پر جھک کر ایک ڈائری کی ورق گردانی کرنے
 لیا۔ پس سر ہا کھڑا ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”وہ تو..... وہ تو..... ایک غیر ملکی ہے۔“

”نام بتاؤ۔“ حمید غرایا۔ ”پتہ بھی چاہئے۔“

”قریبی سیون تھری جہاں کیروڑ..... نام آر تھر جیکپن.....!“

حمد نے پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے اب بھی رابطہ قائم تھا۔
 ”لاؤں علی کی ”ٹوں ٹوں“ کے علاوہ اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔

”بھلا اس آر تھر جیکپن نے اس وقت تمہیں فون کیوں کیا۔“
 ”تلی..... میں..... وہ دراصل..... عجیب چکر ہے۔“

”ظاہر مرزا بھی ہو سکتا ہے تو پھر.....!“
 ”خدا کی پناہ۔ کیا یہ نام آپ کے لئے چونکا دینے والا نہیں ہے۔“
 ”تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“
 ”وہ آدمی ہے کہ پل بھر میں آپ کا عہدہ وغیرہ سب خاک میں ملا سکتا ہے۔ ملکہ فون بتوھ واقع تھا۔“
 ”بہت اونچی اونچی خصیتوں سے اُس کے مراسم ہیں۔“
 ”تم مجھے اس کے سامنے بھی بتائتے تھے۔“
 ”آپ تو پہنچنیں کس قماش کے آدمی ہیں۔“ ”فیجر جھنجلا کر بولا۔“
 ”بقول شاعر..... تکی برباد..... گناہ لازم۔“
 ”تم مجھے وہاں سے کیوں اٹھالائے ہو۔“ حمید نے سخت لمحے میں پوچھا۔
 ”صاحب تشریف لے جائیے۔ جان چھوڑیے میری۔“ ”شجر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔“
 ”تمہیں بتانا پڑے گا۔“
 ”ارے جتاب میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اُس پر آپ کے ملکے یا عہدے کا زرع نہ
 پڑسکتا۔ جب چاہے آپ کے ذی آئی جی صاحب علی کا بستر گول کرا سکتا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھے؟“
 ”اس نے بات پوری نہیں کی تھی کہ فون کی گھنٹی نج اٹھی۔“
 ”شیر نے ریسیور اٹھا لیا اور حیرت سے منہ چھڑاے کچھ سنا رہا۔ پھر پھٹی پھٹی کی آواز نہ
 بولا۔ ”تم کون ہو..... بیلو..... بیلو.....!“
 ”یک بیک وہ اچھل پڑا اور مجنونانہ انداز میں حمید سے بولا۔ ”کوئی اُسے مارے ڈالا!
 ہے۔ اُس کا گلا گھوٹ رہا ہے۔“

حمد نے ریسیور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اب وہ بھی ایسی عی آواز سن رہا تھا۔
 کسی گھنٹے ہوئے گلے سے نکلتی ہے۔
 پھر وہ آواز آنی بند ہو گئی۔ لیکن سلسلہ مقطع نہیں ہوا تھا۔ حمید نے ریسیور کر ٹیل؛ کہ
 کی جائے میز پر ڈال دیا۔ شیر اب بھی حیرت سے آنکھیں چھڑاے ہو کا بکا کھڑا تھا۔

بھرے۔ البتہ یہ لڑکی اس کی زندگی میں چند خونگوار بحاجات کا اضافہ کر سکے گی۔
فارج جاری رہا۔ وہ لڑکی سے متعارف ہوتا چاہتا تھا۔ عرصہ سے زندگی کی سانسیت کا شکار
بھی نہیں۔ کہیں بھی تو کوئی ناٹھی نہیں۔ زندگی کو یاد پیوس کا بخبر ہو کرہ گئی تھی۔
اُس لڑکی سے متعارف ہو گیا تو شائد کچھ دنوں کے لئے انواع اقسام کی بورتوں سے
پہل جائے۔ کیا چیز ہے؟ غصہ آیا تو سر کے مل کھڑی ہو گئی۔ اس کی پروادہ کے بغیر کہ وہ
پہن ایک بھرے ہے۔ کلب میں موجود ہے۔

لوکی تیز رفتاری سے راست طے کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حمید نے محبوں کیا کہ وہ بذریع
حید پھر ہال میں واپس آ گیا تھا۔ لیکن اب اسے نہ وہ لڑکی نظر آئی اور نہ اس کا بزرگ
ناصر مرزا۔ ہری کی رفتار کم کرتی جا رہی ہے۔ پھر اس نے اسے چوراہے سے جھانکیر روڈ پر مڑتے
ہال ایک طویل سانس لی۔

وہ صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر برآمدے میں قدم رکھا ہی تھا کہ ٹھنک جانا پڑا۔
دونوں برآمدے میں کھڑے ناخنگوار بچہ میں گفتگو کر رہے تھے۔
ناقب جاری رہا۔ لیکن زیادہ دیر تک نہیں۔ لڑکی نے اپنی گاڑی ایک چھوٹی سی عمارت
باٹھ کرہی تھی۔ حید اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا اور کچھ دور جا کر یونہن لیتا ہوا پھر اسی
بانے روکی تھی۔ دیکھو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں یہاں تمہارا امر بی ہوں۔ تمہارے باپ سے میں نا
 وعدہ کیا تھا کہ ہر طرح تمہاری دیکھے بھال کروں گا۔

لڑکی کی گاڑی خالی تھی۔

فتادہ چونک پڑا۔ یہ جھانکیر روڈ تھی۔ فیجر نے فون کاں کے سلسلے میں جھانکیر روڈ کی
نمبر تین سو تھری کا تو تذکرہ کیا تھا اور یہ..... یہ عمارت..... اوہ..... نمبر اتنے فاصلے
ہل صاف پڑھے جاسکتے تھے۔ چاٹک کے ایک سوں پر تین سو تھر تھری تھا۔

میں نے تمہاراہ اندراز میں ہونٹ سکوڑے اور لنکن سے یقچے آت آیا۔ اب وہ نیم پلیٹ بھی
تموزی دیر بعد وہ اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ لڑکی ایک چھوٹی سی کارڈ رائیو کر رہی تھی
اور حمید لنکن میں تھا۔

فختا اسے پھر فون کا خیال آیا اور وہ سوچنے لگا کہ آخر اسے اس سے مکیا سر دکار۔ کیا
بانک افت چڑیاں تھا جس کا انتظام اصل عمارت کے قریب ہوا تھا۔

”جلدی بیاؤ..... کسی تمہید کی ضرورت نہیں۔“

”وہ روزانہ فون کر کے اس لڑکی کے بارے میں پوچھتا ہے۔“

”کس لڑکی کے بارے میں۔“

”وہی جو میز پر کے مل کھڑی ہے۔“

”تم نے اس کا پتہ کیوں لکھ رکھا ہے اپنی ڈائری میں۔“

”وہ مجھ سے دوستی کا خواہاں ہے۔ زبردستی فوٹ کر لایا تھا انہا پتہ۔“

حید پھر ہال میں واپس آ گیا تھا۔ لیکن اب اسے نہ وہ لڑکی نظر آئی اور نہ اس کا بزرگ
ناصر مرزا۔

وہ صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر برآمدے میں قدم رکھا ہی تھا کہ ٹھنک جانا پڑا۔

دونوں برآمدے میں کھڑے ناخنگوار بچہ میں گفتگو کر رہے تھے۔

لوکی کہہ رہی تھی۔ ”تمہاری مہماں ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہاری پانڈہ ہو کر ہوں گے۔“

”دیکھو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں یہاں تمہارا امر بی ہوں۔ تمہارے باپ سے میں نا
 وعدہ کیا تھا کہ ہر طرح تمہاری دیکھے بھال کروں گا۔“

”بن میں نے آخری بات کہہ دی۔ میرے چھپے نہ آؤ۔“

ناصر مرزا نے مایوسانہ انداز میں سر کو جبیش دی اور لڑکی آگے بڑھ گئی۔ ناصر مرزا نے
کچھ کہنے کے لئے من کھولا لیکن پھر ختنی سے ہونٹ بھیج لے۔

لڑکی اب برآمدے سے اتر کر پار کنگ شیڈ کی طرف جا رہی تھی۔

ناصر مرزا جہاں تھا ہیں کھڑا رہا اور حمید اس کے پاس سے نکلا چلا گیا۔

تموزی دیر بعد وہ اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ لڑکی ایک چھوٹی سی کارڈ رائیو کر رہی تھی
اور حمید لنکن میں تھا۔

پھٹک دوسرا طرف سے بولٹ نہیں تھا۔ دھکا دینے پر کھلتا چلا گیا۔ پھٹک کے بعد
فختا اسے پھر فون کا خیال آیا اور وہ سوچنے لگا کہ آخر اسے اس سے مکیا سر دکار۔ کیا
بانک افت چڑیاں تھا جس کا انتظام اصل عمارت کے قریب ہوا تھا۔

فیجر سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا لہذا وہ فیجر کا ذاتی معاملہ نہیں۔ اسے کیا پڑی ہے کہ اس کے

”لیکن..... لیکن.....!“

”ہاں..... کیا کہنا چاہتی ہو۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”وہ..... وہ میرا دوست تھا۔“

”تمہیں کیسے اطلاع ملی تھی کہ قتل کر دیا گیا؟“

”مجھے کوئی اطلاع نہیں مل تھی۔ میں تو بس اس سے ملنے آئی تھی۔“

مکان میں روزا کے علاوہ اور کوئی بھی اس وقت موجود نہیں ورنہ وہ بھی اس کے چیزوں علیغہ اور
ہم تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”کیوں..... آخر کیوں؟“

”میں تمہیں ایک رحمت سے چانا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے کسی سے تذکرہ کیا تو قانون کی
لاش ڈرائیک روم میں ملی تھی۔ میلی فون والی میز کے قریب جسم پر کہیں بھی کوئی زخم نہیں تھا۔ میں تم خود بھی شہبے سے بالاتر نہیں ہو گی۔“

”تم..... میں کیوں؟“

”تم یہی بیان دو گی تاکہ تم اس سے ملنے آئی تھیں۔ لاش دیکھ کر پولیس کو اطلاع دینے
کے خدوخال کافی لکش رہے ہوں گے۔ کسی سفید فام نسل کا فرد تھا۔“

”میلی فون کا رسیور میز کے نیچے جھوٹا نظر آیا۔ میز کے قریب والا صوف الناپ اندا
لے جا گیں۔“

”یقیناً میں یہی بیان دوں گی۔“

”لیکن اس کیس میں ملوث ہو گئی تو اس کی تفریحات کا کیا ہو گا۔“

”لہذا اس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا اور اس کرے کی طرف چل پڑا جہاں لہکی کو مائل لاٹائی ہوئی ہو۔ ایک مارا گیا۔ مارنے والا بھاگ نکلا اور تم۔ تم نے اس کے بعد سوچا

”ایک بہت براہو۔ لہذا اب تمہیں پولیس کو اطلاع دے دینی چاہئے اور تم وہی کچھ کہتی ہو جو

صدر دروازہ کھلا ہی ہوا ملا۔ ابھی وہ داخل بھی نہیں ہونے پا یا تھا کہ روزا سماش

دھوڑتی آئی اور اس سے نکل آگئی۔ اسے گرنے سے چنانے کے سلسلے میں وہ خود بھی گرتے گرتے پھاڑ

روز ابیری طرح ہانپتی ہوئی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔ ”قتل..... قتل..... پولیس۔“

اور پھر وہ بیہوں ہو کر حمید کے ہاتھوں میں جھوٹا گئی۔

بل بھر کیلئے حمید کی قوت فیصلہ جواب دے گئی۔ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر خیال آیا

تو وہاں کسی کی لاش تھی۔

”آسے دیکھنا چاہئے۔ لیکن روزا..... وہ اب بھی اس کے ہاتھوں پر چھی۔“

”آسے ایک کرے میں صوفے پر لٹا کر وہ دوسرے کروں کی تلاشی لینے لگا۔“

”لاش ڈرائیک روم میں ملی تھی۔ میلی فون والی میز کے قریب جسم پر کہیں بھی کوئی زخم نہیں تھا۔ زندگی میں؟“

”تم..... میں کیوں؟“

”تم یہی بیان دو گی تاکہ تم اس سے ملنے آئی تھیں۔“

”لہذا اس کی نظمی کرے میں نہیں پائی جاتی تھی اور اب حمید سوچ رہا تھا کہ اُر یقیناً میں یہی بیان دوں گی۔“

”لیکن بھی اس کیس میں ملوث ہو گئی تو اس کی تفریحات کا کیا ہو گا۔“

”اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے۔ کوشش کر رہا تھا کہ اسے جلد از جلد ہو شاہد بنالے ہے۔ یعنی تم قاتل کو پولیس کی دسترس سے چانا چاہتی ہو۔“

”لہذا اس کا کامی نہیں ہوئی۔ ہوش آتے ہی لہکی نے پھر ”قتل..... قتل.....“ کی رٹ لگادی۔

”لہذا نے تحریر انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور بولی۔“ لیکن تم نے میرے

”خاموش رہو۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میری بات غور سے بنو۔ میں ایک نہیں ہوں یقین کر لیا۔“

پولیس آفسر ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کون ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ چپ چاپ بیال۔ ”اس لئے کہ میں نے کچھ دیر پہلے تمہیں ہائی سرکل میں دیکھا تھا اور وہیں سے تمہارا

”چل جاؤ۔“

بہت ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔“

”تم نے میرا تعاقب کیوں کیا تھا۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”میری دانست میں تو ان سکھوں کو تمہارا تعاقب کرنا چاہئے تھا جو اس وقت بالآخر نہ میں ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔“

”موجود تھے۔“

”ہوں۔“ وہ ناخنگوار لجھے میں بولی۔ ”اکثر لوگ میرے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔“

”شکریہ۔ آفسر..... میں جا رہی ہوں۔“

پرشنڈٹ خاموش ہو گیا۔ پتے نہیں کیوں وہ ان دونوں فریدی سے الجھنیں رہا تھا۔
جائے واردات پر بھی زیادہ دیر تک نہیں ظہرا۔ فریدی کو بڑے مریانہ انداز میں کیس سے
پنچ ہزاریات دیتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

نگر پر نہ والوں کے ساتھ ہی حمید نے بھی وہاں سے کھلک جانا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا
رہا۔ ”تم ظہرو گے۔“



وہ ایک غیر ملکی کے قتل کا معاملہ تھا اور اس کی اطلاع حمید سے ملی تھی اس لئے زیر
جائزے واردات پر تھا نہیں تھا۔ اس کے مکملے کا پرشنڈٹ خاموش بھی وہاں موجود تھا۔ حمید نے زیر
کوفون پر اطلاع دی تھی اور فریدی نے بڑے خشک لجھے میں اس سے کہا تھا کہ وہ بڑا وار
پرشنڈٹ کو روپورٹ دے۔ پھر مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

تحوزی دیر بعد پرشنڈٹ سے دوبارہ اس کی اطلاع ملنے پر ہی وہ جائے واردات
طرف روانہ ہوا تھا۔ وہیں پرشنڈٹ سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ فریدی اچھی طرح جانانا
پرشنڈٹ نے موقع واردات پر وکھنے کے بعد ہی اُسے طلب کیا ہو گا اور حمید کے متعلق
سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس نے پرشنڈٹ سے اس قسم کی گفتگو کی ہو جس سے وہ انداز
لے کر سب سے پہلے اس نے فریدی کو اطلاع دی ہوگی۔

حمدید اپنا بیان پہلے ہی درج کر اچکا تھا۔ لیکن اس میں لڑکی کا تذکرہ نہیں تھا۔ لہذا
بارے میں تو اس نے فریدی کو بھی نہیں بتایا تھا۔

محکمہ کے فوٹوگرافر مختلف جگہوں کی تصویریں لیتے رہے۔ نگر پنس کی عاش جاردن کا
”کیا خیال ہے۔“ پرشنڈٹ نے فریدی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”نہیں جناب عالی! پہلی بار..... آپ کے طلب کرنے پر حاضر ہوا ہوں۔“ فریدی نے
”کیا عرض کروں یہ آدمی بہت تدرست تھا لہذا گردن کا اس طرح ٹوٹا۔“ نہ اپنے طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ فریدی اُسے گھوڑتا ہوا بولا۔
نیج کسی قدر پچھلچاہت کے ساتھ اُسے بتانے لگا کہ لڑکی اکثر کس قسم کی بے کلی حرکتیں کیا
نہیں۔ وہ اُس کے بارے میں بتاتا رہا اور فریدی حمید کو گھوڑتا رہا۔ نیج کے خاموش ہوتے
ہیں۔

”جی ہاں..... وہ روز اپ سایہ ڈاؤن کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔“

”نم یہاں کس طرح پہنچے تھے؟“

نیج نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید بے نیاز انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”وہ دراصل.....!“ نیج کھنکار کر بولا۔ ”وہ..... وہ جناب عالی ایک لڑکی ہے۔ میرزا ہم یہ معلوم ہو سکے۔“

مرزا کی مہمان۔ مرنے والا کلب میں اس کی موجودگی کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ میرزا ہم ”اب آپ جاسکتے ہیں جناب۔“ فریدی نے نیج سے کہا۔ ”بہت بہت شکریہ۔ ہو سکتا
ہے کہ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ناص مرزا بھی اُس کے ساتھ ہے یا وہ تنہا کلب آئی ہے۔ ہم آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔“

مرزا کو آپ جانتے ہی ہوں گے۔“

”جانتا ہوں۔“ فریدی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آج کی پوزیشن یا یہ۔ بالور دروازے کی طرف ہڑ گیا۔“

اس سوال پر حمید اس طرح کھکھارا ہیسے نیج کو دارانگ دے رہا ہو۔

”آج..... جی ہاں..... وہ دونوں ہی کلب میں موجود تھے۔ فون کی گھٹتی بھی۔ میں نے ریپا نب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔“

اٹھایا۔ پہلے تو ٹھیک ہی آواز آئی تھی پھر ایسا معلوم ہوا ہیسے کوئی اُس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ ”حد ہو گئی۔“ حمید نے جھنپھلچاہت کی ایک انگ کرتے ہوئے کہا۔ ”ارے جناب میں نے
لائق سے نمبر معلوم کئے تھے۔“

”میں آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے زم لجھے میں کہا۔

”بس جتاب وہ زبردستی مجھ سے جان پہچان پیدا کر بیٹھا تھا۔“

”کسی خاص مقصد کے تحت.....!“ فریدی اُسے ٹوٹنے والی نظر وہ سے دیکھتا ہوا بولا۔ نیج کے خاموش ہوتے
ہیں۔

”جی ہاں..... وہ روز اپ سایہ ڈاؤن کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔“

”یہ کیا بلا ہے؟“

نیج نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید بے نیاز انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”وہ دراصل.....!“ نیج کھنکار کر بولا۔ ”وہ..... وہ جناب عالی ایک لڑکی ہے۔ میرزا ہم یہ معلوم ہو سکے۔“

مرزا کی مہمان۔ مرنے والا کلب میں اس کی موجودگی کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ میرزا ہم ”اب آپ جاسکتے ہیں جناب۔“ فریدی نے نیج سے کہا۔ ”بہت بہت شکریہ۔ ہو سکتا
ہے کہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ناص مرزا بھی اُس کے ساتھ ہے یا وہ تنہا کلب آئی ہے۔ ہم آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔“

مرزا کو آپ جانتے ہی ہوں گے۔“

”جانتا ہوں۔“ فریدی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آج کی پوزیشن یا یہ۔ بالور دروازے کی طرف ہڑ گیا۔“

اس سوال پر حمید اس طرح کھکھارا ہیسے نیج کو دارانگ دے رہا ہو۔

”آج..... جی ہاں..... وہ دونوں ہی کلب میں موجود تھے۔ فون کی گھٹتی بھی۔ میں نے ریپا نب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔“

اٹھایا۔ پہلے تو ٹھیک ہی آواز آئی تھی پھر ایسا معلوم ہوا ہیسے کوئی اُس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ ”حد ہو گئی۔“ حمید نے جھنپھلچاہت کی ایک انگ کرتے ہوئے کہا۔ ”ارے جناب میں نے
لائق سے نمبر معلوم کئے تھے۔“

”تو آپ نے اُس کی آواز پہچان لی تھی۔“

”نہیں جناب..... اُس وقت کپتان صاحب میرے پاس ہی کھڑے تھے۔ میں نے اُگرا اس لڑکی کی ذات بھی لوث نہ ہو گئی ہوئی تو تم ہرگز ایکس چینچ سے نمبر معلوم کرتے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ حمید نے خنک لجھے میں کہا۔

”رسیور اُن کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔“

”کیا آپ نے حمید سے پہلے کہی اُس لڑکی کا تذکرہ کیا تھا۔“

”جناب تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو خود ہی ایک قسم کا چلتا پھر تا اشتہار ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”جب وہ وقت میں وہ منحوں کاں رسیور کر رہا تھا وہ ڈرائیور ہاں میں ایک بیز پر رکے میں
کھڑی ہوئی تھی۔“

”اوتم نے اُسے اٹھا کر دیکھتا ہوا بولا۔“

”اوتم نے اُسے اٹھا کر دیکھتا ہوا بولا۔“

”اوتم نے اُسے اٹھا کر دیکھتا ہوا بولا۔“

“میں پہلے! فریدی نے کہا اور اُس صوف کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی طرف کچھ

حید بوكلا کر اپنی جیسیں ٹوٹنے لگا۔ پھر بڑی ڈھنائی سے بولا۔ ” غالباً اب مل یعنی اشارہ کیا تھا۔

کہ آپ پہلے ہی سے ان لوگوں کی گمراہی کرتے رہے ہیں۔“ حید خاموشی سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ صوف کے قریب پہنچ کر جھکا اور اُس پر سے کوئی ”جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ فریدی کا لب خلک تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اگر اُنکا چیز اٹھائی جو اتنی دور سے حید کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کے کے چہرے پر غبار سا چھا گیا تھا۔

رفعت فریدی بولا۔ ”آخراں لڑکی کا تذکرہ نہ کرنے میں کیا مصلحت تھی حید صاحب۔“

”میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔“

”آخر کیوں میرے شرلاک۔“

”نی الحال میں یہ بھی نہیں بتانا چاہتا۔“

”حقانہ باتیں نہ کرو۔ اگر اُس نے تمہاری نادانگی میں کوئی بیان دے دیا تو۔“

”کیا مطلب؟“ حید بوكلا کر سیدھا ہو گیا۔

”فرض کرو وہ اس بیان کے ساتھ کسی بھی تھانے پر جا پہنچی ہے کہ وہ اپنے دوست کیا لینے کے بعد پولیس کو اطلاع دیتا چاہتی تھی لیکن ایک اجنبی نے خود کو پولیس آفیسر لڑکب ہوئے ہو۔“ فریدی غرایا۔

”آپ کس بناء پر یہ ساری باتیں اتنے وثوق سے کہہ رہے ہیں۔“

کرتے ہوئے اُسے کی قسم کا بیان دینے سے روک دیا۔“

”نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”ہوں..... تو تم نے اُسے بیان دینے سے بھی روکا تھا۔“ فریدی اُسے گھوڑتا ہوا بولا۔

حید کچھ نہ بولا۔

”تمہاری حماقتوں سے میں علگ آ گیا ہوں۔ کیا اُس نے کہا تھا کہ وہ پولیس کا ہا نہیں کرنا چاہتی۔“

”اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ میں ہی اُسے مزید پریشانیوں سے بچانا چاہتا تھا۔“

”کیوں.....؟“

”میں نے کہا تھا خوبصورت لڑکی بیچاری کہاں پریشان ہوتی پھرے گی۔“

حید نے بوكلا کر سر جھکایا اور پھر حقانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے الپن سے بھی اُسی قسم کے کئی بال الجھے ہوئے نظر آئے تھے۔

پھر اُسے سب کچھ اگل دینا پڑا۔

”تم آخر تھے ؎ فریکوں ہوتے جا رہے ہو۔“ فریدی تھوڑی دری بعد بولا۔

”میں خود بھی نہیں جانتا۔“ حید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک بچھے میں کہا۔

”وہاں وقت کہاں ملے گی۔“ فریدی نے اُسے کھا جانے والی نظر وہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا! آج تو پہلی ہی ملاقات تھی۔ جو ایسے حالات میں ہوئی۔“

دفعتاً باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی۔ فریدی چوک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
”تم یہیں نہ ہو۔“ اُس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

صدر دروازہ کھولتے وقت تیز خوشبو کی لپٹ ہوا کے جھوٹکے کے ساتھ اندر آئی۔

چست لباس میں ایک سفید قام لڑکی باہر کھڑی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر اُس نے تمہارا نواز میں جلدی جلدی پلکنس جھپکائیں اور بولی۔ ”کیا آرٹر موجود ہے؟“

”آئے.....!“ فریدی نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

وہ اندر آگئی۔ فریدی اُسے وہیں لاایا جہاں حمید کو چھوڑ کر گیا تھا۔

”آرٹر کہاں ہے۔“ لڑکی نے اُن دونوں کو باری باری سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”آرٹر.....!“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”مجھے افسوس ہے محترمہ۔ کسی نے انہیں مارڈالا۔“

”کیا.....؟“ وہ تقریباً جیخ پڑی۔

”یا پھر ہو سکتا ہے کہ کسی حادثے ہی کی بنا پر ان کی گردان ٹوٹ گئی ہو۔ ہمارا تعلق مقام پولیس سے ہے۔“

”مم.....مار.....ڈالا.....!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس پر غشی کی طاری ہو رہی ہو۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوئیں جاری تھیں۔

فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا بگور اُس کی حالت کا جائزہ لیتا رہا۔

دفعتاً حمید بولا۔ ”وہ گئی..... ارے سنجائے۔“

لیکن فریدی اُسے فرش پر گرتے بھی دیکھتا رہا

”ہو گئی بیویش.....!“ حمید نہ کر بولا۔ ”اب اسے آپ گود میں اٹھائیے اور جس صوف پر دل چاہے لانا دیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”اوہ..... تو کیا یہ.....!“

331
”جی نہیں..... البتہ اس کے بالوں کی رنگت بھی ویسی ہے۔“
فریدی بیویش ہوجانے والی لڑکی کو پتھر نظروں سے دیکھتا رہا۔
”اگر خود ہمت نہ کر سکتے ہوں تو مجھے اجازت دیجئے۔“
”اوہ.....!“ فریدی چوک پڑا۔
”اٹھاؤں۔“

”بکومت۔“ فریدی نے کسی قدر تلقنی کے ساتھ کہا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔
حید پاپ سپ میں تباہ کو بھر رہا تھا اور اُس کی نظریں فریدی کے چہرے پر تھیں۔
فاختا کسی نے پھر گھنٹی بجائی۔
”اب تم دیکھو.....!“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھے بغیر کہا۔
”میں آپکو اس مصیبت میں شہادتیں چھوڑ سکتا۔“ حمید نے شریسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”جاو.....!“ فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید وہاں سے چلا گیا۔
اپھر بیویش لڑکی کے جسم میں کسی قدر جنمیں پیدا ہو چلی تھی۔ فریدی اُسے بخورد دیکھتا رہا۔
پھر جیسے ہی حمید نے اُس کمرے میں قدم رکھا وہ اس طرح اٹھ پیٹھی جیسے یونہی تفریحا
ٹیکنگ کرتی رہی ہو۔

”ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس پر غشی کی طاری ہو رہی ہو۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوئیں جاری تھیں۔

اور اب وہ اس کے سینے پر سر رکھے ہوئے کسی نہیں ہی پچھی کی طرح بچوٹ پھوٹ کر
نے جا رہی تھی۔ وہ ویسے بھی اُس کے سامنے ایک نہیں ہی پچھی معلوم ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ طویل
ہات اور خاصے پھیلاؤ والے جسم کا مالک تھا۔ سن رسیدہ ہونے کے باوجود بھی مضبوط قوی
نہ ڈالا معلوم ہوتا تھا۔

”یہ کیسے ہوا..... کب ہوا.....؟“ نوار غیر ملکی نے لڑکی کی پیٹھ پھکتے ہوئے فریدی سے پوچھا۔
”موت کے وقت کا تعین تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی کر سکتے گی۔“ فریدی نے اُسے

نہیں ہوئی ہے۔ جہاں دیپی کے امکانات نظر آئے راہ میں کوئی دیوار بھی حائل ہو گئی۔ بھلا یہ
بازدھی تھا کہ آر تھر آج ہی مارڈا لاجاتا اور پھر وہی لڑکی اُس سے کسی نہ کسی طرح متعلق
لماں نے سمجھ دی رہیں جید کی توجہ اپنی طرف منعطف کرائی تھی۔

ہاصر مرزا اپنی کوشش میں موجود تھا۔ جید کو اُس تک پہنچنے میں کوئی دشواری چیز نہ آئی۔

”اوہ جناب.....!“ وہ پر پتا ک اندراز میں اُس کا استقبال کرتا ہوا بولا۔ ”آپ نہ جانے
کہ مچھنے بولی۔ فریدی اُسے جواب طلب نظر دیں سے دیکھتا رہا اور لڑکی پر سوراں کے

یعنی سے لگی ہوئی سکیاں لیتی رہی۔

فریدی نے پھر اپنا سوال دہلیا۔

”وہ لڑکی کو الگ کرتا ہوا بولا۔“ میر اعلیٰ ایک غیر ملکی سفارت خانے سے ہے اور میں اپنے

سفر کے علم میں لائے بغیر تم سے اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو نہیں کر سکتا۔“

انہوں نے سمجھتے۔

”بات قاعدے کی ہے۔“ فریدی بولا۔ ”اچھی بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گو۔“

حید نے دوبارہ بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

”کیا پیسے گے آپ.....؟“ ہاصر مرزا نے پوچھا۔

”شکریہ۔ فی الحال کچھ بھی نہیں۔“

”میرے لائق اور کوئی خدمت۔“

”درالصل آپ کی مہمان کی کہانی بڑی دلچسپ تھی۔“ حید بولا اور اُس نے محوس کیا کہ

ہاصر مرزا یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا ہے۔

”اُس میں کون سی دیپی محوس کی ہے آپ نے۔“ اس نے بے حد خنک لمحہ میں پوچھا۔

”وہی یوگا وغیرہ کا چکر۔“

”سب بکواس ہے۔ وہ صرف مجھے بور کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرتی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا جناب۔“

”وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے پیچھے نہ لگا رہوں۔ مثال کے طور پر آج جب اُس نے

بلدر کل کے ہاں میں مجھے دیکھا تو سر کے مل کھڑی ہو گئی۔ مقصد یہ تھا کہ میں بوکھلا کر دہاں

سے چلا جاؤں۔“

پر تھس نظر دیں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ میری لڑکی ہے۔ اسے گہر اصمہ پہنچا ہے۔ بے بی.....بے بی۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کون ہو اور مرنے والے سے تمہارا کیا تعلق تھا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ فریدی اُسے جواب طلب نظر دیں سے دیکھتا رہا اور لڑکی پر سوراں کے

یعنی سے لگی ہوئی سکیاں لیتی رہی۔

فریدی نے پھر اپنا سوال دہلیا۔

”وہ لڑکی کو الگ کرتا ہوا بولا۔“ میر اعلیٰ ایک غیر ملکی سفارت خانے سے ہے اور میں اپنے

”ترشیف رکھتے۔ آپ دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ دستی کے لئے بڑھا ہوا میرا

سفر کے علم میں لائے بغیر تم سے اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو نہیں کر سکتا۔“

”انہوں نے سمجھتے۔

”بات قاعدے کی ہے۔“ فریدی بولا۔ ”اچھی بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گو۔“

”کیا پیسے گے آپ.....؟“ ہاصر مرزا نے پوچھا۔

”شکریہ۔ فی الحال کچھ بھی نہیں۔“

”میرے لائق اور کوئی خدمت۔“

”درالصل آپ کی مہمان کی کہانی بڑی دلچسپ تھی۔“ حید بولا اور اُس نے محوس کیا کہ

ہاصر مرزا یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا ہے۔

”جید کو اُس نے روزا پر نظر رکھنے کی ہدایت دی تھی اور خود ان دونوں کے ساتھ چلا گا انہا

اور حید کو مرنے والے کی قسم پر رٹک کرنے ہی سے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ کیونکہ اُس کے

لئے ایک نہیں بلکہ دلڑکیاں بیہوش ہوئی تھیں۔

”وہ کیا اگر آدھی لڑکی بھی خود اُس کے لئے بیہوش ہونے پر تیار ہو سکتی تو کھڑے گا ان

جان دینے پر آمادہ ہو جاتا۔ وجہ یہ تھی کہ عام طور پر لڑکیاں اُس سے فرشت کرتی تھیں۔ کیونکہ

بھی کبھی بھی جیدگی سے چاہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پیار کا بھوکا۔۔۔ ازالی بھوکا۔

ہاصر مرزا کی رہائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ مقدار ہی میں بڑی

”کیپن حید میں بہت را آدمی ہوں۔“

”میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”لیکن اب میں اس کی پرواد نہیں کرتا۔“ ناصر مرازا نے کسی قدر غصیلے لمحے میں کہا
”آپ نے دیکھا ہی ہے کہ میں وہاں سے ٹلانہیں تھا اور آپ سے اس کے بارے میں انگلہ لے نہ کہا۔“ واپسی پر وہ بہت خائف نظر آتی تھی اور ابھی تک اپنے کمرے میں بند ہے۔ لاکھ
بیٹنوں کے باوجود بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا۔“

حید نے طویل سانس لی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

”میں یہیں موجود ہوں۔ انہیں بلا لائیے۔ اگر وہ کہہ دیں کہ مجھے پہچانتی ہیں تو پھر آپ کو
کواس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا۔“

”جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لیکن آخروہ ایسا کیوں جاہتی ہیں۔“

”سننے جتاب..... میں ایک ذمہ دار آدمی ہوں اور کوئی بھی ذمہ دار آدمی کسی نیم دیوانے
اپنے کے ساتھ کہنے لگتا۔“

”میں نہیں سمجھا جتاب۔“

”وہ لڑکی نیم دیوانی ہے۔ اس لئے باہر بھی مجھے اس کی نگرانی کرنی پڑتی ہے اور کیا میں
کہیں میری وجہ سے اپنے کمرے میں اس طرح بند ہونا پسند کیا ہو۔“

”آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس کے پیچے کیوں گئے تھے؟“

”میں.....!“ حید کے لمحے میں حرمت تھی۔

”مرزا صاحب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”جی ہاں..... آپ۔“

”اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔“

”بیتاو۔“ ناصر مرازا چیخ کر کھڑا ہو گیا۔ ”تمہارے ڈی آئی جی تک کے کان کھینچ کر کھڑا
ہوں۔ تم کیا چیز ہو۔“

”کان آپ صرف اور ہی والوں کے کھینچ سکتے ہوں گے۔ ہم بیچارے اس قابل کہاں۔“

”انہیں سے پوچھ لیجئے۔“

”وہ دروازہ مت نہیں کھلتی۔“

”کبھی تو کھولیں گی اور میں کوئی ایسا غیر معروف آدمی بھی نہیں ہوں کہ دوبارہ ہاتھ نہ
ڈیکھے۔ یہ طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔“ حید اس کے غصے کی پرواد کے بغیر زمہ نگل۔ لیکن جب آپ ان کی نگرانی کیا ہی کرتے ہیں تو اس وقت کیوں چوک گئے۔ جب
میں بولا۔ ”پہلے کھل کر الزام لگائیے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔“ لہلک کے پیچے جا رہا تھا۔“

”بات تو ٹھیک ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں بھی ہوتا تو اسی صورت میں سیکھا جاتا کہ دلار
میرا اس سے کسی قسم کا تعلق نہ ظاہر ہونے پائے۔“

”آپ نے دیکھا ہی ہے کہ میں وہاں سے ٹلانہیں تھا اور آپ سے اس کے بارے میں انگلہ لے نہ کہا۔“ پھر آہستہ آہستہ اس کے بگڑے ہوئے خط و خال معمول پر آتے گئے اور تھوڑی دیر بعد
بھی کی تھی۔“

”مطلب.....؟“
”اپ باتے ہیں ہوں گے کہ کرٹل نے ابھی تک شادی نہیں کی۔“
”مطلب.....؟“
”اپ باتے ہیں ہوں گے کہ کرٹل نے ابھی تک شادی نہیں کی۔“

”میں ایک ایسی عورت کی تلاش ہے جو عام عورتوں سے مختلف ہو۔“ حمید کی خندی
”کر بولا۔“ اور آپ کی روز اپ سیدہ اون تو مختلف ترین ہیں۔“

برانہ اق ازان اچاہتے ہو۔ ناصر مرزا پھر بھڑک گیا۔

”میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ قابل
ہیں ہو سکتے۔“

”غول باتیں ختم کرو۔“ ناصر مرزا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آخر وہ اتنی خوفزدہ کیوں ہے۔“
”برانیاں ہے کہ آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔“ حمید نے دھنک لجھ میں کہا۔

”مطلب.....؟“

”افسوں.....!“ حمید خندی سانس لے کر بولا۔ ”دینا نے مجھے بالکل نہیں سمجھا ہے۔“ بتنی جلد ممکن ہو سکے ان سے اس کی وجہ معلوم کیجئے۔
ناصر مرزا کچھ نہ بولا۔ کسی گھری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر آہنہ ”وزراوازہ ہی نہیں کھولتی۔“ ناصر مرزا کے لجھ میں بے نی تھی۔
سے بولا۔ ”مجھے منظور ہے۔ لیکن تم صرف نگرانی کرو گے۔ اس کے تحفظ کے نکلنے سے۔ انہیں کوشش کرو۔“ حمید نے لہک کر پوچھا۔
”میں بیٹھنے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

”ازواز کی خواب گاہ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔“

ناصر مرزا نے اسے گھور کر دیکھا لیکن وہ احتمانہ انداز میں اس طرح اس کی طرف رکھے ہوئے دروازے پر دھنک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔
جارہا تھا جیسے اپنے سوال کا جواب چاہتا ہو۔

ناصر مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”نہیں تم رہنے دو۔ میں اس سلسلے میں کرٹل فریدی سے ڈھنک لگائی تھی۔“

”ازواز کی خوبی۔“ حمید ایک طرف ہٹ کر قفل کے سوراخ کی جانب انگلی اٹھا کر بولا۔

”ازواز نے بھی جھاٹک کر دیکھا اور حمید کو اس کے چہرے پر گھری تشویش کے آثار نظر آئے۔“
”لیکن.....!“ وہ سنجیدگی اختیار کرتا ہوا بولا۔ ”آپ اس لڑکی سے ہاتھ دھوئیں گے۔“ بنا ناصر مرزا ذور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ حمید نے پھر قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔

””چندیں کیوں مجھے اس پر غصہ آگیا تھا اور میں نے کہا تھا جہنم میں جائے۔“
”کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہر وقت ان کی نگرانی کرتے رہیں۔“
”کیوں نہیں..... اس کی ذمہ داری ہے مجھ پر۔“
”لیکن یہ آپ کے لئے ممکن نہیں..... ظاہر ہے کہ بے حد مصروف آدمی ہیں۔“

”ہاں..... یہی بات ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ اب آپ بے فکر ہو جائیے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”میں آپ کے لئے ان کی نگرانی کروں گا۔“

”تم.....؟“

”ہاں..... ہاں..... آپ کو حیرت کیوں ہے؟“

”نہیں نہیں۔ میں خالہ ملی سے گوشت کی رکھوائی نہیں کر سکتا۔“

”افسوں.....!“ حمید خندی سانس لے کر بولا۔ ”دینا نے مجھے بالکل نہیں سمجھا ہے۔“

ناصر مرزا کچھ نہ بولا۔ کسی گھری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر آہنہ ”وزراوازہ ہی نہیں کھولتی۔“ ناصر مرزا کے لجھ میں بے نی تھی۔

سے بولا۔ ”مجھے منظور ہے۔ لیکن تم صرف نگرانی کرو گے۔ اس کے تحفظ کے نکلنے سے۔ انہیں کوشش کرو۔“ حمید نے لہک کر پوچھا۔

”میں بیٹھنے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

”لا حل ولا تقدی..... بھلامل کر کیا کروں گا۔“

”ناصر مرزا نے اسے گھور کر دیکھا لیکن وہ احتمانہ انداز میں اس طرح اس کی طرف رکھے ہوئے دروازے پر دھنک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔“

”جواب چاہیے اپنے سوال کا جواب چاہتا ہو۔“

”ناصر مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”نہیں تم رہنے دو۔ میں اس سلسلے میں کرٹل فریدی سے ڈھنک لگائی تھی۔“

”گفتگو کروں گا۔“

”حمید نے طویل سانس لی۔“

””لیکن.....!“ وہ سنجیدگی اختیار کرتا ہوا بولا۔ ”آپ اس لڑکی سے ہاتھ دھوئیں گے۔“ بنا ناصر مرزا ذور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ حمید نے پھر قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔“

اس شور و غل کے باوجود بھی روزا کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔
”یہ کیا مصیبت ہے۔“ ناصر مرزا بala خر بے بی سے بولا۔

پھر بڑی بوكھلاہت کے عالم میں انہوں نے اُس کو ایک گاڑی میں ڈالا تھا اور قریب
”دروازہ کھولنے کی فکر کیجئے جتاب..... حالات غیر معمولی ہیں۔ گھر سے کہنا پہلی کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔
سلسلہ بھی اس شور قیامت سے ٹوٹ جاتا۔“
”لیکن..... ت..... تو کیا؟“

”کوئی رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ دروازہ کھلوایے۔“
”کوئی دوسرا کنجی نہیں۔“

”اچھا تو نہ ہریے۔“ حمید نے کہا اور کوٹ کی اندر وٹی جیب سے پرکھلا۔ اس کے
خانے میں کئی نوکیلے اور باریک اوزار نظر آ رہے تھے۔ حمید نے ایک اوزار منتخب کرنا
پوچھا۔ ”اجازت ہے؟“
”ہاں ہاں..... میاں جلدی کرو۔ خدا کرے کھل جائے۔“

حمدید نے ذرا ہی سی دیر میں قفل کھول لیا۔

ناصر مرزا بڑے پیتا بانہ انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔ روزاب بھی جوں کی توں پڑی انہیں
قریب پہنچ کر ناصر نے اُسے جھنگوڑا اور پھر آوازیں دیں۔ لیکن اس کی آنکھ
پوٹوں میں جنسیں سکنے ہوئی۔ سانس چل رہی تھی اور ہاتھ پر بیدار ہیلے تھے۔

”کیپٹن حمید..... اب کیا کریں۔“ ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”نورا کسی اچھے ڈاکٹر کو طلب کیجئے۔“ حمید نے کہا اور مجسمانہ نظر دیں۔
”بھروسے اس نے اُسے نہ ہرلنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔“ بس اب صرف اتنا بتا دو کہ وہ زندہ
طرف دیکھنے لگا۔

فھٹا اس نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور روزا کے سرہانے پر
سکنے کے نیچے سرخ رنگ کی ایک شیشی جماں کر رہی تھی۔ اس نے اسے نکال کر
لیبل پڑھا اور ناصر مرزا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”یہ شیشی بالکل خالی ہے۔ اُرڈر
نے اسے خالی کیا ہے تو جلدی کیجئے..... ورنہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کرنا چاہئے۔“

پھر بڑی بوكھلاہت کے عالم میں انہوں نے اُس کو ایک گاڑی میں ڈالا تھا اور قریب

”کیپٹن حمید پلیز.....!“ ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب میری عزت
سلسلہ بھی اس شور قیامت سے ٹوٹ جاتا۔“

”ہاں ہاٹھ ہے۔“

”میں نہیں سمجھا جتاب۔“

”یہ اقدام خود کشی کا کیس نہ بننے پائے۔“

”پھر آپ ڈاکٹر کو کس طرح مطمئن کریں گے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ سب کچھ تمہیں کرنا ہے۔“

”آپ نے مجھے دشواری میں ڈال دیا ہے۔“ حمید پر تشویش لجھ میں بولا۔

”ذمہ بھی کرو۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”اب ہمیں سوچنا چاہئے۔ کتنی رات گزر گئی۔“
جید نے بھی اس سارے کارنے سے کو اپنے ذہن سے نکال دینے کی کوشش شروع کر دی

جید محسوس کر رہا تھا کہ وہ بہت اچھے مودہ میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جید کے ہاتھ آسان نہیں تھا کیونکہ اس کہانی میں ایک لڑکی کا مزید اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اردو شانے پر باتھ رکھ کر کہا۔ ”تم فکر نہ کرو..... میں ڈاکٹر سعید کو اس پر آمادہ کرلوں گا کہ وہ اس نے کی شائق تھی۔ اگر جید نے اسے دیکھا نہ ہوتا تو شامد اردو پڑھانے کا خود بھی اتنا شائق مرگی کے کیس کی حیثیت سے رجڑ کر لے۔“

”تحیک یو باس.....!“ جید نے تحریر اہم انداز میں پلکن جھپکا میں اور پھر بولا۔ ”اپنے ہلکا رہا تھا۔

اس نے فون کا رسیور اٹھا کر ایک بار ڈائیل گھما�ا۔

دوسری طرف سے رسیور اٹھانے کی آواز آئی۔

”میرتی میر نے پریشان کر رکھا ہے۔“ جید نے ماڈ تھہ پیس میں کہا۔ ”میں اس وقت اردو

”بپ بیٹی۔ سفارت خانے کا آفیسر ہے۔ لڑکی اردو پڑھنے کی بے حد شائق ہے۔ مقتل بھانا پاہتا ہوں۔“

آر تم چیمپن اُس کا کلاس فلیور چکا ہے۔ دونوں میں گہری دوست تھی۔“

”سو جاؤ.....“ دوسری طرف سے فریدی کی بھرائی ہوئی آواز آئی۔ ”بور مت کرو۔“

اور پھر سلسلہ مقطوع ہونے کی آواز سنائی دی۔ جید نے رسیور کریڈل پر پٹخت دیا اور بستر پر

بہ کرسوپنے لگا۔ پہنچیں بوزا کن حالات سے گزر رہی ہو گی۔“

اس نے ہسپتال فون کر کے اُس کے بارے میں معلوم کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

لیکن اب سوچ رہا تھا کہ کم از کم ناصر مرازے فون پر ضرور رابطہ قائم کرنا چاہئے۔

اس نے گھر کی لائنوں کا پلگ فون سے نکال کر ڈائیکٹ لائن کا پلگ لگا دیا اور ناصر مرازا

کلبرڈ ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے فورانی جواب ملا تھا لیکن جواب دینے والے نے

”فرند کرو..... اگر وہ بیخ بھی گئی تو کافی عرصہ تک بستر سے اٹھ بھی نہ سکے گی۔“

”کیوں.....؟“

”جس خواب آر دا کا تذکرہ تم نے کیا تھا وہ ایسی ہے۔“

”کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔“

”ایسی تک تو ایسی کوئی بات نہیں۔“

”آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے بغیر.....!“

”ہاں ہاں..... میں ہی بول رہا ہوں..... تم کون ہو۔“

”ناصر مرازا بی طرح گرگزار رہا تھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

”کیپن حید۔“

”اوہ..... زندہ باد پیارے..... زندہ باد..... میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ یہ رافیلہ..... آپ کی۔“
کہ میں یہ سب کچھ نئے میں بک رہا ہوں۔ تم بہت پیارے آدمی ہو۔“
”ہلاپ میری محبوب ہے۔“
”روزا کا کیا حال ہے۔“

”وہ ہوش میں آگئی ہے۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اُسے پندرہ میں دن تک آرام کر۔“ ام عی کی طرح وہ خود بھی عجیب ہے۔ تم باقوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ آنا ہوتا چاہئے۔ بستر سے بھی نہ ہلے اور سنو۔ معاملہ مرگی کے دورے پر ٹھیک گیا ہے۔ واقعی تم جیسے آج کا پاسورڈ فرزین ہے۔“
انگیز ہو۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا مرزا صاحب آپ فکر نہ کجئے۔ اکثر مرگی کے دورے خطرہاں پاورڈ۔“
بھی معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا۔ کیپن حید میں تھہار اشکر گزار ہوں۔“
”ہاں..... ہاں..... تھہیں جیرت کیوں ہے۔ یہ جرم تو نہیں ہے کیپن حید۔ میں نہیں کریں۔“
”کریں صاحب سے بھی آپ لوگوں کے بہت اچھے تعلقات ہیں۔“
”یہاں ہر قسم کے لوگ پہنچ سکیں۔ اللہ امیں نے داخلے کے لئے پاسورڈ سشم رکھا ہے اور۔“
”میں کمال سے نہیں کہنا چاہتا تھا۔..... پتہ نہیں کیوں اُس کے سامنے کسی معاملے میں بھی یہاں تھہیں بہت اوپنچے اوپنچے لوگ ملیں گے اور تھہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم ان سے زبان نہیں کھلتی حالانکہ مجھ سے عمر میں بہت چھوٹا ہے۔“

”میرے لاائق اور کوئی خدمت.....!“

”گھر پر لے لیا کر رہے ہو۔ یہاں آجائو۔..... اس وقت میں اپنی بہشت میں ہوں۔ یہ گھری ایک بخاری تھی۔ اُس نے بڑی تیزی سے لباس تبدیل کیا اور کمرے سے نکل جنت میرے والد حضور نے تعمیر کرائی تھی۔“

”پتہ بتائیے۔“

”رافیلہ منزل۔“

کیڈی باہر ہی کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی اُس کے قریب پہنچا اندر سے آواز آئی۔
بان کی طرف چل پڑا۔

”بفر کچھ جناب۔“

”وہ..... وہ..... آپ کی ہے..... اوہ ہو..... عرصہ سے خواہش تھی، بڑے تذکرے نے حید بھنا کر رہا گیا۔“

”ہیں اُس کے۔“

”یہ جنت میرے والد حضور نے اپنی محبوبہ کے لئے تعمیر کرائی تھی۔ اُس وقت اس کا ہاں ”میری خوش قسمتی ہے کہ آج کا پاسورڈ اس طرح معلوم ہو گیا۔“ فریبی نے پر سکون لجھ گل نہیں تھا۔ نہیں دراصل ان کی محبوبہ کا نام تھا۔“

”آپ نے نام کیوں بدل دیا۔“

”بیٹھ جائیے۔“

”بھی نہ وہ خود رہے اور نہ وہ نسین صاحب۔ میں نے کہا میں اب کیوں نہ اے البا۔“ اب تو ہرگز نہ جاؤں گا۔“

”خندن کرو..... وہاں تھا جانے کا میرے پاس کوئی جواز نہیں۔ ورنہ.....“
حید نے اس کے برابر بیٹھنے کی بجائے بچھل سیٹ کا دروازہ کھولا اور حم سے بیٹھ کر
گاڑی پھاٹک سے گزرتی چلی گئی۔ حید کا غصہ ابھی تک فرو نہیں ہوا تھا۔ لیکن
سوچے جا رہا تھا کہ فریدی نے اس کی پرائیویٹ کال کیوں سنی۔

”دماغ مختدرا ہوا یا نہیں۔“ اگلی سیٹ سے فریدی کی آواز آئی۔
”آخر اس کا مطلب کیا ہے۔“

”کوئی نہ کوئی مطلب تو ضرور رہا ہو گا۔ کیونکہ میں تمہاری طرح وقت خانے کر
عادی نہیں۔“

اس بار فریدی کے لمحے کی سنجیدگی نے اسے آہستہ آہستہ مختدرا کر دیا لیکن وہ تن
ہونٹ پر ہونٹ جانے خاموش بیٹھا رہا۔

”بولتے رہو..... ورنہ مضھل ہو جاؤ گے۔“ فریدی نے کچھ دری بعد کہا۔ ”برامانے کی نہیں۔ میں تمہاری کم از کم ایک کال ضرور شیپ کرنا چاہتا تھا اور وہ کال ناصر مرزا کیلئے ہوں۔“
حید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا۔

”کھوڑی دری بعد حید نے کہا۔“ آپ صرف پا سورڈ معلوم کرنا چاہتے تھے۔
”ہاں.....!“

”کیا آپ براہ راست ناصر مرزا سے نہیں معلوم کر سکتے۔ کیا آپ اس سے خواہ لگا
ظاہر کر سکتے تھے کہ آپ اس جنت کو دیکھنا چاہتے ہیں جو اسکے باپ نے اپنی محبوہ کیلئے بنالا فہم
نشے میں کواس کر رہا تھا یہ عمارت اُسی نے بنوائی ہے۔“

”بہر حال آپ اس کی اجازت سے وہاں جاسکتے تھے۔“

”کواس مت کرو۔ جو میں مناسب سمجھتا ہوں کرتا ہوں۔“

رافیلہ منزل ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ کی ایکڑ کے رقبے میں ایسی ہی چار بارہ بیٹھا
سے گھری ہوئی عمارت جیسی قدیم زمانے کے قلعوں کے گرد تعمیر کی جاتی تھیں۔

داخلے کا پھاٹک بھی خاصے ترک و احتشام کا مظہر تھا۔ دو باوردی اور سلیخ سنتری ہر وقت
پر رہا کرتے۔

فریدی نے پھاٹک کے سامنے گاڑی روکی۔ ایک سنتری اُن کے قریب آیا۔
حید نے کھڑکی سے منہ نکال کر پا سورڈ دہرا یا۔

”کیپشن حید سر.....!“ سنتری نے پوچھا۔

”کرکٹل فریدی اینڈ کیپشن حید۔“ حید بولا۔

”صرف کیپشن حید جناب۔ ہمیں آپ کے لئے ہدایت ملی ہے۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“ حید کے لمحے میں جلا ہٹ تھی۔

دفعتا فریدی اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ ”نہیں ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں یہاں تمہارا انتظار
کروں گا۔“

حید نے اسکے لمحے میں کوئی خاص بات محسوس کی لیکن فوری طور پر اسے معنی نہ پہنچا سکا۔
وہ چپ چاپ گاڑی سے اتر گیا۔ پھر اُسی سنتری کی رہنمائی میں وہ پھاٹک سے گزر ا تھا۔
اندر داخل ہوتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے مثل طرز کے کسی باغ میں قدم رکھا ہو۔

سنتری کی حد ختم ہو چکی تھی اور اب ایک مرصع لباس خادم اُس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ حید کا
خیال تھا کہ ناصر مرزا نے اُس کی آسانی کے لئے اُس خادم کو وہاں بھیجا ہو گا۔

اس طویل و عریض چہار دیواری کے اندر جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خوبصورت عمارتیں بھی
آرہی تھیں۔ روشنی کا ایسا اچھا انتظام تھا کہ شائد ہی وہاں کا کوئی گوشہ تاریک رہا ہو۔

چاروں طرف سر بزر قطعات کے درمیان سرخ بھری والی روشنوں کے جال پہنچے نظر آ رہے
تھے۔ خادم اُسے درختوں کے ایک جھنڈ سے گزارتا ہوا ایسی جگہ لایا کہ اُس کی آنکھیں حیرت
سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

یہ ایک چھوٹی سی مصنوعی جھیل تھی۔ جس میں کئی خوبصورت کشتیاں تیر رہی تھیں۔ پوری
جھیل پر ایسی روشنی تھی کہ دن کا گمان گزرتا تھا۔

خادم اسے کنارے سے گلی ہوئی ایک کشتی کے قریب لایا۔ اس کشتی میں ناصر مرازا تھا۔ اس کے قریب سرخ رنگ کی لمبی کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”آؤ..... آؤ..... میرے دوست..... میں تمہارا خفتر تھا۔“ ناصر مرازا نے اپنی نشے میں ذوبی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

حمد کشتی میں اتر گیا۔ وہ اس کے بوجھ سے ذولی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے جید نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

خادم اب مودبائے انداز میں خنکی پر کھڑا تھا۔

”چلو.....!“ ناصر مرازا نے اس کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا اور وہ کشتی میں آ کر بیٹھا۔ پپو سنپھال لئے۔ کشتی آہستہ آہستہ گہرے پانی میں تیرگی۔

حمد نے ناصر مرازا کو بتایا کہ فریدی باہر موجود ہے۔

”بنن بلائے مہمانوں کو برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے کیپشن حمید۔“ ناصر مرازا کا رنگ میں بھی دیکھو۔

حمدی محبوس کر رہا تھا کہ اس وقت وہ ایک بے فکرے کے سے انداز میں گھنگو کر رہا ہے۔ اسی بے مردمی کی توقع حمید کو نہیں تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ فریدی کا نام سنتے ہی ناصر مرازا بدنے روزا کا ذکر چھیڑنا چاہا۔ لیکن ناصر مرازا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”غیر ضروری باتیں نہیں۔ اس نے میں سب کچھ بھلا دیا جاتا ہے۔ تم بھی یہ نہ سوچو کہ فریدی اس وقت چاک پر کھڑا انھوں خود متنی استقبال کے لئے دوڑا جائے گا۔

کشتی آہستہ آہستہ تیرتی رہی۔ دوسری کشتیوں پر بھی لوگ نظر آرہے تھے۔ ان میں سے بہت سے حمید کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ کوئی کنسی وزارت کا سیکریٹری تھا کوئی کسی محلہ کا ڈائریکٹر جzel۔ کچھ غیر ملکی بھی دکھائی دیئے۔

”تم کون ہی پیتے ہو کیپشن.....!“ ناصر مرازا نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور حمید کے جواب پر حیرت زدہ نظر آنے لگا۔ کچھ اس طرح اسے دیکھے جا رہا تھا جیسے اچاک اس کے دم نکل آئی ہو۔

دفعتا چاروں طرف تیز قسم کی موسیقی گونجنے لگی۔ الیکٹریک گیتھار پر بڑی خوشنگوار ہنچ چھین دی گئی تھی۔

ہصر مرازا اپنی سرخ رنگ کی لمبی کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”اہن رنگ کی لمبی میرے لئے جو بہہ ہے۔“ حمید بولا۔

”رافیلہ ہے۔“

”رافیلہ یعنی کہ.....!“

”اہ اسی کے نام سے منسوب ہے یہ جگہ۔“

”لیکن آپ نے تو.....!“

ہصر مرازا کے قہقہے نے اسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

”کیپشن حمید..... بھی ہے میری محبوب۔“

”کہیں کوئی سبز رنگ کی ملے تو مجھے بھی دلوادیجھے۔“

”اس کی عادت ہے کہ وقت ضرورت اپنی کھال بدل دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی تم اسے

”بنن بلائے مہمانوں کو برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے کیپشن حمید۔“ ناصر مرازا کا

لہجہ خشک تھا۔

اسکی بے مردمی کی توقع حمید کو نہیں تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ فریدی کا نام سنتے ہی ناصر مرازا

خود متنی استقبال کے لئے دوڑا جائے گا۔

کشتی آہستہ آہستہ تیرتی رہی۔ دوسری کشتیوں پر بھی لوگ نظر آرہے تھے۔ ان میں سے

بہت سے حمید کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ کوئی کنسی وزارت کا سیکریٹری تھا کوئی کسی محلہ کا ڈائریکٹر

جزل۔ کچھ غیر ملکی بھی دکھائی دیئے۔

”تو آپ اپنی کشتی پر تہبا ہوتے ہیں۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ میں تہبا کب تھا۔ رافیلہ تھی میرے ساتھ۔“

”فلکی گانوں کی نقل اتار سکتی ہے یا نہیں۔“

”کیا تم میرا ناق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”چلا گا لگا دوں گا کشتی سے اگر آپ نے میری نیت پر شہبہ کیا۔ میں نے اتنی محبت آج

تک اور کسی سے نہیں محسوس کی جتنی آپ سے کر رہا ہوں۔“

ناصر مرا زانے اس طرف دیکھا جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ ہو۔
موسیقی کی دھن بدل گئی تھی۔ غالباً چاچا قائم کی کوئی پرشور موسیقی تھی اور اب اس میں ہر کم کا چاہتا ہو۔
کئی ساز شامل ہو گئے تھے۔

”آپ کا آرکسٹرا بھی شاندار ہے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

”سب کچھ شاندار ہے لیکن کسی طرح بھی سکون قلب حاصل نہیں۔“

”آپ بھی بدل دیجئے۔ کتنے عرصہ سے ہے آپ کے پاس۔“

”تم سے مطلب.....!“ ناصر مرا جھنگھلا گیا۔

”آپ کے ہھھلے کو کہہ رہا تھا۔ آپ بگز گئے۔“

”بور مت کرو کیپٹن حمید۔“

”بُوی و اہیات کلارا ہے۔ بچھلے سال میں نے ایک کلارا دیکھی تھی وہ تو ایسی نہیں تھی۔“

ناصر مرا اپنی بلی کو گھورے جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس پر کلارا کے تذکرے کا

نکنا چاہتا ہو۔

رنگ میں وہ کشتی قریب آگئی حمید نے اس غیر ملکی کو بھی پہچانا جو اس لڑکی کے بعد آرھر

ہاں میں داخل ہوا تھا۔

”بُو مرزا.....!“ غیر ملکی نے ناصر مرا کو مخاطب کیا۔

”بیلو.....ڈیل۔“

”تم کچھ بچھے بچھے سے نظر آ رہے ہو۔“

”نہیں ایسا تو نہیں۔ ایک بہت زندہ دل آدمی میرے پاس موجود ہے۔“

بڑھا بھی حمید کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔ ”کچھ جانی پہچانی سی شکل ہے۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر قریب سے گزرنے والی ایک کشتی پر پڑ گئی تھی اور اس نے ”یہاں تو خاص بات ہے اس شکل میں۔“ حمید نے مکرا کر کہا اور جیب سے تمباکو کی
تھیران انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے تھے۔ اسے اس کشتی میں وہی لڑکی دکھائی دی تھی جس پنالا کر پاپ بھرنے لگا۔

”دونوں کشتیاں ساتھ چل رہی تھیں۔“ دفعتاً لڑکی نے ناصر مرا نے کہا۔ ”اس زندہ

کے متعلق فریدی نے اسے بتایا تھا کہ وہ اردو پڑھنا چاہتی ہے۔

اس نے سوچا کیا آرھر کی سوت میں ناصر مرا اسی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ ناصر مرا دوڑا آؤں کو ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم بور ہو رہے ہیں۔“

کی گھر انی کرتا تھا اور روزا اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے پیلک مقامات پر بھی ایک درکن۔ ”اگر اس شریف آدمی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔“ ناصر مرا حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ حمید
کر گزرتی تھی جو اس کے شیانی شان نہیں تھیں۔

آرھر سے غالباً وہ اس کی اعلیٰ میں ملتی تھی اور آرھر ہائی سرکل کے نیجر سے اس کے ”نمچے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مرا صاحب۔“ حمید نے ہونٹوں سے پانپ نکال کر کہا۔
بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا۔

”خوش ہو گئی اگر آپ کے مہماںوں کو انٹرین کر سکوں۔“

ناصر مرا کے اشارے پر خادم نے کشتی دوسری کشتی سے ملا دی اور حمید اس پر اتر گیا۔

”خوش آمدید۔“ لڑکی مسکراتی۔

”ٹھکری۔“ حمید نے معمر آدمی کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کیپٹن ساجد حمید۔“

”وہ لڑکی مجھے گھور رہی ہے۔“ دفعتاً حمید نے خوفزدہ لمحے میں ناصر مرا سے کہا۔

”کون لڑکی.....!“ ناصر مرا چوک پڑا۔

حمدید نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ.....وہ..... کلارا ہے۔“

”میں نے بھی تو کچھ نہیں پوچھا۔“
 ”ہاں..... تم نے بھی نہیں پوچھا۔“
 ”پھر تم چیف ہی کی تعریفیں کیوں کئے جائیں ہو۔“
 ”تھیں تو میں ابھی جانتی ہی نہیں۔“
 ”اور اسے کتنے سال سے جانتی ہو۔“
 ”اوہ کیا بتاؤں..... بڑی عجیب شخصیت تھی۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اسے سالا
 سال سے جانتی ہوں۔ زندگی کے ہر موز پر وہ مجھے نظر آیا ہو۔“
 ”پلنز..... میں ڈیل..... بس.....!“
 ”کیا مطلب.....؟“
 ”جہاں اس شخص کا تم کروہ رہتا ہے وہیں آدمیکا ہے اور میں اس وقت اس کی موجودگی
 قطعی پسند نہ کروں گا۔“
 ”آخڑ کیوں.....؟“
 ”وہ عورتوں سے ڈرتا ہے اور مجھے بھی ڈرتا رہتا ہے۔“
 ”تم جھوٹ بول رہے ہو۔“
 ”ارے ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے ایک عورت نے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ تر
 سے گرے اور بیہوش ہو گئے۔ تین دن ہسپتال میں پڑے رہے تھے۔“
 کلارا ہنس پڑی اور پھر اسے منہ چڑھا کر بولی۔ ”اوہ تم بڑے جمالے ہو۔“
 ”اس میں کوئی شبہ نہیں۔ دیکھو تم سے کتنے مرے سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ہکلایا ہوں ایک
 بار بھی؟“
 ”اوہ تو کیا تمہارا چیف.....!“
 ”عورتوں سے گفتگو کرتے وقت بڑی طرح ہکلاتا ہے اور تم کچھ رہی ہو کہ ازراہ مہربانی تم
 سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔“

”روپن ڈیل..... اور یہ کلارا ڈیل ہے..... میری بیٹی۔ ہم غالباً پہنچنے بھی مل چکے یہاں۔“
 ”ہاں.....!“ حید نے ناصر مرازا کی کشی کی طرف دیکھنے ہوئے کہا۔ جواب انہیں
 کافی فاصلے پر تھی۔
 ”لیکن یہ یاد نہیں آ رہا کہ کہاں دیکھا تھا۔“
 ”دن کی بات ہے۔ ہم آخر چیزوں کے مکان پر ملے تھے لیکن اس وقت وہاں اُسکی
 لاش موجود نہیں تھی۔“
 ”اوہ..... خدا کی پناہ..... یہ ذکر کیوں نکل آیا۔“ ڈیل نے کلارا کی طرف دیکھ کر کہا۔
 ”کوئی بات نہیں ڈیٹی۔“ کلارا نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”وہ میرا بڑا اچھا دوست تھا۔
 وقارون قیاد آتا ہی رہے گا۔“
 ”مجھے بے حد فسوس ہے۔“ حید نے اپنے چہرے پر غناک تاثر پیدا کرتے ہوئے کہا۔
 ”اوہ..... نہیں..... بھول جاؤ۔ میں ہنسنا چاہتی ہوں۔“ لوکی جلدی سے بول۔
 ”تمہارے ساتھ جو آفیسر تھا۔“
 ”وہ میرا چیف تھا۔“
 ”بہت زم دل اور مہربان آدمی ہے۔ بڑا عجیب تھا وہ.....!“
 حید کتاب ہو کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔
 ”دفعتا بڑھنے نے کہا۔ ”میں تواب تحک گیا ہوں۔“
 ”میں ابھی کچھ دیر اور جیسل میں رہنا چاہتی ہوں۔“ کلارا نے کہا۔
 ”میں بار میں یہھوں گا..... تم وہیں آ جانا۔“
 کشی کنارے جا گئی۔ بوڑھا اُتر گیا۔ اب حید اور لڑکی تھا رہ گئے۔ کشی کھینچ دالا۔
 لگ رہا تھا جیسے گونگا اور بہرا ہو۔
 ”یہاں کی پولیس بڑی شائستہ ہے۔ تمہارے چیف نے مجھ سے کچھ بھی تو نہیں بچا۔“
 کلارا بولی۔

نمبر 34
میں ڈرہا تھا کہ کہیں آرئر جمپین کا ذکر نہ نکل آئے۔ اسی لئے ادھر ادھر کی ہائک رہا
بجے بک جمپین کا قاتل ہاتھ نہ آجائے ہمارے ذہن الحیرہ رہیں گے۔
”اوہ..... کیا وہ ہارت فلیور کا کیس نہیں ہو سکتا۔“

”نهیں مس ڈیل..... پوست مارٹم کی روپورٹ کے مطابق اس کی گردن کی ہڈی توڑی گئی
کسی اچانک حادثہ کی بنا پر اس کی موت واقع نہیں ہوئی۔“

”پڑی حرمت انگریز بات ہے کیپٹن۔ میں اسے بچپن ہی سے جانتی تھی۔ وہ ایسا تو نہیں
اک کوئی اس کی گردن آسانی سے توڑ سکتا۔“

”تم اس کے کسی دشمن سے واقف ہو۔“

”نهیں قطعی نہیں۔ وہ طاقت و رضور تھا لیکن جھگڑا نہیں۔“

”یہاں وہ کب سے مقیم تھا۔“

” غالباً تین چار سال سے۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ یہاں ہے۔ ہم لوگ تو چار ماہ
لیہاں پہنچے ہیں۔ بس اچانک ایک جگہ اس سے ملاقات ہو گئی تھی۔“

”وہ کیا کرتا تھا۔“

”ثیوب ولیں لگانے والی ایک کمپنی میں انجنئر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ میں اس کی
دست پر بے حد مغموم ہوں۔ بہت اچھا دوست تھا۔ ڈیٹی کو بھی گھرا صدمہ پہنچا ہے۔“



فریدی نے لیکن جہاں پارک کی تھی وہیں کھڑی رکھی۔ خود بھی اندر ہی بیٹھا گا رہا۔
ہائک کے پھرے داروں کا رو یہ غیر متعلقانہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی کارکی موجودگی ان
کے لئے کوئی معنی نہ رکھتی ہو۔

”اچھا بس ختم کرو۔ اب میں تمہارے بارے میں گفتگو کروں گی۔“
نہ جانے کیوں جیسے جھر جھری سی آئی۔ وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کیاں رہے
کام کی باتیں کی جائیں۔

روزا اس کے ذہن میں کھلکھل رہی تھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے کہ یہ لڑکی اس کے بارے
میں کچھ بتا سکے۔

”مرزا کے دوست عجیب و غریب ہیں۔“ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

”کیوں؟ ہم میں کون سی عجیب بات نظر آئی۔“ لڑکی چونک کر بولی۔

”تمہاری باتیں۔ مرزا کے ساتھ میں نے ایک عجیب و غریب لڑکی دیکھی ہے۔“

”اوہ سمجھی۔ وہ اپ سائیڈ اوون.....!“

”ہے نا عجیب..... ادھر غصہ آیا اور ادھر وہ سر کے مل کھڑی ہو گئی۔ اکثر لوگوں کی زبانی
اس کے حص کی بھی تعریف سنی ہے۔ لیکن کیا تم اسے حسین کہہ سکتی ہو۔“

”پتے نہیں۔ میں نے اسے کم ہی دیکھا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اس سے کہیں زیادہ حسین ہو۔ جب تم ہنستی ہو تو تمہارے گالوں
میں خفیہ سے گھٹھے پڑ جاتے ہیں۔ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کوئی فاختہ بھر سے اڑ گئی ہو۔“

”پڑی عجیب تشبیہ ہے۔“

”تشبیہات کا بادشاہ ہوں۔ لیکن کیا وہ لڑکی پاگل نہیں ہے۔“

”تم نے اس لڑکی کا ذکر کیوں نکلا ہے۔“

”مرزا اس کی وجہ سے بہت زوس رہتا ہے۔“

”اس کے کسی دوست نہیں لڑکی ہے۔“ کلام ابولی۔

”آج میں نے اسے ہلی سرکل میں سر کے مل کھڑے دیکھا تھا۔“

”میں کہتی ہوں کیا تم اسی کے ذکرے کے لئے اس کششی پر آئے تھے۔“

”میں معافی چاہتا ہوں مس ڈیل۔ دراصل ہماری زندگیاں بور جوں ہی میں بسر ہوتی
ہیں۔“

گھری کی چھوٹی سوئی تین پتھی اور بڑی سوئی بارہ پر۔ فریدی نے اس پر اچھی ہولکن پہاں ہو گئے اور اُسی رفتار سے شمال ہوئے جس رفتار سے اس وقت رقص جاری تھا۔ نظرڈالی اور پھر چالک کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹھیک اُسی وقت ایک گاڑی چالک سے برآمد ہو کر لگکن کی طرف بڑھتی چلی آئی۔ فریدی کے ہونزوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ نظر آئی۔ پھر موسیقی نقطہ عروج پر پہنچ کر تھم گئی۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہوا جیسے زمین کی گردش رک گئی قریب پہنچ کر اُس کے بریک چڑچڑائے۔ اُس کے ہیڈ لیپس کی روشنی پہلے ہی فریدی کے پل کے لئے قبرستان کا سانسنا چھا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ اوپھی آوازوں میں گفتگو کرنے لگے۔

”کمال میاں۔“ گاڑی سے ناصر مرزا کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی میں نے یہ جنت بے فکار کیلئے تعمیر کی ہے۔ تم جیسے باصول آدمیوں کیلئے نہیں۔ ویسے اگر اب تم اندر جانا چاہو تو مجھے کل فریدی بار کے کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ فون ویں رکھا تھا اور غالباً ایک بھی کاؤنٹر کے پہچے اعتراض نہ ہوگا۔ تمہارا اسٹنٹ اس وقت ایک خوبصورت بلوکی کے ساتھ چھیل میں تیر رہا ہے۔ اندر ریسور کاؤنٹر پر پڑا نظر آیا۔ فریدی بچھے تھے تھے قدموں سے چلتا ہوا کاؤنٹر کے قریب ”عنایات کا شکریہ۔“ فریدی نے نزم لہجے میں کہا۔ ”میں ضرور جاؤں گا۔“

”اور ہاں سنو۔“ کسی بڑی شخصت سے مرعوب نہ ہوتا۔ سیدہ تان کر چلتا۔ میری جن میں کوئی کسی سے افضل نہیں ہے۔ پاسورڈ دہراتے ہوئے گاڑی سمیت اندر چلے جاؤ۔“ ”میں ناصر مرزا ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”فرمائیے۔“

”یہ ناممکن ہے کہ کیپٹن حمید نے تمہیں روزا کے بارے میں نہ بتایا ہو۔“ فریدی حسب ہدایت چہار دیواری کے اندر پہنچا۔ ایک جگہ بہت سی کاریں پارک تھیں۔ لگکن بھی وہیں کھڑی کر کے وہ ایک ایسی عمارت کی طرف بڑھا جہاں سب سے زیادہ روشنی انظر آرہی تھی۔ قریب پہنچنے پر ٹوٹس کی موسیقی سنائی دی۔

یہ ایک بہت بڑا بھائی تھا۔ یہاں متعدد جوڑے ٹوٹس کر رہے تھے۔

بھائی کے ایک گوشے میں بارہتی جہاں کئی معمرا لوگ اشتوں پر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ فریدی کو یہاں زیادہ تر جانی پہچانی صورتیں نظر آئیں۔ لیکن وہ خصوصیت سے کسی طرف متوجہ نہیں تھا۔

رقص کی موسیقی بتدریج تیز ہوتی جا رہی تھی اور رقص جوڑے گویا آپ سے باہر ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ برتی قوت سے چلنے والی مشینوں میں تبدیل ہو گئے ہوں۔

”کیا کیپٹن حمید وہاں موجود ہے۔“

”تو پھر.....!“

”مگر ہاں۔“

قہرے عی فاطمے پر کلارا نے اُن کا راست روک لیا۔
”اوہ..... آپ بھی ہیں یہاں۔“ اُس نے فریدی کو مخاطب کر کے اس اچانک ملاقات
مہماں سرت کیا۔ فریدی بھی چند رکی جملے ادا کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔
جید کا بازو اب بھی اُس کی گرفت میں تھا۔ وہ عمارت سے نکل آئے۔
”آپ نے بد اخلاقی کا ثبوت دیا ہے۔“ جید بڑھا گیا۔

”حلتے رہو خاموشی سے..... اگر وہ ہسپتال سے غائب ہو گئی ہے تو اُس کی زندگی خطرے
صاحب! میں کسی ایسی لڑکی پر نظر ڈالتا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں جس کا کوئی دعویٰ اور پہلے
 موجود ہو۔“ اور اسی جملے کے اختتام پر اُس نے رسیور کریڈل پر شمع دیا۔
”خواہ مخواہ سر ہو رہا ہے یعنی۔“ وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔
فریدی دوسرا طرف منہ پھیر کر گارسلگا نے لگا۔

”آپ سے کیا کہا تھا اُس نے؟“ اُس نے فریدی کو پھر مخاطب کیا۔
”اس کے علاوہ اور بھی کچھ کہہ دیا تھا کہ اُسکے غائب ہو جانے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“
”ہاں مردود کہتا ہے کہ تم نے اُسے بلیک میل کر کے کہیں اور پہنچا دیا ہے۔“
”بس تو پھر صفائی پیش کرنے کی تیاری کرو۔“ فریدی نے خنک لمحہ میں کہا۔
”صفائی..... ضرور..... اُس کے سر پر جو تمہوڑے سے بال باقی بچے ہیں اُن کے
بار بر تک کھلانے کو تیار ہوں۔“

”بچوں کی ہی باتیں نہ کرو۔ ذرا اپنے آس پاس کی بھیز کا بھی جائزہ لینے کی کوشش کرو۔
یہ کون لوگ ہیں۔“

”بہت اوپنے اوپنے لوگ۔“ حید خواتر آمیز لمحہ میں بولا۔ ”آپ بھی بہت
ادی ہیں۔ لیکن میں کیا اور کیا میری بساط۔ جس کے سر پر کہئے پائچ جوتے رسید کر کے پانی
باز رہی تھی وہ چوک کر بولا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ یعنی نے اُسے غائب کر دیا ہو۔“
”بہت دور کی کوڑی لائے ہو لیکن غلط۔“ فریدی نے وہاں اسکرین پر نظر جائے ہوئے

”وراۓ فون پر بلو۔ میں اچھوں کے لئے اچھا ہوں اور بُرُوں کے لئے بُرُر۔“
فریدی کی پیشانی پر شکنیں نظر آئیں اور اُس نے اچھا کہہ کر رسیور کا ڈنٹر پر ڈال دیا۔
بھر اُسی سے حید کو کال کرنے کے لئے کہا جو مایک کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔
حید نے حرث سے فریدی کو دیکھ کر کہنا چاہا لیکن فریدی نے فون کی طرف اشارہ
کیا۔ اُس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار خونگوار نہیں تھے۔

حید نے کال رسیور کی اور زیادہ تر حرث کا اطمینان کرتا رہا پھر غصیلے لمحہ میں بولا۔ ”مرزا
نماؤں۔“
”آپ اندر آئے کیسے؟“
”نامصر مرا زا کی ابازت سے۔“
”جہنم میں جائے۔“
”لیکن تم تو نکلو اس جنت سے۔“
”آپ اندر آئے کیسے؟“
”نامصر مرا زا کی ابازت سے۔“
”مجھ سے تو صاف انکار کر دیا تھا کہ بہرہ تھا کہ بن بلائے مہمان اُس کے لئے ناقابل
بائست ہوتے ہیں۔ آخر یہ کس قسم کے خاندانی تعلقات ہیں۔“
”بجم اور قانون کے مخالف ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔“
”تنی اطلاع ہے۔“ حید فٹریے لمحہ میں بولا۔
”دونوں ہی آدم کی اولاد ہیں..... بیٹے۔“

”تو کیا آپ کا خیال ہے کہ آتمر کے کیس میں مرزا عی کا ہاتھ ہے۔“
”ہو سکتا ہے..... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اُسے دونوں کا چھپ کر ملتا پندرہ نو ہوا اور ہو سکتا
ہاں خودوںی روزا کی گشتنی کا بھی ذمہ دار ہو۔“
”لکن میں آبیٹھے۔ حید کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ جب لکن چہار دیواری کے چھانک
باز رہی تھی وہ چوک کر بولا۔“ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ یعنی نے اُسے غائب کر دیا ہو۔
”بہت دور کی کوڑی لائے ہو لیکن غلط۔“ فریدی نے وہاں اسکرین پر نظر جائے ہوئے
”اب چلو یہاں سے۔“ فریدی اُس کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیتا ہوا بولا۔

کہا۔ ”میں نے صرف اتنا کیا ہے کہ تمہاری طرح غافل نہیں رہا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”وہ جہاں بھی لے جائی گئی ہو گی کچھ دیر بعد مجھے اس کا علم ہو جائے گا۔“

”اوہ..... تو آپ اس کی گمراہی کرتے رہے ہیں۔“

”یقیناً..... مجھے سوچنا پڑا تھا کہ اس نے خود کسی کی کوشش کیوں کی؟“

”اکثر محبت کرنے والے محبوب کی موت نہیں برداشت کر سکتے۔“

”کہانیاں ہیں فرزند..... جب ایک ماں جوان بیٹے کی موت کے بعد بھی زندہ رہنے میں مدد برآسمانہ بنائے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔“

”ہے تو یہ سب کچھ قطعی بکواس ہے۔“

”بہتسرے واقعات ہیں۔“

”موت کے واقعات ہوں گے وہ صرف جدائی کے قصے ہوتے ہیں۔ اگر تمہاری بھین لئیں بار دبا کر انتظار کرنا۔“

”سامنے والی عمارت کے برآمدے میں جاؤ۔“ فریدی کہہ رہا تھا۔ ”دروازے کی چوکھت سے جدا ہو کر کسی اور کے پہلو میں پہنچ جائے تو تم یقیناً خود کشی کرو گے۔ لیکن وہ محبت نہیں ہوگی۔ وہ تو عجیس لگے گی تمہاری مردالگی۔ کو تمہاری انا مجرموں ہو گی اور غیرت خود کشی پڑائے۔“

”اندر سے کوئی آئے گا تم صرف ”ہارڈ اسٹون“ کہہ کوواپس چلے آتا۔“

”اگر وہ کوئی سماں ہو اور اس نے میری نالگ پکڑ لی تو کیا ہو گا۔“

”وقت نہ ضائع کرو۔“

”مدد عمارت کے برآمدے میں آیا۔ سرخ رنگ کے پیش سوچ کو تین بار استعمال کرنے بعد اندر سے کسی کی آمد کا خطرہ رہا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ لئکن سنان سڑکوں پر تیز رفتاری کے مظاہرے کرتی ہوئی بلا ذریک جلد ہی دروازہ کھلا اور حمید نے دروازہ کھولنے والے کی ٹھنڈ دیکھے بغیر بھرائی ہوئی آواز

مارت کے سامنے آ کر رکی اور فریدی نے حمید کو جھوٹا۔

”آپ..... آپ..... اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جائیے۔“ حمید نے چوکر کا گاڑی پر بیٹھا ہے لیکن نہ

سکیوں اُس کا رو یہ کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ جیسے مزکر دیکھے گا تو پتھر کا ہو کر رہ جائے گا۔

”بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔“ ”میں گاڑی ہی میں سو جاؤں گا۔“

”آئکھیں کھولو..... ہم گھر میں نہیں ہیں..... دو دھپیتے بیچے؟“

”حمد بوكھلا کر سیدھا ہو گیا۔ چند لمحے آئکھیں چھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہا پھر“

”پچھلی سیٹ سے کھکھانے کی آواز آئی۔ لیکن حمید نے اب بھی مزکر نہ دیکھا۔“

”ہواں بولا۔“ ”واقعی میں بہت احتق ہوں۔“

”پڑا عتراف تو کیا تم نے..... اڑو.....!“

”اب صرف یہ بتا دیجئے کہ آپ نے میری کال کیسے ٹیپ کی تھی۔ جب کہ میں نے پڑالاں کا پلگ انسرومنٹ سے کال دیا تھا۔“

”بہت دیر سے چوکے۔“ وہ اُسے نیچے اڑانے کے لئے دھکیتا ہوا بولا۔ ”ساری ہی نیہانے کی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایسا نہ کروں تو تم پہ نہیں کب اور کہاں غرق ہو جاؤ۔“

”جید براہامنہ بنائے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔“

”سامنے والی عمارت کے برآمدے میں جاؤ۔“ فریدی کہہ رہا تھا۔ ”دروازے کی چوکھت

نگھٹیوں کے پیش سوچ ہیں جن کے پیش بیٹن مختلف رنگوں کے ہیں۔ سرخ رنگ والے پیش

”جید براہامنہ بنائے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔“

”مجھے وہاں چھوڑ کر کھک تو نہیں جائیں گے۔“

”اندر سے کوئی آئے گا تم صرف ”ہارڈ اسٹون“ کہہ کوواپس چلے آتا۔“

”اگر وہ کوئی سماں ہو اور اس نے میری نالگ پکڑ لی تو کیا ہو گا۔“

”وقت نہ ضائع کرو۔“

”مدد عمارت کے برآمدے میں آیا۔ سرخ رنگ کے پیش سوچ کو تین بار استعمال کرنے بعد اندر سے کسی کی آمد کا خطرہ رہا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ لئکن سنان سڑکوں پر تیز رفتاری کے مظاہرے کرتی ہوئی بلا ذریک جلد ہی دروازہ کھلا اور حمید نے دروازہ کھولنے والے کی ٹھنڈ دیکھے بغیر بھرائی ہوئی آواز

مارت کے سامنے آ کر رکی اور فریدی نے حمید کو جھوٹا۔

”آپ..... آپ..... اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جائیے۔“ حمید نے چوکر کا گاڑی پر بیٹھا ہے لیکن نہ

سکیوں اُس کا رو یہ کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ جیسے مزکر دیکھے گا تو پتھر کا ہو کر رہ جائے گا۔

”بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔“ ”میں گاڑی ہی میں سو جاؤں گا۔“

”آئکھیں کھولو..... ہم گھر میں نہیں ہیں..... دو دھپیتے بیچے؟“

”جتاب عالی.....!“ بچھلی سیٹ سے کسی نے کہنا شروع کیا۔ ”انہوں نے گمراہ نہیں، لیکن وہ آنکھیں ہیں۔“ بھاری رشوت دی تھی۔ لہذا نہیں کی مدد سے وہ اُسے نکال لے گئے اور جتاب عالی اُسی عمارت میں جس کی گمراہی ہم دو ماہ سے کرتے رہے ہیں۔“

”اوہ.....!“ فریدی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

کار کی رفتار تین بیس تھی۔ حمید نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

”نی الحال اُس عمارت میں کتنا آدمی ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”تمنی.....لوکی سمیت چار۔“

”کوئی عورت بھی ہے۔“

”جی ہاں دو عورتیں.....ایک مرد.....اور وہ لڑکی۔“

”غیر ملکی ہیں؟“

”عورتیں غیر ملکی ہیں۔ مرد دیسی۔ لیکن جتاب عالی وہ پورا دیو ہے۔ انکی جسمات اُدی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اُن کی رکھوائی کے لئے دہل رکھا گیا ہے۔ اور.....اور.....!“

”ہوں.....کہو خاموش کیوں ہو گئے۔“

”وہ کسی شکاری کرنے کی سی قوت شامہ رکھتا ہے۔“

”تم نے پہلے ایسے کسی آدمی کی اطلاع نہیں دی۔“ فریدی بولا۔

”جتاب عالی.....وہ بچھلی دوپہر کو پہلی بار وہاں دیکھا ہے۔“

”کیا خیال ہے۔ لڑکی کی زندگی خطرے میں ہے۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”کچھ کہا نہیں جا سکتا جتاب عالی۔ لڑکی کے دہل پہنچنے کے بعد سے ہم اپنے بنا ہوئے راستے کے ذریعہ عمارت تک نہیں پہنچ سکتے۔“

”کیوں؟“

”وہی دیوزاد جتاب۔ اس طرح عمارت سے باہر آتا تھا جیسے ہماری یوسوگھ لی ہو۔ اب۔“

”بچھلی سیٹ سے کسی نے کہنا شروع کیا۔“

”فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔“ صبح ہونے سے پہلے اُس لڑکی کو عمارت سے برآمد

میں جس کی گمراہی ہم دو ماہ سے کرتے رہے ہیں۔“

”لیٹا جائے۔“

بچھلی نشست پر بیٹھا ہوا آدمی کچھ نہ بولا۔

”شاکر حید کی تیندی غالب ہو چکی تھی۔ لیکن اُس نے اپنے ہونٹ بختی سے بھیجن رکھے تھے۔“

” غالباً زبان ہلانے کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا تھا۔ ہورہے گا جو کچھ ہوتا ہے۔ اُسکی بلا سے۔“

”کچھ دیر بعد فریدی نے اُسے ٹھوکا۔“ کیا سو گئے۔“

”جی نہیں.....صبح سات بجے سوکر کیا کروں گا۔“ حمید نے خلک لجھ میں کہا۔

”ویسے کیا آپ کو یقین ہے کہ ان لوگوں نے اُسے زندہ چھوڑا ہو گا۔ اگر وہ اُسے کسی راز

لی پڑہ پوچھی کی خاطر لے گئے ہیں تو میری دانست میں اس کا امکان نہیں۔“

”سب کچھ ملکن ہے۔“

”تو میں یہ عرض کروں گا کہ آپ کی غفلت پر اُس کی موت کی ذمہ داری ہو گی۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“

”سوچتے ہی رہیں گے یا کچھ کرنے کا بھی ارادہ ہے۔“

”شام تک پھر اونگھنے لگے۔“

”بائیں جانب موڑیے جتاب۔“ بچھلی سیٹ سے آواز آئی۔

فریدی نے گاڑی بائیں طرف موڑ دی۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”پھر اونگھنے لگا تم.....کیا روزا کی لاش برآمد نہیں کرو گے اُس عمارت سے۔“

حمدید بھتنا کر رہ گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ کسی لڑکی کے بارے میں ایسا بے دردناک اکھدار

خیال اُسے اچھا نہیں لگا تھا۔

”حلقے کے تھانے میں ہسپتال سے اُس کی گشتدگی کی رپورٹ درج کرادی گئی ہے یا

نہیں۔ ”فریدی نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اجنبی کو مخاطب کیا۔

”ہی ہاں..... آپ کی تشریف آوری سے صرف میں منٹ پہلے مجھے اطلاع مل گیا کہ یعنی سے روک دیا۔“

ناصر مرازے نے ہسپتال سے اُس کی گمینی کی روپورٹ درج کرائی تھی۔“
”بچھے ہو..... روشنی سے نیچ کر۔“

”میک..... میں ابھی اُس کی تصدیق کئے لیتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور ایک دوسری طرف تاریکی میں سرک گئے۔
کی دوکان کے سامنے گاڑی روک دی۔

”کیا بات ہے۔“ حمید نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ پوچھا۔ اُس کے ذہن پر پھر

آس پاس کے چھوٹے موٹے چائے خانے کھل گئے تھے اور میڈیکل اسٹور تو رات بھر بنا گلبہر ہوا تھا۔

عی کھلے رہتے تھے۔ اُس نے میڈیکل اسٹور سے فون کر کے متعدد خانے سے ناصر مرازے کی روپورٹ کے بارے میں تصدیق کی اور پھر گاڑی میں آبیٹھا۔

اس بارگاڑی دیر تک نہیں چلتی رہی تھی۔ مودل کالونی کی سڑک پر اُسے روکا گیا۔
”یہیں رکنا مناسب تھا۔“ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اجنبی نے کہا۔

فریدی نے پھر حمید کو نہ کہا دیا ”اتو.....!“
گاڑی وہیں چھوڑ کر وہ ایک طرف چل پڑے۔ اجنبی آگے چل رہا تھا۔ یہاں حمید نے اپھل، تھیں یقین ہے کہ خود تمہارا تعاقب نہیں کیا جاتا رہا۔“

اچھی طرح اس کی ٹھیک دیکھی۔ لیکن یہ یاد نہ آیا کہ پہلے بھی کبھی اُسے دیکھا ہو۔
”ہم پوری طرح محکما رہے ہیں جتاب عالی اور اس وقت بھی میں نے خاص طور پر اس

آس نے سوچا ممکن ہے بلیک فورس کا کوئی ممبر ہو۔
وہ کالونی کے اُس حصے میں آپنے جہاں عمارتیں ایک دوسری سے کسی قدر فاصلے پر واقع تھیں اور بہت زیادہ دولت مند لوگ ان میں آباد تھے۔

”ضرورت ہی نہ سمجھی گئی ہو گی تعاقب کی۔“ حمید نے نیند سے چاؤ کے لئے بار بار

”اب ادھر با میں جانب سے نکل چلے جانا۔“ اجنبی بولا۔ ”میں آپ کو اسی طرف اگھیں چھاڑتے ہوئے کہا۔“ کیا وہ ناصر مرازے کی کال نہیں نیپ کر سکتے جب انہوں نے نا

لے چلوں گا جدھر سے عمارت میں داخلہ ممکن ہے۔“
”کیا تم نے ”البرٹو“ کے اندر سے کوئی راستہ بیٹایا ہے۔“

”جی ہاں۔“
”مجھے سوچنے دیجئے۔ نیند سے سارا مواد گذہ ہو گیا۔ ہاں تو وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم

”البرٹو نام کے شبانہ کلب سے حمید بھی والتف تھا۔ لیکن کبھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔“
”الاطلاع پر کوہر کارخ کریں گے اور اگر ناصر مرازے اس خود ان حرکات کی پشت پر ہے تو پھر

پکام اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔“

”خارج از بحث تو نہیں ہے وہ بھی۔“ فریدی پر تکلیف بچے میں بولا۔ ”لیکن یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔“ حمید نے کہا۔ ”کہنے تو میں اندر جا کر حالات کا جائزہ لوں۔ میرا بڑی بیٹی میڈیک اپ ہر وقت جیب میں پڑا رہتا ہے۔“

”مٹھرو.....!“ فریدی نے کہا اور ہمراہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اب تم یہ بتاؤ البرٹو کی

عمارت سے ہم کس طرح وہاں تک پہنچ سکیں گے؟“

”اب مطلب بھی میں ہی سمجھاؤں۔“

”میں سمجھی۔“ دفتار اس نے غصیلے بچے میں کہا۔ ”ہماری گھرانی کی جا رہی ہے شاند۔ کیا

”جن ہوتم لوگ۔“

”لوگ نہیں..... صرف میں..... اور میں تمہیں اس سال کی خوبصورت ترین لڑکی سمجھتا ہوں۔“

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”تمہارے ڈیٹی تو آس پاس موجود نہیں۔“

”کیوں.....؟“

”آن سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔“

”تم نئے میں تو نہیں ہو۔“

”میرا چیف کہہ رہا تھا کہ تم اردو پڑھنا چاہتی ہو۔“

”ہاں تو پھر.....!“

”میں تمہیں میرتی میر سے میرا بھی تک سب کچھ پڑھا دوں گا۔“

”یہ کون ہیں۔“

”اردو کے دو بہت بڑے شاعر۔“

”خضول باتیں نہ کرو۔ تمہیں ہم پر جنمیں کے قتل کے سلسلے میں شہر ہے۔“

”کیا پولیس والوں کو اس کا حق حاصل نہیں کر دے کسی کو چاہ سکیں۔“

”اوہ.....!“ اس نے تمحیرانہ انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پھر نہ پڑی۔

”تم نہیں رہی ہو۔“ حمید کا لہجہ دردناک تھا۔

”لیوڈزی والے کاریئر کا اختتام ایک دروازے پر ہوتا ہے جو عمارت کی پشت پر کملہ ہے۔ دروازے کے قریب ہی باہر کھلے ہوئے زینے ہیں جو البرٹو کی جھٹ پر جاتے ہیں۔ ساتواں زینہ دوسری عمارت کی چہار دیواری ہی کے لیوال پر ہے اور چہار دیواری کا اس سے افاضہ ایک گز سے زیادہ نہ ہوگا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”تم اندر جاؤ..... اور اسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کرو۔“



البرٹو کے ہاں میں خاصی روق تھی۔ فلورشو ہو رہا تھا۔ یہک وقت تمیں لڑکیاں میزوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھیں۔ حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ کلاڑا ڈیل ایک میز پر نہ تھی۔ اس کا باپ کہیں نہ دکھائی دیا۔ حمید اس میز کی جانب بڑھتا رہا۔ دفتار کلارا سے نظر میں اور لڑکی کا منہ حیرت سے مکلن گیا۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور حمید مسکراتا ہوا اس کے مقابل میٹھے گیا۔

اور اب وہ نہم و آنکھوں سے اسے دیوانہ وارد کیکھے جا رہا تھا۔

”تو پھر کیا مجھے روتا چاہئے۔ ہمارے یہاں کے پولیس والے تو اپنی بیویوں تک کوچھ اپنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔“

”کیوں.....؟“

”پولیس والے ہی جائیں۔ میں بھلا کیا بتا سکوں گی؟“ اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ اور حمید نے اس کا دل رکھنے کے لئے اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ آس پاس کے لوگ چونکہ پڑے۔

”کیا اس شہر میں کوئی سکون کی جگہ نہیں ہے۔“ کارار نے کچھ دیر بعد کہا۔

”سکون ہی سکون۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔ ”میں اُسیں جگھوں سے بھی واقف ہوں جہاں سکون ہی سکون ہے۔“

”کیا تم مجھے وہاں لے چلو گے۔“

”اپنے ڈیلوی سے اجازت لے لو۔ ہم مشرقي لوگ والدین کی مرضی کو مقدم جانے کے عادی ہیں۔“

”ڈونٹ بنی سلی! میں بچی نہیں ہوں۔“

”اچھا.....!“ حمید نے کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر سینڈ و چڑ طلب کئے۔

”کیا تم بھوکے ہو۔“ کارار نے پوچھا۔

”پیدائشی بھوکا ہوں..... جب میں پیدا ہوا تھا تو میری ماں روزے سے تھی۔“

”بہت مذہبی تھہاری ماں۔“

”ہمارے یہاں ہر ماں مذہبی ہوتی ہے۔ خواہ مذہب کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتی ہو۔“

”دھوکہ پڑا۔ انگلیاں گھنیرے بالوں سے الجھی تھیں۔“

”دھوکہ نکلی اور غالباً بیووش تھی۔ اتنے میں فریدی کا ہمراہی بھی واپس آگیا۔

”آپ کہاں ہیں جناب۔“ اس نے دیوار کے قریب پہنچ کر آہستہ سے کہا۔

”اڈھر.....!“ فریدی بولا اور پنسل نارچ کی روشنی عورت کے چہرے پر ڈالی۔

”اوہ.....!“ ہمراہی کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ ”یہ تو وہی ہے جس کیلئے ہم.....!“

”جسمیں یعنیں ہے۔“ فریدی نے نارچ کچھ اور قریب کرتے ہوئے کہا۔



”میں جاگ رہی ہوں۔“ اُس نے تھیف کی آواز میں جواب دیا۔

”نم نے مجھ پر حملہ کیوں کیا تھا۔“

فریدی نے طویل سانس لے کر تاریج بچھادی اور مڑ کر انہیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگے۔

پھر اُس نے ہمراہی کو دیں چھوڑا تھا اور خود اُسی سمت بڑھ گیا تھا جدھر سے اُس عورت

”کیا تم دوڑ سکتی ہو۔“

”کیوں نہیں۔“

کچھ دور پل کر رک گیا۔ وہ اُس عمارت کے پھانک پر تھا جس کے بارے میں اُسے

اطلاع ملی تھی کہ روزا وہیں لے جائی گئی۔ سلاخوں دار پھانک بند تھا اور کپاڈ غلتاریک پڑی

”اکثر..... میں نہیں آجھی۔“

”تھماری جان بچائی گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر کا خیال تھا کہ تمہیں کم از کم پندرہ دن تک بستر

ہیں نہ چاہئے۔“

”تھماری باتیں میری آجھ میں نہیں آرہیں۔“

”کیا تم روزا اپ سیدھا اون نہیں ہو۔“

ہمراہی نے سہارا دے کر روزا کو زمین سے اٹھایا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فریدی ”میں روزا اپ سیدھا اون نہیں ہوں۔“

”پھر تم کون ہو۔“

”ایسے راستوں سے چلو جو زیادہ روشن نہ ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ پھر رک کر بولا۔ ”میں کون ہوں۔“

”نہیں یہیں جل سکے گی۔ کنجی لو اور گاڑی یہیں لے آؤ۔“

گاڑی وہاں تک پہنچنے میں تین چار منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے اور اس ”والا“ ایک پولیس آفیسر سے ہم کلام ہو۔

”میری آجھ میں نہیں آرہیں تھماری باتیں۔“

”اس عمارت کی نگرانی بدستور جاری رہے گی۔“ اُس نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے ”کیا تمہیں ناصر مرزا کے پاس پہنچا دیا جائے۔“

ہمراہی سے کہا۔

پھر ہمراہی وہیں رہ گیا تھا اور گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔ روز افریدی کے

برابر اگلی عیسیٰ پر شم دراز تھی۔

”نمبرے خدا..... میں کسی ناصر مرزا کو نہیں جانتی۔“

”خوب.....!“ فریدی مسکرا یا۔ ”تو تم اُر تھر جیسپن کو بھی نہ جانتی ہوگی جس کی ااش دیکھے

روشنی پوری طرح یہوش عورت کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

”جی ہاں..... یہ وہی ہے جسے ہسپتال سے اخواء کیا گیا تھا۔“

فریدی نے طویل سانس لے کر تاریج بچھادی اور مڑ کر انہیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگے۔

پھر اُس نے ہمراہی کو دیں چھوڑا تھا اور خود اُسی سمت بڑھ گیا تھا جدھر سے اُس عورت

نے اُس پر چلا گئک لگائی تھی۔

کچھ دور پل کر رک گیا۔ وہ اُس عمارت کے پھانک پر تھا جس کے بارے میں اُسے

اطلاع ملی تھی کہ روزا وہیں لے جائی گئی۔ سلاخوں دار پھانک بند تھا اور کپاڈ غلتاریک پڑی

تھی۔ کسی کھڑکی یا روشدنہ ان میں بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

چند لمحے وہاں رک کر وہ پھر اُسی طرف پلٹ آیا جہاں اُن دونوں کو چھوڑا تھا۔

”اُسے گاڑی تک لے چلے کی فکر کرو۔“

”اب یہ ہوش میں ہے جتاب۔ لیکن خائف معلوم ہوتی ہے۔“

ہمراہی نے سہارا دے کر روزا کو زمین سے اٹھایا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فریدی ”میں روزا اپ سیدھا اون نہیں ہوں۔“

نے بھی اس کا ایک بازو پکڑ لیا۔

”ایسے راستوں سے چلو جو زیادہ روشن نہ ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ پھر رک کر بولا۔ ”میں کون ہوں۔“

”نہیں یہیں جل سکے گی۔ کنجی لو اور گاڑی یہیں لے آؤ۔“

گاڑی وہاں تک پہنچنے میں تین چار منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے اور اس ”والا“ ایک پولیس آفیسر سے ہم کلام ہو۔

میں فریدی روزا کو اپنے بازو میں سنjalے رہتا تھا۔

”اس عمارت کی نگرانی بدستور جاری رہے گی۔“ اُس نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے ”کیا تمہیں ناصر مرزا کے پاس پہنچا دیا جائے۔“

ہمراہی سے کہا۔

پھر ہمراہی وہیں رہ گیا تھا اور گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔ روز افریدی کے

برابر اگلی عیسیٰ پر شم دراز تھی۔

”کیا تم جاگ رہے ہو۔“ فریدی نے کچھ دری بعد اسے مخاطب کیا۔

کرم نے خود کسی کی خلافی تھی۔“

”تم پہنچنیں کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ سارے نام میرے لئے نہیں ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ تم یہی بتا دو کہ اس وقت کہاں سے آئی تھیں۔“

”اُسکے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی کہ اس وقت میں تمیزی سے دوز رعنی تھی۔ تم سے ملکراہی پر بھیجا کا آئی جی تھا اور دوسرا ناصر مرزا۔“

”پھر آگاہ کرتا ہوں کہ تم ایک پولیس آفیسر سے مخاطب ہو۔“

”مجھے ذرا نے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہاری ہر بات مان لوں گی۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“

”ہر عورت کے لئے ایک مرد ضروری ہے۔ حالانکہ میں نے ابھی تک تمہاری شکل نیپر پہلے عی روشنی کر دی تھی۔“

”لیکھی۔ لیلن تم رحم دل آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”لیکن ہر مرد کے لئے عورت ضروری نہیں ہے۔“

”پھر وہ خوبھی عورت ہی ہوگا۔“ لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

”اچھی بات ہے۔“ فریدی نے کہا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔

”دفعتا عقب نما آئینے پر نظر پڑی۔ پیچھے کئی گاڑیوں کے ہیڈ لیپس نظر آرہے تھے اور پہلے فریدی کو انپکٹر ہی کہہ کر مخاطب کرتا تھا اور اُس کے لمحے میں احساس کمتری کی اُس نے پولیس کی گاڑی کا سائز بھی سن۔“

”دونوں ہونٹ نجتی سے بھیچ کر اُس نے سر کو جبنتی دی اور ایک سلیر شرپر دباو کم کر دیا۔“ ”میں ہس وقت اسیشل ڈیوٹی پر ہوں۔ براد کرم گاڑی سامنے سے ہنواج تجھے۔“ فریدی

”اب دیکھنا..... تمہاری وجہ سے کن دشواریوں میں پڑتا ہوں۔“

”میں اُسے مردی نہیں سمجھتی جو کسی عورت کے لئے دشواری میں پڑنے سے ڈرتا ہو۔“ لیکن ڈی آئی جی کا پارہ پہلے عی سے چڑھا ہوا تھا کیونکہ فریدی نے گاڑی سے اتر کر تعظیم نہادی تھی۔

”میں ایسا مرد نہیں ہوں جس کے لئے عورت ضروری ہو۔“

”لیکن تم ایک رحم دل آدمی ضرور ہو۔“ فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سائز بجائی ہوئی پولیس کا رأس کی گاڑی سے آئے گلے ہمہر۔

”کر کسی قدر تر چھی ہوئی اور اُس کے بریک چڑچڑائے۔ اگر فریدی نے بھی پورے بریک نہ کسی سلسلے میں جتاب۔“ فریدی کا لمحہ بے حد سرد تھا۔

”یہ لڑکی کون ہے؟“ لگائے ہوئے تو ملکراہ لیقینی تھا۔ دونوں گاڑیوں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دو فٹ رہا ہوگا۔

یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ”روز امنستنائی۔“

”میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہاری وجہ سے دشوار یوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”روزا۔ اب تم محفوظ ہو نیچے آتے آؤ۔“ ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا یکین اس کے لیے۔ ”لوگ کون تھے اور مجھ سے کیا چاہتے تھے۔“

”جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا وہ کون تھا۔“

”اسے گاڑی میں بٹھاؤ۔“ ذی آئی جی نے پولیس کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ”میں تمہیں کس طرح یقین دلوں کی میرے لئے ابھی تھا۔ لیکن گفتگو اس طرح کر رہا فریدی سے کہا۔

”میں پھر گوش گزار کر دوں گا کہ میں اس وقت اپنے ڈیوٹی پر ہوں اور یہ مجھے خام ہوں.....!“ فریدی کے ہونٹ پھرختی سے بھیخ گئے تھے۔

حالات میں ملکہ خارجہ کی طرف سے تفویض ہوتی ہے۔“ ”تمہارا کوئی ہٹکنڈا کام نہیں آئے گا۔“ ناصر مرزا بول پڑا۔

”کالیا اور ماڈھپیں میں بولا۔“ بیلو.....بیلو.....فلائینگ اسکوارڈن آپریشن۔“

”بیلو.....!“ کوئی بولا۔ ”ہواز دیت.....؟“

”فریدی اسپلینگ.....ٹوڈی آئی جی.....پلیز.....!“

”ناصر مرزا.....!“ فریدی غرایا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اسے اس زور سے دھکا دیا۔

فریدی نے ماڈھپیں میں کہا۔ ”میرے تعاقب کا سلسہ ختم کیا جائے ورنہ آپ دشواری

نمایاں گے۔ آخری بار استدعا کر رہا ہوں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کبھی کوئی غیر

احمق کمال فریدی۔ میں تمہیں معطل کرتا ہوں۔“ وہ دہڑا۔

”ہر چند کہ میں اس وقت صدر مملکت کے علاوہ کسی اور کو جواب دہ نہیں پھر بھی گوش گرا۔“ ذی آئی جی کی آواز آئی۔ ”میں نے چاہتا کہ یہ معاملہ مجھ سے آگے نہ ہوئے۔ لیکن کیا

کروں گا کہ آپ احتماری نئی سی تھرین کے بارے میں سکریٹری برائے امور خارجہ سے ضرور نہ ناصر مرزا سے واتفاق نہیں۔“

”معلومات حاصل کر لیں۔“

اس نے بڑی پھر تی سے اپنی گاڑی ریوس گیئر میں ڈالی تھی اور گاڑی بہت تیزی سے ان کر رہا ہوں کہ احتماری نئی سی تھرین کے متعلق آپ وزارت خارجہ سے دریافت فرمائیں۔

انہوں کے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ میری کار کر دگی کے اس پبلو سے بھی آگاہ ہوں لیکن میں

اتفاق ہی تھا کہ سڑک سنان پری تھی اور وہ اسی رفتار سے سر را ہے تک آگئی تھی۔

”لکھا تاکہ میرے کسی آفیسر کے دل میں میری طرف سے ملال پیدا ہو۔“ اس سے زیادہ

لکھنا مجھے۔ اس وقت کی آوریش پر افسوس ہے۔“

”فی الحال یہ اپنے متعلق کچھ بھی نہیں بتا سکی۔“

”روزا۔ اب تم محفوظ ہو نیچے آتے آؤ۔“ ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا یکین اس کے لیے۔ ”لے گوں تھے اور مجھ سے کیا چاہتے تھے۔“

”اس کی طرف دیکھا نکل نہیں۔“

”اسے گاڑی میں بٹھاؤ۔“ ذی آئی جی نے پولیس کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ”میں تمہیں کس طرح یقین دلوں کی میرے لئے ابھی تھا۔ لیکن گفتگو اس طرح کر رہا

فریدی سے کہا۔

”میں پھر گوش گزار کر دوں گا کہ میں اس وقت اپنے ڈیوٹی پر ہوں اور یہ مجھے خام ہوں.....!“ فریدی کے ہونٹ پھرختی سے بھیخ گئے تھے۔

”حالات میں ملکہ خارجہ کی طرف سے تفویض ہوتی ہے۔“

”تمہارا کوئی ہٹکنڈا کام نہیں آئے گا۔“ ناصر مرزا بول پڑا۔

”مسٹر مرزا۔“ فریدی کے لمحے میں دھمکی تھی۔

”دفعہ ناصر مرزا نے روزا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔“ ”نیچے آتے آؤ۔“

”ناصر مرزا.....!“ فریدی غرایا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اسے اس زور سے دھکا دیا۔

”وہ لکھ رہا تھا ہوا کی قدم پیچھے ہتا چلا گیا۔“

”ذی آئی جی کی غصب ناکی بالآخر پھٹ پڑی۔“

”احمق کمال فریدی۔ میں تمہیں معطل کرتا ہوں۔“ وہ دہڑا۔

”ہر چند کہ میں اس وقت صدر مملکت کے علاوہ کسی اور کو جواب دہ نہیں پھر بھی گوش گرا۔“ ذی آئی جی کی آواز آئی۔

”معلومات حاصل کر لیں۔“

اس نے بڑی پھر تی سے اپنی گاڑی ریوس گیئر میں ڈالی تھی اور وہ اسی رفتار سے سر را ہے تک آگئی تھی۔

”لکھا تاکہ میرے کسی آفیسر کے دل میں میری طرف سے ملال پیدا ہو۔“ اس سے زیادہ

لکھنا مجھے۔ اس وقت کی آوریش پر افسوس ہے۔“

”اب لئن تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔“

”وہ..... وہ..... وہ بھی ہے۔“

”کون.....؟“

”کارا..... کارا.....!“ حمید پر بدحواسی طاری تھی۔

”سما مطلب.....؟“

”وہ میرے ساتھ یہاں چل آئی ہے۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔“

فریدی نے سوچ آف کر کے ریسیور پھر لش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

لکن یکساں رفتار سے بھاگی جا رہی تھی اور اس کا رخ ایگل نجع کی طرف تھا۔

آئینے پر بار بار فریدی کی نظر جاتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ساحلی علاقے میں داخل ہو رہے تھے

چاروں طرف ملگجا ساً جلا پھیل گیا تھا اور مشرقی افق میں گہرے سرخ لہرے نے نظر آ رہے تھے

”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ روزا نے پوچھا۔ وہ مسلسل فریدی کے چہرے پر نظر جلا

ہوئے تھی۔

”تمہارے لئے ایک چھت فراہم کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں تمہارا کوئی نہیں۔“

”شکریہ..... تم نے مجھے سمجھنے کی کوشش تو کی۔“

”لیکن یہ بہت بڑی بات ہے کہ تمہارا کوئی نہیں ہے۔“

”مجھے خود پر بیٹھاں ہے..... پہنہیں کب سے اپنا نام یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ وہ مارا۔ اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوتا چاہئے۔

”چھوڑو..... آج سے تمہارا نام کو نہیں لیا ہے۔“

”بہت اچھا نام ہے۔ ہاں یہ نام میرے لئے مناسب رہے گا۔“

لکن ایگل نجع میں بیٹھ کر فریدی کے ہٹ کے سامنے رکی۔

”اوہ..... یہاں کون ہے۔“ اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ کیونکہ ساری کھلیاں اجلا اچھی طرح پھیل گیا تھا۔ وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر لئے گئے غنودگی طاری

بڑی ہو۔

”اوہ..... آج سے تمہارا نام کو نہیں لیا ہے۔“

”تم یہیں نہ ہو۔“ اس نے روزا سے کہا اور خود گاڑی سے اٹر کر دروازے کی طرف بڑھا۔ ”اوہ..... اتر آؤ..... دیکھو یہ کتنا پر فھما مقام ہے۔ اب تم کچھ دن یہیں قیام کرو گی۔“

دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد اندر قدموں کی چاپ گوئی اور ساتھ ہی کیانے لانے کہا۔

پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”اوہ..... دروازہ کھولو۔“

دروازہ کھلا اور.....

”ارے آپ.....!“ یہ حمید کی آواز تھی۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو۔“

”روزا کسی شخصی سی بیکی کی طرح خوش نظر آ رہی تھی۔“

”واقعی بڑی خوبصورت جگہ ہے اور تم..... تم بھی بہت خوبصورت ہو۔ ایسا دوسرا کوئی مرد

نائک میری نظر دوں سے نہیں گزرتا۔“

وہ دونوں ہٹ کے دروازے میں داخل ہوئے۔ حمید بیچھے ہٹ گیا۔

”یہ کون ہیں۔“ روزا نے پچھا نہ انداز میں حمید کے بارے میں سوال کیا۔

”کیا وہ ہمیں یہاں رہنے دے گا۔“
 ”اب نہ رہنے دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ خود بھی فارغ البال نظر آرہا ہے۔“
 ”وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی واپس آگیا۔“
 ”اب بتاؤ۔“ وہ حمید کو گھوڑتا ہوا بولا۔
 ”کیا عرض کروں جناب۔“
 ”آسے یہاں کیوں لائے ہو۔“
 ”آپ آسے یہاں کیوں لائے ہیں۔“
 ”وہ ذاتی طور پر بریکار کردی گئی ہے۔“
 ”اوڑ یہ ذاتی طور پر بالکل چوپٹ ہے۔“
 ”فضول با تمیں نہ کرو۔“
 ”میں اسی لئے اردو سیکھنا چاہتی ہوں۔“ کلارا بول پڑی۔ ”تمہاری آپس کی باتیں نہیں
 سمجھ سکتی۔“
 ”کیا مشرڈیل کو تمہاری یہاں موجودگی کا علم ہے۔“ فریدی نے سوال کیا۔
 ”نہیں..... ضروری نہیں۔“ اس نے لاپرواپی سے جواب دیا۔
 ”یہ تمہیں کہاں ملی تھی۔“ فریدی حمید کی طرف متوجہ ہوا۔
 ”البرٹو میں۔“
 ”کیا تم نے اس کا تعاقب کیا تھا۔“ فریدی کا لہجہ ناخشکوار تھا۔
 ”ہاں..... اس سلسلے میں قصور وار ہوں۔“
 ”میں تم سے تنگ آ گیا ہوں۔“
 ”کچھ قصور اس کا بھی ہے۔“
 ”کیا مطلب.....؟“
 ”یہ مجھے اتنی اچھی کیون لگتی ہے۔“

”خوب..... اتنی بلند بھول گئیں۔“ حمید پر معنی انداز میں مسکرا یا۔
 لیکن فریدی نے روزا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دیکھے۔
 ”نہیں..... تم انہیں نہیں جانتے۔“ فریدی اس کا بازو بکڑا کر آگے بڑھاتا ہوا بوار
 ”وسرے کمرے میں کلا را موجود تھی۔ اس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں لیکن“
 ”پندرہ پر تھے یہ اس طرح چوکی ہیے اس کی محرك کوئی گرج دار آواز ہو۔
 ”یہ..... یہ تو روزا ہے۔“ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔
 ”کیوں..... کیا تمہیں اسے یہاں دیکھ کر حرمت ہوئی ہے۔“ فریدی نے اسے نو
 والی نظر وہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”دن..... نہیں تو۔“
 ”میں کورنیلیا ہوں۔“ روزا غصیلے لہجے میں بولی۔
 کلارا نے حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں حمید اس کی طرف متوجہ نہ ہوا
 اس پر بھی کسی قسم کی بوکھلاہٹ طاری تھی۔
 ”اب تم آرام کرو.....!“ فریدی نے روزا سے کہا۔ ”آؤ میں تمہیں تمہارا ک
 دکھاؤں۔“

◆◆◆◆◆

حمدید اور کلارا اس کمرے میں تھا ہو گئے۔
 ”یہ تمہارا چیف کیسا آدمی ہے۔“ کلارا نے اس کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔
 ”یہی معلوم کرنے کے لئے تو اس مجھے میں جھک مار رہا ہوں کہ میرا چیف کیا آتا
 ہے۔ ورنہ جاسوسی ناول نگاری کا پیشہ بھی کچھ برائیں تھا۔“

”دیکھئے میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ بہت سی عورتیں ہوں.....بس ایک ہی کافی ہے۔“

پید سعادت مندانہ لمحے میں بولا۔

”موقع محل دیکھا کرو۔“ فریدی نے خلک لمحے میں کہا۔

”فرمائیے..... سن رہا ہوں۔“ حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

”میں جا رہا ہوں۔ تم بھی یہاں نہیں خبہرو گے۔ برابر والے ہٹ کی کنجی یہ رعنی۔“ اس نے جب سے پرس نکال کر اس میں سے ایک کنجی نکالی۔

”برابر والے ہٹ کی کنجی۔“ حمید نے اس سے کنجی لیتے وقت تھیر انداز میں پلکنیں جچکا کیں۔

”ہاں..... آپ..... وہاں ایک فون بھی ہے اور یہاں کے فون سے ملک ہے۔ اس

ہٹ کے فون پر کی جانے والی گفتگو تم اس فون پر سن سکو گے۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“

”میں نے کلارا سے کہہ دیا ہے اُسے اور روزا کو شام تک تھا رہنا پڑے گا۔ کیونکہ ہم دونوں شام سے پہلے یہاں نہ پہنچ سکیں گے۔“

”لیکن اس کا مقصد کیا ہے۔“

”تمہیں دیکھنا ہے کہ وہ فون پر کسی سے رابطہ تو نہیں قائم کرتی۔“

”سمجھا۔“

”اتھے سیندو چڑاپے لئے بناو کہ شام تک کے لئے کافی ہوں۔“

”آخر ان ہنوں کی یہی فون لا میں ایک ہی کیوں ہے۔“

”دوسرا بہت بھی میرا ہے..... اس لئے۔“ فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔

”اور میں آج تک اس سے الٹرم رہا۔“

”بہت صدود ہے تمہارا علم۔“

”آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔“

”بس دیکھتے جاؤ۔“

”حمدید.....!“

کفگلو انگریزی میں ہوئی تھی اور کلارا کے چہرے پر کچھ اس قسم کے نثارات پائے جاتے تھے جیسے اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہو۔

حمدید کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑی۔ ”میں اپنی خوشی سے یہاں آئی ہوں۔ تبدیلی چاہتی ہوں۔“

حمدید نے نکلا اگلایا۔ ”اور یہاں چاروں طرف تبدیلی ہی تبدیلی ہے۔“

”تبدیلی.....!“ فریدی مسکرا یا۔ ”تبدیلی زندگی کو آگے بڑھاتی ہے۔“

”ہم زندگی کو سر پست دوڑائیں گے۔“ حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”لیکن صرف ماحول کی تبدیلی سے کچھ نہیں ہوتا..... حمید چوکیدار کہاں ہے۔“

”وہ ہمارے لئے ناشتا تیار کر رہا ہو گا۔“

”جاو..... تم بھی اُس کی مدد کرو۔“

حمدید نے طویل سانس لی اور دوسرا سے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

اور اب وہ نہایت اطمینان سے قتل کے سوراخ کے ذریعہ اُس کمرے کا جائزہ لے لے کا

تھا۔ لیکن اُس نے سوچا شامد ان دونوں کی آوازیں واضح طور پر نہ سن سکے۔

فریدی کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس کی آواز تو سنائی دے رہی تھی لیکن الفاظ حمید کے کانوں تک

نہیں پہنچ رہے تھے۔ کلارا بڑی سنجیدگی سے سر ہلا ہلا کر سی رہی تھی۔ پھر حمید نے اُسے ہتھے

دیکھا۔ فریدی بھی مسکرا رہا تھا۔

اب وہ بھی کچھ کہہ رہی تھی اور فریدی بڑے سکون سے سن رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی اٹھ گیا اور اسی دروازے کی طرف بڑھا۔

اس کی بعد ان دونوں کی ملاقات کچن میں ہوئی۔ فریدی نے چوکیدار کو پنج ہوٹل سے کچھ

چیزیں لانے کے لئے پہنچ دیا اور حمید سے بولا۔ ”وہ سونے گنی ہے فی الحال ناشتا نہیں کرے

گی۔ میں جا رہا ہوں۔“

فریدی کے چلے جانے کے بعد حمید نے اس کرے میں بھاگنا کا جہاں وہ دونوں سوری عجمیں۔
فریدی نے اسے بتایا تھا کہ کلارا نے نیندھی سے مجبور ہو کر ناشتر ملتی کر دیا تھا۔
لیکن وہ اسے بستر پر جا گئی ہوئی نظر آئی۔ چت لٹھنی تھی اور آنکھیں چھٹ سے لگی ہوئی
تھیں۔ حمید چپ چاپ ہٹ سے باہر آ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ برابر والے ہٹ میں نسل نہل رہ
اپنی نیند بھگانے کی کوشش کر رہا تھا پچھلی رات جا گئی رہا تھا لہذا اس وقت ناشتر کر لینے کے
بعد مزید جا گئے رہنا کچھ دشوار ہی سالگ رہا تھا لیکن بہر حال اسے بیدار رہ کر فریدی کے
ادکامات کے مطابق کام کرنا تھا۔ وہ اس کرے میں ٹھہر رہا جہاں فون رکھا تھا۔

”فضولیات میں نہ پڑو۔“ مردانہ آواز آئی۔ ”بہت اختیاط سے نکل آؤ۔ تفریغ کے لئے
باقیتے ہیں اسے بر قع..... بر قع۔“
”ایک زندگی پڑی ہے۔ رومال مجھک جلد پہنچنے چاہئیں۔“

پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے بھی رسیور رکھ دیا۔

اب وہ بڑی تیزی سے اپنی چینیں ٹوٹ رہا تھا۔ چیخ اس کا رومال غائب تھا۔
یہ کیا چکر ہے۔ خصوصیت سے اس نے رومالوں کے تذکرے کے ساتھ کسی کو اپنی
ایمیل کی اطلاع دی تھی۔ گویا کامیابی بھی تھی کہ اس نے ان دونوں کے رومال اڈا دیے۔
اعجیب سی وحشت حمید کے ذہن پر طاری ہو گئی۔ فریدی نے فوری رابطہ قائم کرنے کے
لئے نمبر دیئے تھے اور کہا تھا کہ کسی دوسرے فون پر انہیں آزمایا جائے۔

”ایگل چیخ سے۔ میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ دونوں کے رومال میں نے اڑا دیے ہیں۔“

”بہت خوب..... تو پھر آ جاؤ۔“

حمدی نے جواب میں کلارا کی بُنی سنی۔ پھر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کو پچھلے
رات کی رو داد سنانے لگی تھی۔ اس کے بعد اس نے بتایا کہ کس طرح فریدی بھی روزا کے ساتھ
وہیں آپنچا تھا۔

”تم تو بہت اچھی رہیں۔“ مردانہ آواز۔

”لیکن روزا کو کیا ہوا ہے۔“

”اے عرصہ تک یاد نہ آ سکے گا کہ وہ کون ہے اور کیا ہے؟“

”برین واشنگٹن۔“

”ہا۔۔۔ تم جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کرو۔“

”اس کے بعد۔“

”روزا کی، کچھ بحال تمہارے ذمہ ہو گی۔ میرا خیال غلط نہیں تھا کہ اس کی برین واشنگٹن

لہاریوں کی روشنیاں گل کر دیتا تھا۔ حتیٰ کہ زینے بھی تاریک رہتے تھے۔ کرایہ دار اس کے پڑے پن کی وجہ سے خاموش ہی رہتے۔ صاف صاف کہہ دیتا تھا ان سے کہاں نہیں وہاں
لہٹ ہے تو فلیٹ چھوڑ دیں۔

بہر حال نصف شب کے بعد وہاں آلو بولنے لگتے تھے اور وہاں کی تاریک راہ لہاریوں میں بیکوئی دیکھا دیے۔ سیاہ پوش چکراتے پھرتے تو کسی کو کانوں کا ان خبر نہ ہوتی۔
سیاہ پوش نے دیوبیکر آدمی کے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور بے آہنگی اندر داخل ہو گیا۔ یہ کہہ
ہریک پڑا تھا۔ لیکن دوسرا کمرے کے دروازے کے شیشے روشن نظر آ رہے تھے۔ اس نے
پلنیوں سے جھاٹک کر دیکھا۔ دیوبیکر آدمی کمرے میں ٹھیل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے چینی
کے آثار تھے۔

سیاہ پوش نے جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھولا۔ ساتھ ہی ہو شر سے اس کا عجیب وضع والا
پتوں بھی نکل آیا تھا۔ دیوبیکر ٹھیلتے ٹھیلتے رک گیا۔

”تم کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہو۔“ سیاہ پوش نے نرم لمحہ میں کہا۔
دیوبیکر آدمی خاموش کھڑا تھا اور اس کی نظر پستول والے ہاتھ کی طرف تھی۔ ایسا معلوم
نا تھا جیسے اس سے وہ سوال پستول ہی نے کیا ہو اور وہ سوچ رہا ہو کہ اسے کیا جواب دینا چاہئے۔

”تم کیا سوچ رہے ہو۔“ سیاہ پوش نے پوچھا اور جیب سے ایک ڈبہ نکال کر میز پر رکھتے
ہوئے کہا۔ ”میرے پاس وقت کم ہے۔“
”تو پھر.....!“ دیوبیکر آدمی غرایا۔

”مجھے چاہک نکالنے پر مجبور نہ کرو۔۔۔ چپ چاپ جلدی سے انگلش نے لو۔“
”ہمکنی..... اتنی جلدی میں دوبارہ اس اذیت کے لئے چیزیں ہوں۔“
”بھوکا مر جائے گا۔“

”پروادا نہیں..... میں ٹنگ آ گیا ہوں اس زندگی سے۔۔۔ پتے نہیں تم مجھ سے کون سا کام
لے رہے ہو۔۔۔ انگلش لینے کے بعد اور اس کا اثر زائل ہونے کے وقته میں مجھے ہوش نہیں

کی گئی ہے۔“
”میرا بین بھی عنقریب کھوپڑی کے باہر ہونے والا ہے۔“
”کیوں تمہیں کیا تکلیف ہے۔“
”چچھلی رات سے اب تک جاگ رہا ہوں۔“
”کیا پریشانی ہے..... ایگل تھی کارخ تم نے اسی لئے کیا تھا کہ جب آخر شماری کا موقع
ہاتھ سے نکل جائے تو سمندر کی لہریں گن سکو۔“
”اور کچھ.....؟“ حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔
”بس اتنا ہی کافی ہے۔“

حمدی نے سلسہ مقطوع کر کے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔



آشابلڈنگ کی اوپری منزل کے زینے ہمیشہ کی طرح آج بھی تاریک تھے اور وہ بڑے
اطمینان سے ایک ایک زینے طے کرتا ہوا اوپر جارہا تھا۔ سرتا پا سیاہ پوش۔۔۔ چہرے پر بھی یا
غلاف تھا جس میں آنکھوں کی جگہ دوسرا خ تھے۔
آشابلڈنگ بڑی پرانی عمارت تھی۔ باہر سے دیکھنے میں ختد حال نظر آتی تھی لیکن اندر
سے اس کے فلینوں کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ یہاں زیادہ تر شہر کے متول تاجر آباد تھے۔
اس وقت پوری عمارت سناٹے اور تاریکی میں گم تھی۔ کہیں کہیں کسی کھڑکی یا روشمندان
سے گہری نیلی روشنی جھاٹکی نظر آتی لوار اپنے گرد پھیلے ہوئے اندر سرے میں مغمی ہوتی محسوس ہوتی۔
عمارت کا مالک بھی یہیں ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ بنے حد نہیں تھا۔ دل بیج کے بعد

”اور میں سائلنٹ لگا ہوا ہے۔“
پاپوش فرش پر چت پڑا تھا اور اس کی سرخ سرخ آنکھیں فریدی کو گھوڑے جاری تھیں۔

ہری طرف دیو پیکر آدمی کی جھین ہم گئی تھیں اور وہ فرش ہی پر پڑا جرت سے آنکھیں زیبی کی طرف گران تھا۔

”تم دونوں پولیس کی حرast میں ہو۔“ فریدی بولا۔
”خریکوں.....؟“ ناقاب پوش غرایا۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن فریدی نے اپنی دلے کر کہا۔ ”یہ حرکت بھی تھیں دوسرا دنیا میں پہنچادینے کے لئے کافی ہوگی۔“
”پڑے رہو۔“

”کون ہے باس۔“ دفعتاً دیو پیکر آدمی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
”جو کوئی بھی ہو..... اگر نکل گیا تو۔“

”تو کیا ہو گا باس.....!“
”امچانی کے تختے پر نظر آؤ گے۔“

”معاف کر دو..... معاف کر دو..... اب یہ نہ کرنا..... میں انجشن لے لوں گا۔“ وہ اُسی

”کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے۔“

”نقول باتوں میں شپڑو..... اس سے رو یا لور چھین لو۔“
”بھی اُن کی گفتگو پر اس طرح مسکراتا رہا تھا جیسے دو نئے نیچے آپس میں لاف و گزار فوج توجہ دیو پیکر آدمی کی طرف تھی۔

”اول۔“

”امصر۔“ دفعتاً دیو پیکر نے فریدی کو مخاطب کیا۔ ”میرے مکان میں پولیس کا کیا کام۔“

”نہارے مکان میں اس آدمی کا کیا کام۔“ فریدی نے رو یا لور کی نال سے سیاہ پوش کی نثار کیا۔

”..... یہ..... میرا مالک..... میرا باس۔“

”مگر تم آج تک اس کی شکل نہیں دیکھ سکتے۔“

”مگر..... ضرورت بھی کیا ہے شکل دیکھنے کی۔ روٹی ہاتھوں سے ملتی ہے شکل سے نہیں۔“

رہتا۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہتا کہ میں نے اس وقفے میں کیا کیا۔“

”یہ دیکھنا اور تمہاری خاکست کرنا میرا کام ہے۔ تم آج اس قسم کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔“
”میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن انجشن لینے کے بعد ابی اذیت مجھے ہر وقت یاد رہتی ہے۔“

”تو پھر اُس سے بھی بڑی اذیت کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ اُس نے پستول کو جبکش دے کر کہا اور ٹھیک اُسی وقت دیو پیکر آدمی نے اس پر چھلاگ لگادی لیکن سیاہ پوش حیرت انگیز پھر سے ایک طرف بہت گیا تھا۔ دیو پیکر اپنے ہی زور میں وھڑام سے فرش پہ آ رہا۔

پھر وہ دوبارہ سنھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ پستول کی نال سے گھرے سرخ رنگ کی چلھڑیاں سی چھوٹ کر اُس کے جسم سے نکلائیں اور وہ کسی زخمی ہٹھنے کی طرح ڈکرانے لگا۔ ساتھ ہی ”تر پے بھی جارہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے اعصاب پر قابو ہی نہ ہو کہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرتا۔“

”چھنے جاؤ..... میں نے اسی دن کے لئے اس فلیٹ کو ساؤنڈ پروف کرایا تھا۔“ سیاہ پوش نہیں کر بولا۔

”معاف کر دو..... معاف کر دو..... اب یہ نہ کرنا..... میں انجشن لے لوں گا۔“ وہ اُسی طرح تر پہاڑا ہوا چینا۔

اس وقت سیاہ پوش اسی دروازے کے قریب کھڑا تھا جس سے داخل ہوا تھا۔ اُس کی تمام توجہ دیو پیکر آدمی کی طرف تھی۔

”دفعتاً ده دروازہ تھوڑا سا کھلا۔“ بلکی ہی آواز بھی نہ ہوئی اور ایک ہاتھ دروازے سے نکل کر سیاہ پوش کے پستول پر پڑا۔

پھر دروازہ زور دار جھکٹے کے ساتھ پورا کھل گیا تھا اور سیاہ پوش اس سے نکلا کر اپنا توازن نہ برقرار کھسکا تھا۔

جیسے ہی وہ فرش پر گرا کمرے میں داخل ہونے والے نے اپنے ہولسٹر سے رو یا لور نکال لیا۔
یہ کھل فریدی تھا۔ اُس نے اس کا پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے نے بیان کے مطابق یہ کھلہ ساؤنڈ پروف ہے اور نہ ہوتا ہے بھی کیا فرق پڑتا۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کر

”تم کب سے ملازم ہو اس کے۔“ فریدی نے پوچھا اور پھر فحشا سیاہ پوش کو بھی لا کر اس کی آنکھوں کی سرفی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اسے اپنی طرف غیر متوجہ بکھر کر اٹھ بیٹھنے کی فلر میں تھا۔

”یقین کرو دوست..... اگر تم بے حس و حرکت نہ پڑے رہے تو تمہارے چہرے.....“ میں جانتا ہوں۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”تمہارے پاس کیا کچھ ہو سکتا ہے۔“ ”اگر کسی نے مجھے پکڑنا بھی چاہا تو.....“ جملہ پورا کئے بغیر اس نے قہرہ لگایا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ کئی لمحے خاموشی سے گزرے..... پھر فریدی نے دیوار قامت آڑا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے بے خبری میں زبان سے نکل جانے والی کسی بات کو اس مخاطب کیا۔

”تم کچھ دیر پہلے کسی انگلشن کا ذکر کر رہے تھے؟“ ”دیوبیک آدمی اٹھ بیٹھا تھا اور سیاہ پوش کو اس طرح گھورے جا رہا تھا جیسے اس پر چلا گئے ہاں..... آں.....!“ یک بیک وہ نہیں پڑا۔ پھر سمجھدی اختیار کر کے غصیلے لہجے میں کارادہ رکھتا ہوا۔

”دھہرو.....!“ فریدی بیان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس کے قریب بھی مت جانا۔“ ”میرا خیال ہے کہ میر پر رکھے ہوئے سیاہ ڈبے میں انگلشن ہی کا سامان ہے۔“ ”کیوں.....؟“ وہ بھاڑ سامنہ کھول کر فریدی کی طرف مڑا۔

”ہاں.....!“ دیوبیک آدمی نے طویل جماں لی۔ ”تو پھر کیا تم اپنے باس کو سبق نہ دو گے۔“ ”کیا مطلب.....؟“ ”آج تم اسے انگلشن دے سکتے ہو..... اگر مراحت کرے گا تو گولی مار دوں گا۔“ ”تم آخر ہو کون۔“ ”ایسے کالے چوروں کے چیچے کون لگ سکتا ہے۔ اب جلدی کرو..... میرے پاں کم ہے۔“

”تم نے آج تک اپنے باس کی شکل نہیں دیکھی..... آخر کیوں۔“ ”میں بھوکا نہیں مر سکتا۔“ دیوبیک آدمی بولا۔ ”مجھے کہیں ملازمت بھی نہیں ملتی۔ ان تو ش میں کوئی بھی مجھے اچھا سمجھنے پر تیار نہیں ہوتا۔“

”غص اسلئے نہیں دیکھ سکے کہ وہ تم سے تمہاری اعلیٰ میں کوئی غیر قانونی کام لیتا رہا ہے۔“ ”مجھے تو یاد نہیں کر میں نے کبھی کوئی غیر قانونی کام کیا ہو۔“ ”میں بہت طاقتور ہوں..... دس سال سرکس میں کام کیا ہے۔“ ”میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنے طاقتور ہو۔ اپنے باس کا چہرہ مجھے دکھاؤ۔“

”میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم پر ایک فائز کروں تمہارے پستول سے۔“ فریدی فس کر بولا۔
”نہیں..... نہیں.....!“ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حلق کے مل چینا۔
”لیکن کچھ دیر پہلے تم نے وارنگ دی تھی تمہارے جسم میں ہاتھ لگانے والا زندہ نہیں رہے گا۔“

”جھوٹ تھا..... بچاؤ..... بچاؤ..... بچاؤ غ..... غر غر غر غر.....!“
اور پھر وہ ایک دم ساکت ہو گیا۔

فریدی تھیجاں انداز میں اُس کی طرف جبینا۔ ساتھ ہی اُس نے محسوس کیا کہ دیوبیکر آدمی اندازے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

”خہبر جاؤ۔“ وہ اُس کی طرف مڑ کر بولا۔

لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اُس نے فریدی کی لکار سنی ہی نہ ہو۔ دروازے کے ہینڈل پر اس کا ذہیر ہو گیا۔ اب وہ بھی دیوبیکر آدمی ہی کی طرح فرش پر ترپ رہا تھا۔
فہ پچھائی تھا کہ فریدی نے بڑی پھرتی سے پستول جیب میں ڈالا اور جھپٹ کر اُس کی کمر تھام لی۔
ال زور سے جھکلا دیا کہ وہ دروازے کے قریب سے جھک کر کمرے کے وسط میں چلا آیا۔

”طااقت دکھار ہے ہو مجھے۔“ وہ فریدی کو گھوڑتا ہوا غریبا۔
”میں نے کہہ دیا تھام سے کہ خاموشی سے اپنی جگہ بنیٹھے رہو۔“
”روک لو..... اگر روکتے بنے۔“

فریدی نے پھر سیاہ پوش والا پستول نکال لیا اور بولا۔ ”میں نہیں جانتا کہ دوسری بار تم پر ل کا استعمال تمہیں کہاں پہنچائے گا۔“

”نہیں.....!“ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر خوفزدہ انداز میں چینا۔ ”نہیں۔“
”تو پھر سکون سے بنیٹھے رہو۔“

وہ ہانپتا ہوا ایک کری پر بنیٹھ گیا۔

فریدی ڈیل کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔
”دیکھو یہ زندہ ہے یا مر گیا۔“ فریدی نے دیوبیکر آدمی سے کہا۔

کر رہا تھا۔ اور..... تم نے پھر حرکت کی..... لیئے رہو ورنہ جو جو فائز کر دوں گا۔“
لیکن سیاہ پوش اُس کی دھمکی کی پرواہ کے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ فریدی نے بڑی پھرتی سے اس کے باسیں چور پر فائز کیا۔ لیکن ایسا محسومی ہوا جیسے گوئی کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا کر مخالف سر میں جا پڑی ہو۔

اور نقاب پوش نے آگے بڑھنے کے لئے وہی پیر اٹھایا جس پر فریدی نے فائز کیا تھا۔
پھر اگر فریدی نے ایک لمبھی ضائع کیا ہوتا تو اُس کی خیر نہیں تھی۔ کیونکہ سیاہ پوش نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن اس سے پہلے خود اس کا پستول فریدی کے جیب سے نکل آیا تھا۔

ٹریگر دبتے ہی اُس کی نال سے پھل جھیڑیاں سی چھوٹیں..... سیاہ پوش پچھاڑتا ہوا فرش پر دیوبیکر نے قہقہہ لگایا۔ ہستا رہا..... اور اپنی ہنپی پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”یہ..... یہ تم نے..... بہت اچھا کیا..... بہت اچھا..... کیا..... کیوں باس اب کیا حال ہے۔“

سیاہ پوش کی تازہ ذبح کے ہوئے مرغ کی طرح ترپتا اور قلا بازیاں کھاتا رہا۔ اسی عالم میں اُس نے اپنا سیاہ چغا اتار پھینکا۔ چہرے پر چھٹے ہوئے غلاف کو بھی نوچ ڈالا۔ ”اوہ..... تو یہ تم ہو..... مسٹر ڈیل..... مگر میں اس عالم میں بھی تمہاری ادا کاران صلاحیتوں کا اعتراف ضرور کروں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ ”تم اردو کسی الہ زبان ہی کی طرح بول سکتے ہو..... خود ہی کلارا کوارڈ پر ہائی ہوتی۔ شوٹر کی ٹالی کیوں تھی تمہیں۔“

وہ بدستور چیختا، کراہتا اور ترپتا رہا۔ اُس نے سارے جسم پر فولادی بلٹ پروف جھا رکھتے تھے۔

”بچاؤ..... بچاؤ.....!“ وہ حلق پھاڑتا رہا۔ ”میرے بلٹ پروف اتار دو..... اُنہوں خدا کے لئے..... ورنہ میں کتاب ہو جاؤں گا۔“

وہ اٹھا اور اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ جھک جھک کر اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔
”مم..... مسر..... یہ تو انگریز معلوم ہوتا ہے۔“ وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔
”زندہ ہے..... یا مر گیا۔“



اس نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ہلانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔
”مسر یہ تو پھر ہو چکا ہے۔ جسم اکٹھا گیا ہے..... تم نے کیا کیا اس کے ساتھ۔“

”صرف ایک بار استعمال کیا تھا یہ پسول..... تم دیکھے ہی رہے تھے۔“
”لیکن یہ تو مر چکا ہے۔“

”ہو گی کوئی وجہ..... تم خاموشی سے پھر اپنی جگہ جائیں گو۔“
اس نے چپ چاپ تھیل کی اور اب فریدی کی توجہ کا مرکز بھی صرف وہی تھا۔
”اب مجھے اُس انجکشن کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔“ اُس نے کہا۔

بُن دن کلا را ایگل بیچ وا لے ہت سے غائب ہوئی تھی حمید اور فریدی کی شکل نہیں دکھائی۔
پھر شام تک حمید ایگل بیچ وا لے ہت میں روزا کی دیکھ بھال کرتا رہا تھا۔
سورج غروب ہونے سے پہلے ہی فریدی کی کال آئی تھی۔ اُس نے حمید کو ہدایت دی تھی کہ
ہمات بجے ایگل بیچ وا لے ہت چھوڑ دے۔ روزا دوسروں کی ٹکرائی میں دی جا رہی ہے۔
حمد نے وہاں سے ایک لیکسی پکڑی تھی اور سیدھا گھر پہنچا تھا۔

نیند کے مارے ذہن کی وہ حالت ہو رہی تھی کہ ہزاروں روز اُوں اور لاکھوں کلاراؤں کو
خود دیکھ لو..... میں اس کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ اس کے لگنے کے بعد کم
پکلتا ہوا اپنے بستر تک جا پہنچا۔

ساری رات گھوڑے بیچ کر سویا تھا اور دوسری صبح آنکھ کھلتے ہی گدوں کی طرح کلا را کے
وہ خاموش ہو کر کچھ سوپنے لگا پھر بولا۔ ”بچھل رات اُس نے کہا تھا کہ یہ انجکشن لگے،
میں سوپنے لگا تھا۔ وہ کہاں گئی۔ اُن دونوں کے رو مال کیوں لے گئی تھی۔ گویا وہ صرف
کے بعد تم کسی شکاری کتے کی طرح ذکر اُس نہ ہوتا ہے۔“

ہمی اڑا دینے کی تاک میں وہاں تک چلی آئی تھی۔
اوہ.....!“ فریدی کی نظر اس کے چہرے سے ہٹ کر ڈیل کے سیاہ لبادے پر جارکی
لئے۔ جہنم میں جائے۔ اُس نے سوچا اور کاندھے پر تویلہ ڈال کر غسل خانے میں جا گھسا۔
ناشترے کے بعد پھر طبیعت بھاری ہو گئی تھی۔ لہذا سارجنٹ ریمیش کو فون پر اطلاع دینے
لئے کوہ وہ آفس نہ پہنچ سکے گا پھر خواب گاہ میں جا گھسا۔ کبھی سوتا..... کبھی جا گتا..... اور کبھی
ساؤنھتا رہتا۔ ایک بار فون کی گھنٹی نے جگایا۔ پھر اس کے بعد سونا نصیب نہ ہوا کیونکہ وہ
اکی کال تھی اور وہ اُسے فوری طور پر ہوئی ڈی فرانس میں طلب کر رہی تھی۔

حمد نے تاہر توڑ تیاری کی اور گیراج سے لفکن نکال کر ہوئی ڈی فرانس کی طرف روانہ
فریدی کے ایک ایک کر کے انہیں کھولا۔ ہر ڈبے میں صرف ایک تہہ کیا ہوا رو مال رکھ
نظر آیا۔ اُس نے اپنارو مال پیچان لیا اور دوسرا یقینی طور پر حمید کا رہا ہو گا۔
اُس نے ایک طویل سانس لی اور دیو پیکر آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔

کلا را بھی لان ہی پر بھلی مل گئی۔ اُس نے بڑے پر جوش انداز میں حید کا استقبال کیا
”ہیلو کیپین..... تم مجھ سے ضرور ناراض ہو گئے ہو گے۔“
”کس بات پر۔“
”میں اُس دن تمہیں بتائے بغیر ایگل ٹچ سے چلی آئی تھی۔ مگر تم تھے ہی کہاں اُ
وقت..... تمہاری عدم موجودگی ہی نے مجھے اکتا ہے۔ میں بتالا کر دیا تھا اور میں بھاگ لئی تھی۔
”کوئی بات نہیں..... اب کیا حکم ہے خادم کے لئے۔“

”میں بہت پریشان ہوں کیپن..... دو دن سے میرے ذیڈی لاپتہ ہیں۔“
”لاپتہ ہیں..... کیا مطلب.....؟“
”پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ میرے علم میں لائے بغیر اس طرح غائب رہے ہوا
میری مدد کرو۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

”سفارت خانے کی طرف سے اُن کی گشਦگی کی رپورٹ درج کرادی گئی ہے یا نہیں۔“
”نہیں..... میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔“
”اپنے سفر کو تو اطلاع دے ہی دی ہو گی۔“

”نہیں ابھی یہ بھی نہیں کیا گیا۔“ کلا را نے طویل سانس لے کر کہا۔ پل بھر خاموشی
پھر بولی۔ ”مجھے تم پر اعتماد ہے..... تم ایک اچھے دوست ثابت ہوئے ہو۔“
”شکر یہ۔“
”میں تمہیں ایک جگہ لے چلنا چاہتی ہوں..... ذیڈی ایک بُری عورت کے پل
پڑ گئے ہیں۔ وہ ایک اطالوی رقصہ ہے..... وہاں دیکھ لینے کے بعد ہی میں پولیس یا سفار
خانے کو ان کی گشادگی کی اطلاع دے سکوں گی۔“

”حید نے چند لمحے پر تھر انداز میں اپنی گردان سہلائی پھر بولا۔“ میں تیار ہوں ہر قسم کو
کے لئے۔“
”کلا را اپنی گاڑی نہیں لائی تھی اس لئے یہ سفر لکن کے ذریعہ شروع ہوا۔ کلا را اُن

پاس اُگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

”میں یہاں کی سڑکوں کے نام سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔“ کلا را نے کپکپاتی ہوئی

آواز میں کہا۔ ”بس دامیں باسیں کہتی رہوں گی۔ فی الحال سیدھے ہی چلو۔“

حید مطمئن تھا کہ فریڈی حسب عادت اُس کی اور کلا را کی گمراہی کراہا ہو گا۔ ماضی میں

ایسا ہوا تھا۔ وہ خود یہک یہک غائب ہو جاتا اور حید کو قربانی کا بکرا بنا کر جرموں کو رنگے ہاتھوں

پکونے کی کوشش کرتا۔“

لا پر اُنی خاہر کرنے کے لئے حید نے گلنگانا بھی شروع کر دیا۔

گاڑی کچھ دیر بعد شہر کے باہر نکل آئی اور جیسے ہی ایک کراسنگ پر پہنچی بائیں جانب سے

آتی ہوئی ایک بڑی سیاہ رنگ کی بند گاڑی اس طرح رکی کہ حید کو بھی بریک لگانے پڑے۔

اُس کا ڈرائیور اپنی سیٹ سے کو دکر گالیاں لکھا ہوا لکن کی طرف چھپتا۔

”کیا بکواس کر رہا ہے غلطی تیری ہے۔“ حید غایا۔
”باہر نکلو تباوں۔“

”پہنچے ہتا ہے یا.....!“

”غھٹا اُسی سیاہ گاڑی سے ایک بھی ٹھیم آدمی بھی کو دا اور کلا را والی سائیڈ میں آ کھڑا ہوا۔

اب حید کا ہاتھ بے ساختہ ہولٹر پر جانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ اُس کی

سائیڈ پر کھڑے ہوئے آدمی نے اُس کی توجہ ہٹتے ہی اُس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے

تھے۔ اُس نے جدو جہد کرنی چاہی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فولادی پنج رہے ہوں جن

کے دباو سے کلائی کی ہڈیاں چھٹی ہوئی ہی لگ رہی تھیں۔

حید کو اس زور کا طیش آیا تھا کہ وہ دنیا و مافیا سے بے خبر ہو کر اُس آدمی کے گھرے اڑا

دینے پر تھا۔ اسی حالت میں وہ کھڑکی سے باہر بھیخ لیا گیا۔

اور پھر اُسے ہوش نہیں رہ گیا کہ کس طرح وہ اُس بند گاڑی میں پہنچا تھا۔ کلا را بھی تھی اور

ایک دیوپکر آدمی جس کے چہرے سے درندگی پک رہی تھی۔ وہ غالباً ان دونوں کی گمراہی کراہا تھا۔

رکتا۔ اس نے وعدہ کیا ہے بات پھیلے گی نہیں۔۔۔ تم اسے سب کچھ بتا دو۔۔۔ مم۔۔۔ میری زز۔۔۔ زبان ایٹھی جا رہی ہے۔ تکفر ریف۔۔۔ ریف۔۔۔ فر فر۔۔۔ فر پ۔۔۔!

اور وہ خاموش ہو گیا۔ حید نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”کارا ذیئر دیکھا تم نے۔۔۔ تم لوگ ہمیں پہلے ماندہ سمجھتے ہو۔۔۔ لیکن اب میرے چیف کی سائنس دیکھو۔“

”کیا ہوا ہے۔۔۔ ذیئی تھیں۔“ کارا اس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ بد زبان ڈرائیور نے چھپٹ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

”مرنے کا ارادہ ہے۔“ وہ کسی چیز پر آدمی کی طرح بولا۔

”ہاتھ لگایا تم نے اور اس زور کا الیکٹرک شاک لگے گا کہ ہڈیاں چور ہو جائیں گی۔“

حید پھر نہیں پڑا۔ کارا اسے خونخوار نظر وہ سے گھور رہی تھی۔

ڈرائیور نے کارا کو دروازے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تم فرنہ کرو۔۔۔ یہ مر نہیں سکتا۔“

وہ اس کمرے سے نکل آئے۔ حجم شیم آدمی اُسی کمرے میں سیاہ پوش کے ساتھ رہ گیا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں لائے گئے۔ ڈرائیور انہیں وہاں بنھا کر باہر چلا گیا۔ حید خاموش تھا۔ معاملات اُبھی تک اس کی سمجھے سے باہر تھے۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد فریدی کمرے میں واپس ہوا۔ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے حید کی طرف دیکھا تک نہیں۔

کارا کے سامنے بیٹھتے ہوئے بیجھ دشک لجھ میں بولا۔ ”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”کیا پوچھنا ہے۔“ کارا غرائی۔

”ناصر مرزا کی کیا پوزیشن ہے؟“

”کچھ بھی نہیں۔۔۔ وہ صرف روزا کا میزبان تھا۔ روزا ہمارے ہی اشتاف سے تعلق رکھتی ہے۔ ناصر مرزا کو اس کا علم نہیں اور یہ بھی غلط نہیں کہ وہ اس کے ایک دوست کی بیٹی ہے۔ تم

نے میرے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔“

”تم صرف میرے سوالات کے جواب دو گی۔“

حید نے محسوں کیا کہ اس دوران میں اس کا بغفلی ہو شر بھی خالی ہو چکا ہے۔ دھننا اس نے کارا کی آواز سنی اور بھونچ کارہ گیا کیونکہ وہ بہت صاف اور شستہ اردو میں اس کیم شیم آدمی سے کہہ رہی تھی۔ ”کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ یہ کیا حرکت تھی۔“

”بائیں۔۔۔ تم تو بڑی اچھی اردو بول سکتی ہو۔“ حید اس آدمی کے کچھ بولنے سے پہلے عی بول پڑا۔ لیکن وہ حید کی طرف دھیان دیئے بغیر اس درندہ نما انسان کو گھورتی رہی۔

”باس کا حکم مسی۔۔۔ اس وقت میں ہوش میں ہوں۔“ وہ کچھ دیر بعد بھرا می ہوئی آواز میں بولا۔

”ڈیئی کہاں ہیں۔“

”بہاں ہیں وہیں لے جا رہا ہوں۔“

حید نے طویل سائنس لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے دیدہ دانستہ کوئی بد مزہ چیز کما گیا ہو۔ لیکن وہ مطمئن تھا کہ فریدی کی بلیک فورس یعنی طور پر جاگ رہی ہو گی۔

کارا اب اس سے بے تو بھی بر ت رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کبھی کی جان پیچان عین نہ ہو۔ حید نے بھی بڑے اطمینان سے تمبا کو کی پاؤچ نکالی اور پاپ بھرنے لگا۔

پھر شام کے پورے یا بیس منٹ بعد گاڑی رکی تھی۔ اس کا پچھلا دروازہ کھلا تھا اور ڈرائیور نے آنہیں نیچے اترنے کا حکم دیا تھا۔

وہ ایک کمرے میں پہنچائے گئے۔ حید کو ایک سیاہ پوش نظر آیا جو دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ چہرے کے سیاہ غلاف سے صرف دخونخوار آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

”یہ سب کیا ہے ڈیئی۔“ کارا نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔

”میں مجور ہو گیا ہوں۔ کرٹل فریدی کی قید میں ہوں۔“ سیاہ پوش نے بھرا می ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”میرے۔۔۔ میرے اعصاب جواب دے پچھے ہیں۔ میں دیر تک بات نہیں

”پوچھو.....!“ کلارا کا لب بھی اچھا نہیں تھا۔
”روزا کا کیا روول رہا ہے۔“

کرم لوگ روزا کے معاملے میں الجھ جاؤ اور ہم تمہارا ہی خاتمہ کر دیں۔ ناصر مرزا بار سونخ ہے۔ ہم نے سوچا کہ روزا کے معاملے میں وہ تمہیں نچا کر کر کہ دے گا اور اسی دوران ہم بڑے لوگوں کے عادات و اطوار اور مشاغل کا مطالعہ کر کے ہمیں روپورث دے۔ یہ روپورث، آٹھ شاہزادگں میں!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تمہیں چاہئے تھا جیسچین کے تو سط سے ہم تک پہنچایا کرتی تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ ہمارا اور اس کا تعلق ناہر رہا۔ یہاں سے رومال غائب کر دینے کے بعد چپ چاپ وہاں سے رخصت ہو جاتی۔ اپنے ہونے پائے۔ پھر وہ جیسچین کو چاہئے لگی اور اسی حرکت نے ہمیں جانی کی طرف دھکیلا۔ غیر ابی سے فون پر گفتگو کرنے کی جو حمایت تم سے سرزد ہوئی تھی وہی تم پر میری گرفت کا باعث محیہ اوقات میں بھی جیسچین سے ملنے لگی۔ اسی بنا پر ناصر مرزا کو دونوں کے تعلقات کا علم ہوا۔ ابی۔ جس وقت تم ایگل بیچ سے روانہ ہوئی ہو اسی وقت سے تمہارا تعاقب شروع کر دیا گیا اور وہ چونکہ اسے اپنی ذمہ داری پر یہاں لایا تھا لہذا وہ اسی کی دلکشی بھال کے سلسلے میں اس کا پھر جاہاں تم اس کے بعد گئی تھیں اس عمرت سے برآمد ہونے والے ہر شخص کا تعاقب کیا تعاقب کرنے لگا۔ روزا اس بڑی طرح جیسچین پر فریغتہ ہوئی تھی کہ سارا ہمی وقت اس کے ساتھ ہارہا اور بلا ختمہارے ڈیٹی آٹھا بلڈنگ میں اس وقت پکڑے گئے جب وہ شفقت دی گزارنے کی سوچنے لگی۔ لہذا جب بھی اسے علم ہو جاتا کہ ناصر مرزا اس کا تعاقب کر رہا ہے، نہ کو انجشن دے کر ہمارے رومال سنگھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ شفقت بھی اب میرے پیلک مقامات پر اسی حرکتیں کر دیتی کہ ناصر مرزا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ میں نے ناہے اتنے میں ہے۔ اس کی کہانی بھی ضرور سنوں گا۔ تمہارے ڈیٹی کو میں معاف کر دوں گا کہ وہ اکثر ہرے ہوٹلوں اور ریسٹورانٹوں کی میزوں پر سر کے مل کھڑی ہو گئی ہے۔ اس سے یہ طیکتم جھوٹ نہ یہاں۔“

فائدہ ضرور ہوا تھا کہ وہ لوگ خود ہمیں کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے جن کی نگرانی اس کے ذریعہ کر لیں مقصود تھی۔“
”کن لوگوں کی نگرانی؟“

”تمہارے کچھ دیر خاموش رہی پھر طویل سانس لے کر بولی۔“ شفقت ایک انجشن کے تحت کلارا کچھ کاری آفیسر ہمارے ملک کے مفاد کے خلاف سوچنے لگے ہیں۔ ایک ایک کر کے ہم ان کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔“
”مرف اپنی پچھلی زندگی بھول جاتا تھا بلکہ کسی شکاری کتے کی طرح ذکر کی انس اور انتہائی درجہ اس جواب پر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی پھر فریدی نے کہا۔ ”تم نے روزا کو ختم ہاتھ بھی ہو جاتا تھا۔ جس طرح کسی بلڈ ہاؤٹ کو کسی کی بو پر لگایا جاسکتا ہے اسی طرح اس کیوں نہیں کر دیا۔“

”جیسچین کے خاتمے کے بعد ہم اسی کے امکانات پر غور کر رہے تھے کہ خود ہمی اس نے اچوپیں گھنٹے کے اندر تمہیں علاش کر کے تمہاری گردن توڑ دیتا۔ محض مشق کے لئے اس سے کئی خودکشی کی کوشش کر دیا۔“ جیسچین کو ہم نے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی پاگل ہو رہا تھا۔
”تل کرائے گئے ہیں۔ جیسچین اس کا آخری شکار تھا۔ تمہارے ان آفسروں کی گردیں بھی وہی مجبوراً اس کا خاتمہ ہی کرنا پڑا۔ روزا کی بین و اشک ہی پر اکتفا کی گئی۔ یہ ہم نے اس لئے کیا نہ تھا جو ہمارے ملک کے مفاد کے خلاف سوچتے ہیں۔ انجشن کا اثر زائل ہوتے ہی وہ بھول

کر سکتے ہے کہ ہمیں ناپسندیدہ قرار دے کر سفارت خانے سے واپس کرادے۔ رہ گئے قتل تو وہ ان کی جوابدی کے لئے شفقت کو روک سکتی ہے..... اور اسے قتل کی وارداتوں کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لا یا جسے سرد خانہ ہی کہا جاسکتا تھا اور وہاں..... تو کارائیج پا گل ہو گئی۔ کیونکہ اس کے باپ کی لاش سامنے ہی ایک اسٹرپچر پر رکھی ہوئی نظر آئی۔ وہ چینچتی رہی اور چینختے چینختے بلا آخربیوں ہو کر گر پڑی۔

حمدی اس طرح اپنی کھوبڑی سہلا رہا تھا جیسے دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہو۔ فریدی نے اسے سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور بولا۔ "وہ سیاہ پوش میں خود تھا۔ صرف یہ دیکھنے کے لئے کارا کو یہاں اس طرح بلوایا تھا کہ وہ مجھے اس سلسلے میں کیا بتا سکے گی۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کے ہر راز میں پوری طرح شریک ہوتی۔ اگر اس پر پہلے ہی ظاہر ہو جاتا کہ اس کا باپ مر چکا ہے تو وہ کبھی زبان نہ کھولتی۔"

"اور یہ ناصر مرزا.....!"

"دل کا بڑا نہیں ہے۔ پیشی دلت مند ہموماً آجھت اور مغلص ہوتے ہیں۔ اُن لوگوں نے اسے اس طرح آلے کار بنا�ا تھا کہ اس کا علم بھی نہ ہو سکے اور اس کا انتساب اس لئے کیا تھا کہ سارے ہی بڑے آفسر اور ذمہ دار لوگوں سے اُس کی دوستی ہے۔ اُس کے تو سط سے روزابہ آسانی ان تک پہنچ سکتی۔ وہ خود ہی اس کی طرف متوجہ ہوتے رہے ہوں گے۔ کیا خیال ہے۔" حمید کچھ نہ بولا اور وہ پرشویں نظروں سے بیوں کارا کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "پہنچیں کیا بات ہے جسے بھی چاہتا ہوں آخر کار فرڑا ثابت ہوتی ہے۔"

"کیا تم فرڑا نہیں ہو۔ کیا میں فرڑا نہیں ہوں۔ ضرورت بُری بلا ہے۔ کیا میرا یہ فعل کسی بھی اخلاق خابطے کی رو سے پسندیدہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ میں ایک بیٹی کے مردہ باپ کی جگہ

جانا تھا کہ وہ انگلشن لگنے کے بعد سے اس وقت تک کیا کچھ کرچکا ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ مجھے ایسی حالت میں کیونکر پہچان سکا جب انگلشن کے اڑات کے تحت نہیں تھا کیونکہ نارمل ہی نہیں حالت میں اس نے مجھے یا ڈیڈی کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ اس سے نقاپ ہی میں ملتے رہے۔"

"اب اپنے ڈیڈی کے اس پتوں کے بارے میں بتاؤ۔"

"میں اس کے بارے میں کیا بتاؤ۔"

"کیا اس سے کسی کی موت واقع ہو سکتی ہے۔"

"نہیں..... اس کا فائز روئی طور پر اعصابی تشنج میں جلا کر دیتا ہے۔"

"کسی حال میں بھی نہیں مر سکتا۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر یہ بیک چونک پڑی اور فریدی کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تت..... تم..... اس پر کیوں اتنا زور دے رہے ہو۔"

"یونہی اپنی معلومات میں اضافہ کے لئے۔"

"تت تم نے ڈیڈی پر..... تو اس سے فائز نہیں کیا تھا۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"ڈیڈی بلٹ پروف پہنچتے تھے سیاہ لبادے کے نیچے۔ کسی بھی دھات پر اس کی لمبی پڑ جائیں تو دھات ہی میں مقید ہو کر رہ جاتی ہیں اور آدھے گھنٹے تک اس پر ان کا اثر رہتا ہے۔ خدا کی پناہ..... کیا تم نے ڈیڈی کو مار ڈالا۔ بلٹ پروف ان کے لئے جہنم بن گئے ہوں گے۔ بتاؤ..... بتاؤ۔"

وہ پا گلوں کی طرح چینچتی ہوئی فریدی کی طرف جبیچی تھی لیکن حمید اُن کے درمیان آنا ہوا

بولا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ ابھی اپنے ڈیڈی سے گفتگو کر چکی ہو۔"

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی اور تھوڑی دیر بعد بولی۔ "اب ہمیں جانے دو، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تمہاری حکومت اس معاملے کو منظر عام پر لانا پسند نہ کرے گی۔ زیادہ سے زیادہ

لے کر اس سے کچھ معلوم کروں اور پھر اسے اس کی لاش کے پاس لے آؤں۔“
جمید خاموش رہا۔

فریدی نے تھوڑی دیر بعد ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ”لیکن یہ میں نے اپنے لئے
نہیں کیا..... ملک و قوم کے تحفظ کے لئے بعض اوقات سارے ضوابط تھے کہ طاق نیاں پر
رکھ دینے پڑتے ہیں۔“

کمرے کا سکوت کسی قبرستان کے نائے سے کم نہیں تھا۔

ختم شد